شرح الافکار

ہر ایک مسلمان کے لئے

سیفی

معذرت

پندرہ سال کی سخت کوشش کے بعد سارے صدمات اور خطرات سہہ لیکر یہ نوبت آئی تھی کہ ایک چیز دیدہ وروں کی نگاہوں تک پہنچاؤں۔ اس کتاب پر ڈیڑھ ہزار روپے سے زیادہ خرچ کئے۔ اب ڈیڑھ سال کے جانکاہ انتظار کے بعد سامنے آئی ہے تو غلطیوں اور کمزوریوں سے مملو ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس رفیق کے حوالے یہ کام کیا تھا اُسنے خود غرضی اور بے پروائی برتی حسب نیت طباعت نہ ہوئی اسلئے انتہائی افسوس کے ساتھ ناظرین سے معافی چاہتا ہوں کہ غلطیوں اور طباعت کی خامیوں کا خیال نہ کریں۔ اگر دوسرا ایڈیشن کا موقع ملگیا تو یہ کوتاہیاں دور کردیجائینگی اُمید ہے کہ اتنی خامیوں پر بھی غور سے پڑھنے والے مطالب پر پہنچ جائینگے۔

معذرت طلب ہو کر ملامت کی جگہ مجبور سمجھا جاؤں اسلئے کہ فریب خوردہ ہوں اور اسلئے بھی کہ اہل تصنیف اور اہل قلم کے ساتھ ظلم و جور ہوتے چلے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔

عذرخواہ و غمزدہ مصنف

تعارف

مجبورِ عشق ہوں نہیں بنتی کہے بغیر
پھر اُن کو حالِ زار سنانے چلا ہوں میں (سیفی)

عموماً بعض حادثات ایسے رونما ہوتے ہیں کہ حساس طبیعتوں پر نہ مٹنے والا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ خاص کر وہ واقعات جو زندگی کی صلاحیتوں کا شیرازہ بکھیر کر یکجہتی کو فنا کر دیں۔ حال اور مستقبل کی بہبودی کو مصائب میں الجھا کر مشکلات بڑھا کر عزائم و مقاصد کی برکت سے بہرہ اندوز نہ ہونے دیں۔ بلندی کی امیدوں کو مایوسی میں الجھا دیں۔ جوہر اور صلاحیت کو صبر و قناعت میں دبا کر پیروں کو گوند سے چپکا دیں۔ رائے کی ہم آہنگی سے جو بہتری ابھارے لئے رہی ہو وہ سرد ہو جائے۔ اور پھر انفرادی کوشش سے متوقع وجاہت رونمائی نہ کرے ان کا کیا پوچھنا ہے۔ جن کی زندگی سراسر حادثات کا مجموعہ ہو۔ جھٹکے کھائے ہوں ناکامیاں دیکھی ہوں۔ یکسوئی اور آرام سے محروم رہ کر مسلسل مصائب جھیلے ہوں۔ سکون کے ایک لمحے کو ترس ترس کر زندگی کے سانس پورے کئے ہوں۔ ہر قسم کے رنج و غم سے گزرے ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا دماغ چونک جاتا ہے۔ تکلیفوں سے ٹکرا ٹکرا کر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ نگاہ تیز ہو کر حقیقتیں جھنجھوڑنے لگتی ہے۔ حالات و واقعات کا احتیاط سے جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ہر گڈے پر اچھلتے ہیں سوچتے ہیں۔ نتائج پر پہنچتے ہیں۔ اپنی اور دوسروں کی بھیڑ چال پر حیران ہوتے ہیں۔ پھر جب بے چینی دور کرنے کے لئے کچھ کہتے ہیں۔ تو انہیں دنیا کے کر و کر لپیٹ جاتے ہیں۔ یہ لوگ بہت قابلِ رحم ہوتے ہیں۔ جب ہم عصر جھٹلاتے

ہیں۔ تو طبیعت کو سمجھا کر مستقبل کی امید پر قلم گھساتے ہیں۔ اور مایوس ہو کر غالب مرحوم کی طرح سر کو جھٹکا دے کر کہہ دیتے ہیں :-

شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

ان کی دور رس نگاہ وقتی شور و شر سے مایوس نہیں ہوتی۔ لکھے جاتے ہیں اور بے خبر ہلکی نگاہوں کو حقارت سے ٹھکرائے جاتے ہیں۔ غرض حادثات ہی ہیں۔ جو بے فکری کو فکر اور بے شعوری کو شعور دیتے ہیں۔ عقل تیز ہوتی ہے۔ تجربہ بڑھتا ہے۔

میرے بھائی جب ۱۹۰۸ء میں بہائی ہوئے ہیں۔ اس وقت میں بارہ تیرہ سال کا تھا۔ اب تک یاد ہے کہ خبر سن کر بہت دنوں افسردہ رہا تھا۔ اس کم عمری میں سوچا کرتا تھا کہ ان کے کافر ہونے اور اسلام چھوڑنے کا کیا سبب ہے۔ اسلام میں کیا کمزوری ہے۔ کہ وہ اسے چھوڑ کر بہائیت میں جا پڑے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گھبرا کر ہاتھ اٹھا دیتا تھا اور دعا مانگنے لگتا تھا کہ پروردگارا! یہ کیا بحث بحثی ہے۔ یہ اختلافات کیسے ہیں۔ مجھے ان جھگڑوں سے بچا کر سچائی دکھا۔ ان مختلف راہوں میں سیدھا راستہ بتا۔ اس حادثے کے بعد جو صعوبتیں آئیں۔ انہوں نے شوق تجسس کو بیدار کر دیا۔ مخالفتیں دیکھیں۔ ہنگامے دیکھے۔ نفرت اور عداوت کی آندھیوں سے گزرا۔ وقت ابتدائی الجھنوں کے ساتھ گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ چند سال کے بعد ان حالات کے ساتھ خانگی حالات بھی بدل گئے۔ سب ذمہ داریوں میں لپٹ گئے تھے۔ خلوص کے اوراق میں خود غرضی اور رشک و حسد کے جھونکوں سے شکنیں پڑنے لگیں۔ لالچ نے یک جہتی کی مٹھاس میں نفع پرستی کا زہر گھول دیا۔ یگانگت کا شیرازہ جو شکوے شکایت سے کمزور پڑ چکا تھا مایوسی کی ضربوں سے بکھر گیا۔ آخر کار میں نے بھی جنس اخوت پر آنسو بہا کر ہمیشہ کے لئے گھر کو خیر باد کہہ دی اور مشکلات و آفات کو صبر و شکیب کے ساتھ کندھے پہ اٹھا لیا۔

یہ طالب علمی کا آخری زمانہ تھا جو احباب کی مخلصانہ دلجوئیوں سے ختم پر پہنچا۔ مذہبی خلفشار دل و دماغ میں پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک سارا حصہ موروثی اعتقادیوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ پھر بھی راستی کی تلاش ابھرنے لگی تھی۔ حقیقت جوئی کی جرات کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس لئے کہ مسدس حالی صحیفہ بن کر سات آٹھ سال جیب میں رہا تھا۔ اور اس کے مطالعے نے کرید جنون تک پہنچا دیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۶ء میں طالب علمی کی مصروفیت سے نجات ملی اور میں لاہور کے ادبی حلقے میں شریک ہونے کے بجائے ایک مخلص رفیق کے مشورے سے ملازمت

کی قید وبند میں آگیا۔ نوکری کے فرائض ادا کرنے کے بعد کافی وقت ملتا تھا پہلے اسلامی تاریخ کا عربی ذخیرہ دیکھا۔ پھر فارسی اور اردو کی جدید و قدیم تاریخوں پر نظر ڈالی جس سے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی بہت سی حقیقتیں سامنے آگئیں۔ متنازعہ فیہ واقعات کی اصلیت کھلی یک طرفہ فیصلے جو دل و دماغ میں بسے ہوئے تھے ہلکے پڑ گئے۔ واعظوں کی تلقینوں سے جو تنگ نظری خیالات میں رچی ہوئی ملتی جاتی رہی۔ تاریخی حالات و واقعات کے ناقدانہ مطالعے نے میراث میں پہنچی ہوئی دلیلوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اس محنت میں رفتہ رفتہ کچھ لذت سی آنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کو بار بار محنت سے پڑھا۔ کوشش کی کہ اس کے احکام و اصول دماغ میں سما جائیں تعلیم کا مقصود مستحضر ہو جائے۔ معلومات کی لذت نے آگے بڑھایا۔ مروّجہ مذاہب کو دیکھا۔ ان کے ارکان و اصول کو جانچا۔ اور احتیاط کے ساتھ مقابلہ کرنے سے اسلام میں اور ان میں نمایاں فرق نظر آنے لگا۔ اسلامی تاریخ نے تاریخ سے شغف پیدا کر دیا تھا۔ دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی تاریخ دیکھی۔ جب روم و یونان کی تاریخ پر نظر پہنچی۔ تو ان کے حالات سے دلی لگاوٹ پیدا ہو گئی۔ آرٹ کا شروع سے دلدادہ تھا۔ ان کے آرٹ اور علوم نے آنکھیں کھول دیں۔ مشرق کو ان کے مقابلے میں ہلکا پایا۔ رفتہ رفتہ موجودہ یورپ کے بارے میں معلومات بڑھیں ان کے متعلق اردو میں جو ذخیرہ تھا چیدہ چیدہ دیکھا۔ اہل ذوق سے بہت کچھ سنا۔ تلاش و تجسس کی لذت نے اس دائرے میں ایسا محصور رکھا کہ زرطلبی اور دنیاداری سے بھی دلچسپی نہ رہی۔ دماغ خیالات کی الجھن کو لپٹ گیا۔ اور حقیقت کی تلاش نے کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔

یوں تو اسلام میں اسی وقت گھن لگ گیا تھا۔ جب اس کے ہونہار تندرست تنے سے دو بڑی شاخیں بہت جلد پھوٹ نکلی تھیں۔ لیکن بعد میں ان دونوں سے جو کونپلیں ابھریں۔ انہوں نے اصلی نقش و نگار کو ہمیشہ کے لئے اپنی خیالی سرسبزی میں دبا لیا۔ اختلاف کی خلیجوں کو وسیع کر دیا۔ میرے لئے اسباب کا معلوم کرنا آسان کام نہ تھا تاہم حسب توفیق محنت میں لگا رہا۔ اور جب سنجیدہ خیالوں کی باریک اور نازک لفظوں پر نگاہ پڑی۔ تو سخت حیرانی ہوئی۔ خوش فہمیوں کا تار و پود بکھر گیا۔ ایسی گمراہیاں نظر آئیں جن کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اسلام میں اور ان میں اتنا بُعد پایا کہ کفر اور اسلام میں اتنا فاصلہ نہ دیکھا تھا۔ ان کی شاخیں کوڑیالے سانپوں کی طرح حسین اور رنگین تھیں۔ جن سے بے خبر بے حس کھیل رہے تھے۔ قرامطہ۔ اسماعیلیہ۔ واقفیہ۔ باطنیہ۔ صباحیہ سب انحرافات

سے لبریز اور اسلام کی روشن خیالی سے محروم۔ تاہم ابھی تک جستجو کے باوجود بابیت اور بہائیت کی تفصیل نظر سے نہ گزری تھی۔ اس لئے کہ وہ تقیے اور اخفا کے اصول پر ہزار پردوں میں مستور تھی۔ آخر کار ۱۹۳۲ء میں ایک سرگرم بہائی مبلغ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے نیا اور نرم شکار سمجھ کر پیچ رکھنے شروع کئے۔ دست و پا کو ٹٹو کے دیے اور خوش ہو کر دو تین ملاقاتوں میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ مجھے کتابوں کی جستجو تھی۔ مطالبہ کیا اور انہوں نے اقدس دکھانے کے بجائے اپنے طریق کے مطابق دو اک کتابیں دیں۔ ان پر جو گفتگو ہوئی اس سے اک دم چونک کر الاقدس کو حیل و حجت اور مختلف بہانوں سے بچا لیا۔ جس کو یہ لوگ قرآن کا جواب اور آسمانی کتاب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے آکر قرآن اور ملت اسلامیہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ جب اس نے ہاتھ روک لیا اور ادھر سے ناامیدی ہو گئی تو میں نے دو ہی کتابوں کے نوٹ لے کر بہائیت پر تنقید لکھ ڈالی اور حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد تہیہ کر لیا کہ چاہے کتنی ہی ملامتیں آئیں اسلام اور مسلمانوں کو جن باتوں نے تباہ کیا ہے۔ وہ کھلے طور پر لکھ ڈالوں گا اور اس کام کے نتیجے میں ہر خمیازہ بھگت لوں گا۔ ستہ ضخیم لکھی تین ہو چکی ہیں۔ طباعت و اشاعت کا انتظام نہیں اور نہ معلوم کب ہو۔ نہ یہ اندازہ ہے کہ اشاعت کتنی ملامتیں جمع کرے گی۔ البتہ یہ تسکین ہے کہ بہائیت کے رگ ریشے دکھا دیئے ہیں اور اہل نظر سے پسندیدگی کی امید ہے۔

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ کمزور جڑ سے کمزور شاخیں نکلا کرتی ہیں۔ اسلام کا خاکہ جما لینے کے بعد کمزور جڑ والوں کے پتے ٹٹول ڈالے۔ اسلام کے اور ان کے اصول کا مقابلہ کیا۔ خامیاں ابھر کر سامنے آگئیں جن کو دیکھ کر حیرانی کے ساتھ غم بھی ہوا۔ تاہم واقف ہونے سے جو رہا سہا سرمایہ بھی جاتا رہتا ہے اور طبیعت اکھڑ کر اعتقادی گرفتوں سے بیزار ہو جاتی ہے مجھ پر ایسا اثر نہ پڑا یعنی جب کوئی تیز نظر انسان اپنے معتقدات کی کمزوری سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ تو ان کے ساتھ بنیادی اصول و ارکان بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور مذہب سے نفرت ہو جاتی ہے۔ میں اس نتیجہ سے بچ گیا۔ اس لئے کہ اسلام کو اصول معیشت کا مجموعہ سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ زندگی گزارنے کے لئے بہرصورت قاعدے قانون کی ضرورت ہے۔ بالکل آزاد ہو کر یا شتر بے مہار بن کر جینا مشکل ہے۔ پاؤں تلے کی دلدل سے واقف ہونے کے بعد سارے جنگل سے بیزار نہ ہوا۔ بلکہ اس سے نکل کر خشک جگہ پر آ کھڑا ہوا۔ خوش اعتقادی تو نہ رہی۔ لیکن خالص اسلامی اخلاق و معاملات کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کوشش کی کہ روزمرہ

کے عمل کو اس کے رنگ میں رنگ لوں۔ اس لئے کہ مذہب کا مدعا اعمال و افعال کو ٹھیک کرنا ہے۔ جو مذہب انسان کی اصلاح کر کے عمل کو درست نہ کرے روزمرہ کے معاملات نہ سنوارے وہ مذہب نہیں فریب ہے۔ صرف عبادتوں ریاضتوں سے دنیا کے معاملات کی راہ نہیں بدلتی۔ عوام کی بدبختی کا پانسہ نہیں پلٹتا۔ نیکی درستی اعمال کی نیکی ہے باقی ذہنی ریاضت کی نیکی روحانیت کے خواب اور نجات کی فکریں دوزخ و جنت اور حور و غلماں کا آمد وہ محض ذہنی بہلاوے اور دماغی سہارے ہیں۔ عمل میں خدا کی خوشنودی بھی ہے اور معاملات کی درستی بھی ہے۔ خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کے اقرار کے بعد معاملات کی درستی مذہب کا حاصل ہے۔ مذہب میں انسان پر لمبے جنجال بڑھ جانے سے حقیقت گم ہو جاتی ہے۔ اور خیالی دلدل میں پھنس جانے سے دنیا کے کاروبار ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ بزرگان دین کی خوشنودی خراج رہ جاتی ہے جس سے سوائے ذلت و حقارت کے پلے میں کچھ نہیں رہتا۔ غالب قوم کی ٹھوکریں ہی رہ جاتی ہیں۔

ان حالات سے واقف ہونے کے بعد عہد کیا تھا کہ جو کچھ دیکھا ہے۔ صاحبان بصیرت کو دکھاؤں گا۔ لیکن ملازمت کی غلامی، کثرت عیال کی مشکلات، وقت کی صعوبت اور پیہم انقلابات نے ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔ ورنہ ۱۹۴۷ء کے فتنے سے پہلے کئی چیزیں نگاہوں تک پہنچ جاتیں۔ جو بیدار ہو چکے ہیں دیکھ لیتے اور جو بے خبر ہیں واقف ہو جاتے۔ ممکن تھا کہ مجھ نامعلوم اور مجہول میں پڑے ہوئے بے حیثیت انسان کی کوئی ایک آدھ بات کسی حساس کو چونکا دیتی۔ اور موجودہ تار و پود کی کمزوری سامنے آ کر اعدائے اسلام کا احساس دلاتی۔ فرقہ پرستی نگاہوں سے گرتی اور کوئی کلمہ گو اسلام کی یک جہتی کا قائل ہو جاتا۔

شاید کوئی یہ خیال کرے کہ ان باتوں سے جن کو تحقیق کہا جاتا ہے کیا حاصل ہے۔ سر سید کی اصلاحی کوششیں حالی کی فریادیں اکبر الٰہ آبادی کی چیخ پکار مشہور مقتدر لیڈروں کی کوششیں انقلابات کے پے در پے حملے تباہی و بربادی کے نظارے مسلمانوں کو بیدار کر کے اٹھا نہ سکے۔ تیرہ سو سال کی تلقینیں نہ بدل سکیں۔ تو یہ چند اشارے کیا انقلاب پیدا کر دیں گے۔ یہ کتابی چٹکیاں کس کو بدل دیں گی۔ صدیوں کے اختلافات جو دینی معتقدات بن کر رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں کس طرح دور ہو جائیں گے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ مجھ جیسے گمنام آدمی کی بڑبڑاہٹ نقار خانے میں طوطی کی آواز ہے خاص کر ایسی حالت میں جبکہ اتنی باتوں میں سے ابھی تک ایک حرف بھی کسی کے

کانوں تک نہیں پہنچا اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس محنت کا نتیجہ کیا ہے لیکن امید عجب چیز ہے دلاسے دے کر کام کرائے جاتی ہے۔ اور اچھے نتیجے کے منظر دکھاتی رہتی ہے۔ یہی سہارے ہیں کہ محض امید موہوم پر ملامتیں جمع کرنے کا سامان مہیا کئے جا رہا ہوں۔ کچھ 'پیغام ہوش' سے آ چکی ہیں اور باقی بھی ان ذخیروں سے آ جائیں گی۔ تاہم یہ عام دستور ہے کہ انسان اپنی معلومات دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہلکی ہوں یا بھاری۔ اپنی تلاش بھاری ہی جچا کرتی ہے۔ یہ بھی نہیں کہ بھاری ہی کہیں۔ ہلکے بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ بعض وقت گمناموں کی سستول گفتگو بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

ج

جب یورپ نے کروٹیں لیں یعنی خروج کی ٹھٹیں تو مذہبی طبقے ہی میں سے لوگوں نے باہر نکل کر پہلے رسم ورواج اور مذہبی خرافات کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔ اصلاح و تہذیب کے واسطے نہ صرف ملامتیں جمع کی تھیں بلکہ دردناک عذاب سہے تھے۔ اپنی تحقیق کے صلے میں تنوروں اور چتاؤں میں جھونکے گئے تھے آخر کار ان کی ہی قربانیاں پھل لائیں اور عذاب دینے والے ناکام رہے۔ ان کے ہی ایثار سے دنیا کی بنیاد نئے اصول پر قائم ہو گئی۔ ایران کے استبداد اور شخصی حکومت کی روک تھام میں بھی پچھلی صدیوں میں قلم نہ رکے اہل نظر نے بہت کچھ کہا اور لکھا۔ لیکن وہ اکثر اوپری باتیں تھیں۔ یہی حال ہندوستان میں ہوا۔ دونوں جگہ یہی ہوتا رہا کہ جن مذہبی خیالات نے قوم کو پستی کی انتہا پر پہنچایا تھا ان کو ملامتوں اور سزا جزا کے خوف سے نہیں چھیڑا گیا۔ اہل ملک کے سامنے وہ کمزوریاں نہ رکھیں۔ جو اصل تباہی کی ذمے دار تھیں۔ یعنی اخلاقی اور سیاسی بربادی کی تصویریں کھینچیں یہ نہ بتایا کہ اسلام کے اصول سے الگ ہو کر جو مذہبی جنجال ملک و قوم کو تباہ کر رہا ہے اور مکڑی کے جالے کی طرح دماغوں پر لپٹا ہوا ہے۔ جس پر عوام مجذوب ہو کر اندھے بن کر گرے ہوئے ہیں۔ اس کی جڑیں کاٹنی چاہئیں۔ ایران میں اہل سیاست قیام اقتدار کی دھن میں ان مشاغل پر قوم کی پیٹھ ٹھونک کر ترغیب و تحریص کرتے رہے۔ بیداری کے اسباب کو ملاؤں کی مدد سے اوجھل کرتے رہے۔ شریک ہاؤ ہو ہو کر گراوٹ کو عروج کی صورت دی۔ تباہی کو ترقی۔ اخلاقی پستی کو عروج اور وہم پرستی کو اصل دین بنا کر دکھاتے رہے۔ ہندوستان میں بھی شعرائے باکمال اور پیغمبران شعر و سخن نے مذہبی گراوٹ کی تکمیل کے بجائے سطح کے ردوبدل پر کفایت کی۔ دو ایک نے کہا بھی تو اشاروں

کنایوں پردہ گئے۔ نشتروں کا آپریشن نہ کیا۔ ان جنجالوں کو صاف اور برملا نہ کہا۔ جنہوں نے ذہنی پستی اور غفلت دے کر قوم کو حقیقت رسی زمانہ شناسی روشن خیالی اور فکر سود و بہبود سے بے نیاز کیا تھا۔ تاہم قوم کو بیدار کرنے میں ان بزرگوں کا جو احسان ہے۔ اس سے ہماری گردنیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

میں اس کا اہل نہیں کہ کسی اہم فرض کو ادا کر سکوں۔ تاہم بے کیف نظم اور سیدھی سادی نثر میں جو کچھ لکھا اسے زمانے کے حادثات نے بروئے کار نہ آنے دیا۔ اولاً مطلب کی بے سلیقگی پر بھی ایک چیز ۱۹۴۲ء میں چھپوائی تھی نظم تھی۔ 'پیغام ہوش' نام تھا۔ اشعار میں تفصیل نہیں آسکتی۔ پھر بھی کمزوریوں کا خاکہ کھینچا تھا تاکہ کوئی بیدار انسان اس کو پڑھ کر چونک جائے۔ اور جب 'تحفہ عجم' سامنے آئے تو ناز سے نگاہیں ڈال کر پرکھے۔ اس کی جیسی اشاعت ہونی چاہیے تھی نہ ہو سکی۔ جنگ نے ایسے قیامت خیز حالات پیدا کر دئے تھے کہ کسی کو میدان جنگ کے سوا اور کوئی فکر باقی نہ رہی تھی۔ توجہ سراسر سیاسی اور ملکی قضیوں میں الجھی ہوئی تھی۔ پھر بھی یہ نظم جہاں تک پہنچی ایک مختصر سا ہنگامہ پیدا کرتی چلی گئی۔ بے خبر تنگ نظر چیخے چلائے۔ ناشناس ملاؤں کے فتوے چلے۔ شورشیں ہوئیں اسکیمیں بنیں۔ عوام نے دانت پیسے گھے تانے۔ اور جب میں ہاتھ نہ لگا تو کافر ملحد کہہ کر چپکے ہو رہے۔ لیکن جو سمجھ سکتے تھے انہوں نے لبیک کہا۔ اس کو بار بار غور سے پڑھا۔ دوسروں کو توجہ دلائی۔ حالات کا خاکہ کھینچ کر ثبوت دئے۔ اور جن میں صلاحیت تھی۔ انہیں دکھاتے پھرے۔ ملامت جھیلی۔ الزام سہے۔ اور معترضین کو جواب دے کر اکثر کی تسلی کی۔

رفتہ رفتہ بہت سا قلمی مسالہ جمع ہو گیا تھا۔ کچھ ذاتی کچھ بیرونی جو حالات کی تنگی کے نیچے دبا پڑا رہا۔ 'تحفہ عجم' کی اشاعت گرانی کمیابی اور افلاس نے روک لی۔ 'تعبیر زندگی' بہت سی حقیقتوں کو الم نشرح کر دیتی کتنی باتیں رسائل سے معلوم ہوتیں۔ بہائیت کی تفصیل 'سواد پارس' اور 'شرح مکائد' سے کھل جاتی۔ حالات نے انہیں دل کو زخمی رکھا۔ اور حسرت اظہار غم غصے میں دب کر رہ گئی۔ اتنی دماغ سوزی کے بعد بھی قلم تشنۂ تحریر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک بہت سی حقیقتیں زیر حجاب کروٹیں بدل رہی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے اسباب نوک قلم تک آنے کے لئے بیتاب ہیں۔ کیا حرج ہے اگر بقیہ ملامتوں کے لئے ان کا بھی اظہار کر دوں۔ مجھ جیسے آدمیوں کے حصے میں لعنتیں ملامتیں ہی لکھ دی جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پھانسی مقرر ہو جاتی ہے بخت

ہے کہ تنوروں کی آگ اور چتاؤں کے شعلے نہیں۔ مجھے یہ برتاؤ بھی گوارا ہیں۔ اگر آخری منزل پر اخفاق حق میں ایسی سختیاں بھی آجائیں تو مضائقہ نہیں۔ کسی کو معلوم تو ہو جائے گا۔ کہ راہ ہدایت وارشاد میں صرف کانٹے ہی کیا سینے کیوں رہ گئے ہیں پھول کہاں چلے گئے۔ اسلام کی زندگی بخش تعلیم میں اغیار کی باطل پرستی کہاں سے آگھسی۔ حلم وعقل کے ولولے کہاں چلے گئے۔ زہریلے چشمے کیونکر پھوٹ نکلے۔ تروتازہ بارآور نہال مسموم ہو کر کس طرح خشک ہو گئے۔ خوش اعتقادیوں نے اصلی خاکے سے کیا سلوک کیا۔ تاویل وتخیل اور وہمی قیاس آرائی نے سادگی میں کیسی پیچیدگیاں ڈال دی ہیں۔ کن باتوں نے اسلام کی اصلیت سے بے نیاز کر دیا۔ اور کون سے ملمع تنزل وتشتت کا موجب بنے ہوئے ہیں۔

"تنقیح الافکار" لکھ کر رکھے لیتا ہوں۔ زندگی میں آلام ومصائب سے چھوٹ کر کبھی موقع مل گیا تو اور چیزوں کے ساتھ اس کی بھی اشاعت ہو جائے گی۔ نہ ملا تو لحد نشینی کے بعد کسی ہمدرد کا ہاتھ لگا ہوں تک پہنچا دے گا اور جوش حقیقت نمائی میں میرے ساتھ اپنے لئے بھی پھٹکاریں جمع کر لے گا۔ اس مختصر وچھوٹے میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ اہل غرض مذہبی اجارہ دار مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کیا منتر جاتے ہیں۔ کیا کیا جدتیں کرتے ہیں۔ کیسے کیسے ہوائی قلعے کھڑے کر کے وہم زدہ دماغوں کو ہزاروں سال کے لئے کور وکر بنا دیتے ہیں۔ اور ہوا کو اس طرح کیل دیتے ہیں کہ آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ دماغ بجھ جاتے ہیں۔ احساس مردہ ہو جاتا ہے۔ قوائے ذہنی مفلوج ہو کر غور وفکر چھوڑ دیتے ہیں۔ دن تاریک نظر آتا ہے اور رات روشن۔ مقصود یہ ہے کہ قرآن کے اصول کو کیونکر دنیاوی اور دینی وجاہت پر قربان کیا گیا۔ اسلام کے اختصار میں کس طرح طول آیا۔ اور اسلام کا مختصر خاکہ کیا ہے۔ اسے "الدین یسر" کیوں کہا گیا ہے۔

اس کتاب کے مضامین کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ پہلے باب میں بار امانت کا ذکر ہے جو ایزد تعالیٰ نے زمین وآسمان پر پیش کیا تھا۔ اور ظالم وجاہل انسان نے اٹھا لیا تھا۔ اقوام عالم میں اس کے مختلف نظریے دکھائے گئے ہیں۔ مذہب کے نام پر جو مختلف خیال چلتے رہے ہیں ان کا خاکہ کھینچا ہے۔ دوسرے باب میں فکر ابراہیمی کی تشکیل ہے۔ اور ان کے نظریے کی دوسرے اصول وعقاید سے فوقیت دکھائی ہے۔ تیسرے باب میں منکرین کا بیان ہے۔ جو ہر عصر اور ہر زمانے میں اپنے فلسفیانہ دلائل سے مذہب کے عقاید کو جھٹلاتے

رہے ہیں۔ چوتھے باب میں تشریح ہے کہ کس طرح رسول عربی نے بار امانت اور براہیمی نظریے کی تکمیل کی۔ دین کو اصول و ضوابط سے مربوط کر کے انسان پر کیا احسان کیا۔ پانچویں باب میں زندگی اور مذہب پر گفتگو کی ہے چھٹے باب میں اسلامی نظام معیشت کی تفصیل ہے۔ ساتویں میں ان زیادتیوں کا بیان ہے۔ جو مذاہب میں نامعلوم طریقے پر داخل ہو کر دین بن جاتی ہیں۔ اور اصلی نظام کو درہم برہم کر کے دائمی نفاق کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ آٹھویں باب میں یہ دکھایا ہے کہ یورپ کی بیداری اور جدید ترقی کا اسلام اور جنس مذہب پر کیا اثر پڑا۔ نویں میں یورپ کے اقتدار سے جو مسلمانوں کا انحطاط ہوا اس کا خاکہ ہے دسویں میں انحطاط کے نتیجے پر جو ۱۹۴۷ء کے فتنے سے تباہی ہوئی اس کے کوائف کی تفصیل ہے۔ گیارہویں میں علم و عقل پر مکالمے کی صورت میں بحث ہے۔ بارہویں میں خوش اعتقادیوں سے جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ ان کے مخصوص اجزا پر روشنی ڈالی ہے۔ لفظ باب کی جگہ لفظ عکس اختیار کیا ہے۔ اور ہر ایک کے شروع میں ایک شعر سے عنوان ہے جو باب کے بحث یا کتاب کے مقصد کا آئینہ ہے۔ اور مضمون کا پتہ دیتا ہے۔

ان اوراق میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن حسب ارادہ ادائگی نہیں ہوئی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا جو کہہ نہ سکا۔ اس لئے کہ فضا تنگ و ترش ہے اور وقت نازک ہے۔ ابھی ہمارا ملک موافق باتیں ہی سن سکتا ہے۔ تاریک باتیں دہرائی جائیں۔ خیالی بلبلیں اڑائی جائیں۔ تو لذت لیتا ہے۔ مخالف تنقیدیں اسے برہم کر دیتی ہیں پسماندگی نے ابھی تک حقیقت رسی کی فکر سے محروم کر رکھا ہے۔ جو کچھ دل میں ہے اور جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے سارا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ نازک باتوں کا ابھی وقت نہیں۔ گو اس ملک میں بھی وقت آئے گا۔ کہ مانی ہوئی روحوں پر برملا تنقیدیں لکھی جائیں گی۔ بلا خوف و خطر قلم چلیں گے۔ اور اسلام کی یک جہتی کے لئے عزیز ترین معتقدات کی رگ زنی ہوگی۔ امریکہ اور انگلینڈ کی طرح یہاں بھی ہائڈ پارک بن جائیں گے۔

کچھ کہہ دئے مگر انہیں رخ پر نہ دیکھ کر
ایسے بھی غم بہت تھے جو سینے میں رہ گئے — سیفی

ان خیالات کو پرکھنے والے اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ بس اتنے کہ شمار کئے جائیں۔ تو

پہلی ہی دو انگلیوں پر ختم ہو جائیں۔ جب یہ حال ہے۔ تو شناخت کی امید کیا ہو سکتی ہے۔ چند ہیں بھی ایسے ہیں جو آدھے مواد کو بے مصرف اور ہلکا کہہ کر زیادتی سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ عوام کا یہ حال ہے کہ انتہائی مصائب و حوادث کے بعد بھی ہوش نہیں آیا۔ سب کچھ آنکھوں سے دیکھا اور کچھ نہ دیکھا۔ وہی تنگ نظری، کج خیالی اور بے حسی دل و دماغ پر مسلط ہے، ٹھوکا دیا جائے تو پرانے فرسودہ دلائل کو سنبھال کر جھٹ الٹے سیدھے جواب دہرانے لگتے ہیں۔ تباہ کرنے والے مشاغل کی عجیب عجیب تاویلیں کر کے مطمئن دل کو اور مطمئن کر لیتے ہیں اور گھبرا کر کہہ دیتے ہیں کہ خدارا آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ زمین و آسمان پھٹ جائیں گے۔ امید بھی ہو تو کن آثار پر ہو۔

سیفی: عبث ہیں آپ کی یہ کنج کاویاں

اس بزم میں ابھی خلش جستجو نہیں

یہ حالات دیکھ کر یاس چھا جاتی ہے۔ لیکن امید کا سہارا ہے کہ چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ قلم اٹھا لیا ہے۔ اور اس بے سود بے نتیجہ محنت پر جھک گیا ہوں۔ دوسری تحریروں کی طرح اس کا بھی نتیجہ نامعلوم ہے لکھے ڈالتا ہوں مآل جو کچھ بھی ہو۔ سب کچھ نہ کہنے پر بھی ہر قسم کے خیالات و افکار ضمناً آگئے ہیں۔ صغریٰ کبریٰ سے نتیجہ نکال لینے والے کسی خیال پر پہنچ ہی رہیں گے۔ دس پانچ بھی بھانپ گئے۔ تو لعنتیں ملامتیں سب گوارا ہیں۔ اور اگر ہر طرف سے نکتہ چینی ہی ہوئی تو اس کا مجھے پہلے ہی یقین ہے کہے دیتا ہوں کوئی سنے یا نہ سنے:۔

اُن کو یقین نہ آئے تو پھر اس کا کیا علاج

ہم نے تو حال زار کئی بار کہہ دیا — سیفی

سیفی

۱۶ / اگست ۱۹۴۸ء

پہلا عکس

یادِ امانت

کب تک جنونِ عشق کی یہ خام کاریاں
ساقی فریبِ حسن کے اب راز کھول دے

مذہب ہزاروں سال سے انسان کی زندگی کا شریک چلا آرہا ہے۔ جتنا بھی پیچھے دیکھیں کسی نہ کسی ہیئت میں وہ ساز نظر آتا ہے۔ یہ کوئی صوفیت کا نکتہ نہیں قرآن کی آیت ہے کہ خدا نے ابتدائے تخلیق میں روحوں سے اپنی ربوبیت کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سوال کرکے اقرار لیا تھا۔ اور سب نے بلا حیل و حجت فوراً قَالُوا بَلیٰ کہہ کر تسلی کر دی تھی۔ اور غالباً اسی وقت اس متفقہ اقرار کو غفلت اور بے حسی کے حوالے کرکے اپنی طبعی دلچسپیوں پر پڑ لیا تھا۔ جب پہلا گناہ کرکے جنت کی گلگشت سے محروم ہو کر زمین کے خارزار میں آیا۔ تو رہی سہی عہد فراموشی طاری ہو گئی۔ پیمان اولیں کی یاد رہی نہ خلد بریں کی بے فکریاں۔ خورد و نوش کی آسانیاں بھول گیا۔ کوثر و تسنیم کی موجیں سلسبیل کے کنارے خیال سے اتر گئے۔ نئے سرے سے زندگی شروع ہوئی۔ اس خاکدان مشقت طلب میں وہ آسانیاں کہاں تھیں۔ سرتاسر بے ترتیب گنجان جنگلوں کے جھنڈ تھے۔ دہشت انگیز پست و بلند پہاڑوں کے سلسلے تھے۔ راستہ روکنے والے دریا تھے۔ یا اس گوشت پوست کے مجسمے کو حقارت سے دیکھنے والے سمندر تھے۔ ارادے کر کر کے بڑھا۔ خوف کھا کھا ہٹا دبا چھپا۔ جانور بنا وحشت میں اینٹھا حیوانی فضائل میں الجھ گیا۔ ترقی احساس کے دبے

ملے گئے۔ نئے سرے سے عقل و ادراک کی منزلیں ناپیں۔ اور رفتہ رفتہ اس حد پر آ پہنچا۔ کہ بیدار ہو جانے والے شعور میں وہ اقرار الست خواب و خیال بن کر چٹکیاں لینے لگا۔ یہ تصور بندھنے لگا۔ کہ اس عالم وحشت خیز کا کوئی ماخذ و مبدا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ہر وقت ایسا تماشا ہوتا رہتا تھا جو اس کو چونکاتا رہتا تھا۔ کہیں مظاہر قدرت کے جگر خراش نظارے تھے۔ جو قدم قدم پر دل دہلاتے تھے۔ پہاڑ پھٹتے تھے۔ زلزلے آتے تھے۔ پتھروں اور پگھلے ہوئے مادوں کی بارش ہوتی تھی۔ اور لاوا بہ کر خشکی و تری کو ڈھانپ لیتا تھا۔ پناہ کی فکر میں بھاگا پھرتا تھا۔ دوڑ دوڑ کر تھک لیتا تھا۔ پہاڑوں پر چڑھتا تھا۔ غاروں میں چھپتا تھا۔ ہر سمت جا بجا حوادث کا جال تھا۔ پھر بھی سوچ بچار اور تدبیر کار سے بچاؤ ڈھونڈ لیتا تھا۔ اور دوسرے جانداروں سے اپنے آپ کو بہتر پا کر اپنی تسلی کر لیتا تھا۔ پھر بھی حوادث تھے کہ دم نہ لینے دیتے تھے۔ یہیں گھنگھور گھٹاؤں کی چڑھائیاں تھیں۔ بارش کے طوفان بجلی کے کڑکے دریاؤں کے سیلاب۔ زلزلے کی تباہی۔ پتھروں کا گرنا۔ زمین کا پھٹنا۔ غاروں کا بیٹھنا۔ رات کے سناٹے دوپہر کی اداسی۔ جنگلوں کی سائیں سائیں۔ سانپوں کی پھنکار۔ درندوں کی دہاڑ۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ شیروں کی جھپٹ۔ بھیڑیوں کا تعاقب۔ بچھوؤں کی مہک رفتار بے آہٹ لپک۔ اوپر کی طرف چاند سورج اور ستاروں کی بوقلمونی۔ لیل و نہار کے تغیرات۔ موسموں کی تلخی۔ بیماریوں کے حملے۔ وباؤں کی اچانک یورش۔ بداتوں کے لڑائی جھگڑے۔ موت اور زندگی کا کھیل۔ آپس کا داؤ گھات۔ طاقت وروں کے ظلم و جور۔ یہ سب مل جل کر کچھ ایسے اسباب تھے۔ جنہوں نے بے بس انسان کے دل و دماغ پر اثر ڈال کر بالاتر ہستی کی تلاش میں لگا دیا۔ وحشت کی سادگی نے خیالات بنا لئے۔ لغزش فکر تعینات پیدا کئے۔ اور آخر کار ایک طاقتور ہستی کا تصور باندھ کر مصیبتوں میں تسکین کا سامان مہیا کرنے لگا۔ آغاز میں نہایت سادہ اور معمولی خیالات تھے جو وحشت کا نشان دے رہے تھے۔ یعنی مفید تر دریاؤں کو مطمح نظر بنایا۔ جو ملک کی سرسبزی میں زیادہ حصے دار تھے۔ مفید اور مضر چیزوں کی پوجا کی گئی۔ ایک پیڑ کا سا بنا کر درختوں کی چوٹیوں پر لگایا گیا۔ آرام دہ یا خوبصورت تراش کے شاندار خوش اجوبہ خوبصورت خوشبودار پودوں کو مقدس سمجھا گیا۔ فائدہ مند یا عجیب الخلقت جانوروں اور پرندوں کی

پرستش ہوتی۔ گائے بچھڑے کو سجدے کئے۔ چمگادڑ تک کو پوج لیا۔ چاند اور سورج کی عبادت کی۔ آگ میں جلوہ نمائی ہوئی۔ آتش فشاں پہاڑوں کو سہم سہم کر ڈنڈوت کئے۔ سانپ کچھوے اور مگرمچھ کو پوجا گیا۔ کوئی چیز کوئی جنس ایسی نہ بچی جسے معبود نہ سمجھا گیا ہو یا اس سے برکت نہ لی گئی ہو۔

یہ ابتدائی جستجو ملک و قوم اور آب و ہوا کے لحاظ سے ترقی کرتی رہی۔ ذہنی قوتوں نے مدارج طے کئے تو تحقیق و تفتیش کی بھی صورتیں بدل گئیں۔ اس ہستی کا تصور دیوی دیوتاؤں کی شکل میں رونما ہوا۔ جس چیز کو پوجا اسی طاقت کے تصور میں پوجا۔ غور و فکر والوں نے تجویز یا تعین کیا اور عوام نے ان تعبیروں کو اصل مقصود قرار دے لیا۔ مذہبی طبقوں کی تنظیم الگ ہو گئی۔ زندگی کا یہ حصہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے بھی ہر وقت کے انہماک اور فکر روزی سے فارغ البال ہو جانے کی وجہ سے یکسوئی کے گوشوں میں بیٹھ کر خوب خوب اختراعیں کیں۔ جب اس برتر ہستی کے تعین کی کوئی بہتر صورت نظر نہ آئی اس کے وجود اور صفات کی تعبیر نہ سوجھی تو دیوی دیوتا ایجاد کئے۔ طاقتوں کی تقسیم کر کے خیالی ہستیوں میں بانٹ دیا۔ ان کے لئے عیال واطفال نواسے نواسیاں گھڑے اور خاندان بنا ڈالے۔ قوم کے بزرگوں اولوالعزموں بہادروں مصلحوں اور فاتحوں کو ان کے خاندانوں میں شریک کر دیا۔ اپنے جذبات و خیالات ان کے خواص و عادات بنائے۔ جن اخلاق و خصائل کو اپنے لئے بہتر سمجھا انہی کا ان پر بھی لیپ چڑھا دیا۔ ان کے حسن و عشق کی کہانیاں تیار کیں۔ یہاں تک بتایا کہ وہ دیوی دیوتا رشک و رقابت کے جذبات میں انسانوں سے بھی آگے ہیں۔ دیویوں پر محبت کے پھندے ڈالتے ہیں۔ ہجر و وصال کی سختی نرمی سے لذت لیتے ہیں۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ وہ دوسروں کی عورتیں قبضا لیتے ہیں۔ جو بڑے ہیں چھوٹوں کو دبائے رکھتے ہیں۔ عجیب عجیب واقعات و حالات لکھے اور دلچسپ افسانے تیار کئے۔

خدا کو بھی اس سرکش خود رائے اور جنت سے نکالے ہوئے جاندار پر رحم آ گیا تھا۔ ہر ملک و قوم میں رہنما اور ہادی بھیجے گئے۔ جنہوں نے ہدایت اور ضلالت کے فرق بتانے میں اپنی عمریں خرچ کیں لیکن انسان نے خود رائی کی جبلت بدرجہ کراذیتیں دیں۔ مخالفتیں کیں۔ مذاق اڑایا۔ اور اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قدرت نے اس کی سرکشی اور نافرمانی سے نہ اکتائی۔ اور اس کی اصلاح کا کام جاری رکھا۔

اشرف نگر کفور انسان کو صحیح راستہ دکھانے کی سعی بلیغ کرتا رہا۔ اس خلّاق عالم نے اس ذی حیات کو دیگر جانداروں سے زیادہ قوتیں بخشی تھیں۔ عقل و ادراک کی نعمتوں سے بہرہ ور کر کے گو حیوانوں کا جلیس کر دیا تھا۔ لیکن منشاء قدرت میں مقرر ہو چکا تھا۔ کہ یہ حیوانوں سے ممتاز حیوان ایک دن تمام ذی روح جاندار وں سے آگے نکل جائے گا۔ اور فی احسن تقویم کا مصداق بن کر بار امانت کو تازہ کرے گا موجودات ارضی سے کام لے گا۔ تمدن و تہذیب کی بنیاد رکھ کر آگ، پانی ہوا مٹی خشکی و تری باد و باراں کوہ و صحرا برق و رعد عیاں اور نہاں چیزوں پر تصرف حاصل کر کے زمین کے وحشت کدے کو ترقی اور عروج پر پہنچا دے گا۔ اپنے خالق کا کھوج لگائے گا۔ اس کی صحیح پرستش پر پہنچے گا۔ اور پھر اپنی ممتاز قوتوں سے خلیفۃ اللہ فی الارض بنے گا۔ عقل و شعور کا عطیہ نیابت کا حقدار بنا کر کونین کی برکتوں سے مالا مال کر دے گا

اس حیوان ناطق نے جستجو کو جاری رکھا۔ سطحی خیالات سے گذر کر گہرائیوں میں پہنچا۔ تلاش معبود کی جو پیاس لگ گئی تھی۔ اس کو دماغی کاوشوں سے جرعے بھر کر بجھانے لگا۔ کروٹیں بدلتا رہا پلٹے کھاتا رہا۔ ابتدائی تاویلوں تعبیروں میں الجھا رہا۔ آلام و مصائب مشکلات و صعوبات نے اور بھی قدم تیز رکھے دکھ درد نے تلاش کی رفتار بڑھائی۔ اور ہزاروں سال تک اس بے نیاز کے بارے میں ابتدائی غور و فکر سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس تگ و دو کے ساتھ زیادہ زور دنیاوی مقاصد پر دے رہا تھا۔ مصر میں تہذیب و تمدن کی بلند اور مضبوط بنیادیں رکھیں۔ یورپ کے سرد ہو جانے کے بعد جب وادی نیل میں قدم جمائے۔ تو وحشت کو چھوڑنے اور تہذیب بنانے میں سہولتیں مل گئیں۔ مصری قوم جہاں سے بھی اس خطے میں پہنچی ہو۔ شک نہیں کہ اس نے حیرت انگیز ترقی کی۔ بلکہ انسانی تمدن کی بانی ہوئی۔ اس ملک میں جہاں کبھی کبھی سال بارش نہیں ہوتی۔ محض دریائے نیل اس کے لئے رحمت ہے۔ سال میں ایک مرتبہ چڑھ کر بستی زمینوں پر پھیل جاتا ہے۔ اور ایسی مٹی لاتا ہے جس سے زمین طاقتور ہو کر زرخیز ہو جاتی ہے۔ قدیم مصری اس کو گنگا کی طرح دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ باقاعدگی کے ساتھ اتنا پانی اس خشک ملک میں کہاں سے لا ڈالتا ہے۔ اسی کے کناروں کی یادگاریں آج دنیا کو حیران کر رہی ہیں اور فراعنہ کی شان و شوکت کا پتہ دے رہی ہیں۔ اہرام مصر جن کی قدامت کو کوئی انسانی صنعت نہیں

پہنچتی۔ اسی اولوالعزم قوم کے افسانے دہرا رہے ہیں۔ بڑے اہرام کی تعمیر کو تقریباً چھ ہزار سال ہو چکے ہیں
بادشاہ شیفرن کا مقبرہ ہے جو اس نے خود بنوایا تھا۔ خاص کر ابوالہول عجوبہ روزگار ہے۔ جو اس اہرام سے
بھی بہت قدیم ہے۔ اور اپنے بنانے والوں کی عظمت پر دال ہے۔ جب حضرت ابراہیم مصر پہنچے ہیں۔ تو یہ
خیالی جانور اس وقت بھی اسی طرح دنیا پر عبرت کی نگاہیں ڈال رہا تھا۔ یہ شیر اور انسان کا مخلوط
مجسمہ دنیا کی تمام تاریخ کو اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا ہے۔ جب اس کی قدامت کا خیال بندھتا ہے تو
سانس رک جاتا ہے۔

چار ہزار سال ہوئے جب فراعنہ نے لکسر کا مندر تعمیر کرایا تھا۔ یہ قدیم شہر تھیبس کے کنارے پر واقع
ہے۔ جو اس زمانے کا دارالخلافہ تھا۔ اور اس دور دراز زمانے میں انسانی آبادی کا سب سے شاندار شہر
تھا۔ یہ مندر تعمیری عظمت و بلندی کی بے نظیر مثال ہے۔ اتنا اونچا ہے کہ اس کے پاس آدمی کھڑا ہو تو بھنگا
معلوم ہوتا ہے۔ سر بفلک ستون ہیں۔ جن میں اتنے بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں کہ ان کی ڈھلائی جنائی
کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ کیونکر پہاڑوں سے لائے گئے۔ اور کس طرح اتنی بلندی پر پہنچائے گئے ہیں۔ اس
زمانے میں بھی یہ کام آلات جرثقیل سے ہی ہو سکتا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی
اس مندر کو شاہ امین ہتیپ ثالث اور رمسیس ثانی نے بنوایا تھا۔ جب کبھی تیار ہوا ہوگا۔ اور مکمل صورت
میں نظارہ پیش کرتا ہوگا تو اس کی شان و شوکت کس درجے کی ہوگی۔ حضرت موسیٰ والا فرعون اسی رمسیس
کا تیرھواں بیٹا تھا۔ اس خاندان کو بھی مصر کے پرانے خاندانوں کی طرح حد سے بڑھا ہوا اقتدار حاصل تھا۔
یہ مندر امنرا کی یادگار ہے۔ جسے مصری خرافات الاصنام میں سب سے بڑے دیوتا کا درجہ حاصل تھا۔ اس
کے سر پر ہر جگہ تاج ہنس کے دو پر لگے ہوئے ہیں۔ یہی اس کی نشانی ہے۔ کرناک کا مندر لکسر مندر سے بھی
بڑا ہے اور تعجب خیز بھی۔ لقساد پر نقش و نگار اور بت تراشی کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ بہت سے بت ٹوٹ
چکے ہیں۔ مگر بادشاہوں کے بت اسی حالت میں موجود ہیں۔ اور ریگستان میں کھڑے ہوئے سیاحوں کو
اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ بہت سے مکان اور مندر ہزاروں سال پیشتر کی نقاشی اور رنگ آمیزی کا
نشان دے رہے ہیں۔ اس وقت کی یادگار ہیں جب انسان دوسرے ملکوں میں وحشت کی منازل طے کر

رہا تھا۔ نیل کے کنارے ان یادگاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ مندروں مقبروں اور بتخانوں کا سلسلہ پہاڑیوں تک چلا گیا ہے۔ گو ان یادگاروں کا وجود بہت کچھ مٹ چکا ہے لیکن جتنا باقی ہے وہ یورپ کے اہل نظر کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔ جو اس متمدن قوم کی آٹھ ہزار سالہ تہذیب کا اندازہ لگا کر عش عش کرتے ہیں اور ان کی لیاقت و محنت کی داد دیتے ہیں۔

ان باتوں کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ مذہب نے انسان سے بڑے بڑے کام لئے ہیں۔ مصر کی یادگاریں زیادہ تر مذہب ہی نے تیار کرائی ہیں۔ مکانات اور رہائشی محلات انقلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتے غالب قومیں ایسے آثار کو فنا کر دیتی ہیں۔ اس وقت کے شاندار شہروں کا آج نشان بھی نہیں۔ یہی مذہبی خیالات کی یادگاریں ان قوموں کی ترقی کا پتہ دیتی ہیں۔ اور اپنے بانیوں کے لئے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ ان سے ہی اس زمانے کے مذہبی رسم و رواج خیالات صنعت و حرفت، تعمیری ترقی اور دیگر باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک معلوم ہو جاتا ہے کہ کن کن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ مثلاً مصری لوگ سانپ کو مقدس مانتے تھے بھونرے جیسے حقیر کیڑے کو خالق کائنات سمجھتے تھے۔ دوسرے عالم میں نجات کے قائل تھے۔ ممی کی رسم اور اس کے ساز و سامان اسی لئے اہتمام سے تیار کئے جاتے تھے۔ دیوتائی مذہب ہزاروں سال تک انسان کا مطمح نظر رہا اور اب بھی ہے۔ اس زمانے میں بھی تمام روشن خیالیوں کو پیچھے دھکیل رہا ہے۔ اسی طرح انسان کا دمساز ہے جیسا آٹھ ہزار سال پہلے تھا۔

ابتدائی وحشت اب دور ہو چکی تھی۔ کمزور اور پھر لوچ خیالات کی جگہ مستقل غور و فکر نے لے لی تھی ایک ذہنی فلسفیانہ ترقی مذہب میں آ چکی تھی۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس میں بھی تنوع پیدا ہو گیا تھا۔ مصر کے ساتھ عرب کے کنارے تہذیب کا گہوارہ بن گئے تھے۔ چاروں سمتیں ترقی کر رہی تھیں۔ ایک طرف یمن کا عروج تھا تو دوسری طرف عراق کسی طرح دوسروں سے پیچھے نہ تھا۔ بابل کی شان و شوکت مصر سے ٹکّر کھاتی تھی۔ شام ترقی کے مدارج طے کر چکا تھا۔ یہ سب خطے مصری ترقی کے ہمعصر تھے۔ اگر آثار باقی رہ رہ جاتے تو قدامت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ نینوا اور بابل کی سیاسی اور علمی کاوشوں نے ابھر کر شعور کے معیار کو بلند کیا۔ بابلی چونکہ اجرام سماوی کو پوجتے تھے۔ ان کی دیکھ

بھال کے لئے مندروں کو اتنا بلند بنایا کہ رفتہ رفتہ رصد گاہوں کا کام دینے لگے۔ اور اس قوم نے علم ہیئت و نجوم پر بڑے احسان کئے۔ وہی قوم تھی جس نے بالاتر ہستی کو الہ سے تعبیر کیا۔ اور بعد میں لفظ اللہ بنا۔ شام کی سمیرین قوم کی لائبریریاں نکلی ہیں۔ یہ ذہین قوم حالات و واقعات اصول و رسومات قواعد و احکام کو مٹی کی تپلی تپلی تختیوں پر لکھوا کر آگ میں پکا کر رکھتی تھی۔ اس وقت ان کو پڑھ کر تاریخ میں مفید اضافے کئے گئے ہیں بہت معلومات ہوئی ہیں۔ کچھ مندروں کے شکستہ آثار بھی کہانیاں سناتے ہیں۔

پرانی قوموں کے حالات دیکھ کر اور سن کر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ فنا و بقا کا مرقع سامنے آجاتا ہے۔ خیال بند صفا ہے کہ ایسی عظیم الشان یادگاریں چھوڑنے والے تہذیب و ترقی کے بانی کہاں چلے گئے۔ آج نہ ان کی زبان ہے نہ قوم ہے نہ خیالات ہیں نہ رسومات۔ یہی خیال ہے جو حساس طبیعتوں کو دنیا سے بیزار کر دیتا ہے۔ شیخ سعدی کو نصیحتوں کا انبار لکھنے پر مجبور کرتا ہے اور حالی جیسے زمانہ شناس فنا کا یہ سانگ دیکھ کر موجودہ اور آئندہ پر حسرت بھری آہیں کھینچ کر کہہ دیتے ہیں:۔

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کے بانی — کہاں ہیں وہ گردان زابلستانی
گئے پیش دادی کدھر اور کیانی — مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی
لگاؤ پتہ کوئی کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

یہی نقشے دیکھ کر متاثر ہو جانے والے ترک دنیا پر مجبور ہو کر خانقاہوں گپھاؤں اور دیروں میں جا بیٹھتے تھے۔ ان کو یہ اندازہ نہ ہوتا تھا کہ اس فنا اور بقا میں لپٹا رہنا ہی زندگی ہے۔ دنیا کو چھوڑ دینا تباہی کا پیش خیمہ ہے موقت وقت کا رنگ ہے۔ اس زمانے میں ترک دنیا کو کمال انسانی سمجھا جاتا تھا۔ چھوڑنے کے بعد آبادیوں کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔ یہ باتیں وہ لوگ مذہبی خیال ہی پر کرتے تھے۔ اکھڑی طبیعت کو اس طرح تسلی دے لیا کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ ایشیا اور شمالی افریقہ مذہبی جستجو میں پہل کر چکے تھے۔ ہر ملک میں جہاں تہذیب کا قدم پہنچ چکا تھا۔ قوموں نے اپنے دماغ اور مذاق کے مطابق تعبیریں پیدا کر لی تھیں۔ ہندوستان کے

سبزہ زار میں بھی تہذیب و تمدن کی روشنی جلوہ فگن تھی۔ گو وہ تمدن فن تعمیر میں بھدا اور لباس کی اختراعوں سے عاری تھا۔ جو ہزاروں سال دھوتی اور لنگری کے ساتھ ستر پوشی پر قانع رہا۔ لیکن افکار و خیالات کی بے چینی پہلو بدل چکی تھی۔ ابتدائی تعینات سے گذر کر دیوی دیوتاؤں کے جم غفیر میں چھ فلسفوں کی شکل و صورت کو آراستہ کر لیا تھا۔ گو ان کے مادی فلسفے کی تکمیل یونانیوں کے آنے سے ہوئی ہے۔ اور یہ کہنا بھی قرین قیاس ہے کہ ہندوستان کی تہذیب مصر کی تہذیب سے ہزاروں سال پہلے متاثر ہو چکی تھی۔ نئے شہروں کی کھدائی پتہ دیتی ہے۔ کہ مصری اور سمیری آبادیاں اس ملک میں تھیں۔ جنوبی ہندوستان کے ڈھانچے اور دست و بازو بھی شبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر یہ کہ یہاں کی قدیم مصنوعات ان قدیم قوموں کی مصنوعات سے بہت ملتی جلتی ہیں خاص کر مصری چیزوں سے۔ آریہ جو بہت بعد آئے ہیں۔ قدیم قوموں کے اثرات و خیالات سے محفوظ نہیں رہے۔ چاہے کتنا ہی اجتناب کیا۔ شودر بنایا پھر بھی متاثر ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ اول تو غیر ملک اثر ڈالے بغیر نہیں رہتا۔ پھر یہ کہ جہاں سے وہ نکل کر آئے تھے بہت کم مذہبی دیومالا ان سے ملتی ہے۔ مذہبی دیومالا یہاں کے اثرات سے خالی نہیں۔

غرض ہندوستان میں بھی بڑی طاقت کے لئے لفظ ایشور اور پرماتما استعمال ہونے لگا تھا۔ لیکن ذات و صفات کے تقرر سے دماغ کی پہنچ محروم تھی۔ غور و فکر کی ماندگی انسانوں کو اوتار کہہ کر مظہر و مرکز بناتی تھی۔ روحانیت کا فلسفہ ایجاد ہو چکا تھا۔ جو فنا بقا اور جذب و کشف کی الجھنوں میں ذہنوں کو ریاضت شاقہ پر لگائے ہوئے تھا۔ ترک دنیا کی رسم عام تھی۔ جنگلوں اور دور دراز ویرانوں پہاڑ کے دامنوں اور چوٹیوں پر خیالی ریاضتیں ہوتی تھیں۔ جسم کو مٹانے اور استغراق حاصل ہو جانے کو کمال انسانیت سمجھا جاتا تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان اس بارے میں مصر و فنیات کے خیالات سے آگے نکل گیا تھا۔ تناسخ کا عقیدہ ہر عقیدے کی جان تھا۔ ہر فلسفہ اس پر آ کر ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ اس سے تلاش حقیقت آگے نہ بڑھ سکی۔ مصر کی روحانیت کی طرح ذہنی پھندوں میں الجھ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ انقلابات نے ملک کو برہمی تار پود میں لپیٹ دیا۔ اور ان کی دیومالا نے تمام فلسفوں کو اپاہج کر کے ڈال دیا۔

ایران اس وقت تک پرانی خرافات کو چھوڑ کر آگ کو مظہر الٰہی مان چکا تھا۔ حضرت زرتشت کی پہنچ ننھے

کی چمک اور سورج کے نور پر ٹک گئی تھی۔ گشتاسپ اور لہراسپ نے حکومت کا مذہب بنا کر اس کو اپنے مفتوحہ ممالک کے کونے کھدروں میں پہنچا دیا۔ اور ایسے آتش کدے قائم کئے کہ سکندر کی ہر قلیزانہ مہم نے ہی ان کی سینکڑوں سال تک نہ بجھنے والی گرمی کو تین سو سال کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ یہاں تک کہ کیانی خاندان کی تباہی کے بعد ساسانی خانوادے کی وطن پرستی نے اغیار سے ملک کو پاک کر کے پھر یزداں پرستی کے مظہر کو روشن کر لیا۔ ہندوستان سے ایران کی دیومالا کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں بھی ابتدائی دور گذرے اور انسان نے وہم و گمان سے پرستش کی صورتیں نکالیں۔ تاہم یہ یقین ہے کہ اتنی ترقی نہیں دی گئی۔ جتنی ہندوستان میں ہوئی۔ خرافات الاصنام تیار نہیں ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پیش دادیوں ہی کے زمانے سے قوم کا سیاست اور حکومت کی طرف زیادہ زور تھا۔ غیر قومیں بھی وہاں موجود نہ تھیں۔ کہ ان سے متاثر ہو کر یا مقابلے بازی کر کے خیالی مذہب کو ربڑ بناتے۔ بعد میں کیانیوں کے زمانے میں جب کیخسرو وغیرہ بادشاہوں کی عظمت و شان کا ستارہ بلندی پر تھا۔ اس ملک کے مفکر زرتشت نے پرانے خیالات کو مٹا دیا۔ برتر ہستی کی مختصر تاویل کر کے اس کو نیکی اور بدی کے دو اجزا میں تقسیم کیا۔ اس طاقت کی یزداں اور اہرمن سے تعبیر کی۔ یہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا اختصار تھا جو اسلام کی روشن خیالی تک اس ملک میں قائم رہا۔ وجہ وہی ہے کہ سپاہی پھیلاؤ مذہب کو بڑھانے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ دارائے اعظم نے قوم میں اولوالعزمی بھر دی تھی۔ اور وہ اپنی سلطنت کی وسعت کو دریائے سندھ سے لے کر مصر و مقدونیہ تک بڑھا چکے تھے۔ بخت نصر کے عیاش پوتے کو اس کے بے مثل شہر میں محصور کر کے اور قلعہ بند شہر کو رات کے وقت دریا کے پھاٹکوں سے اندر گھس کر بابل کی تہذیب کو ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل عبرت سے خالی نہیں۔ آج اس قدیم شہر کے کھنڈرات خاک و کسر کے انباروں سے نکلے ہیں۔ اور اہل نظر کو معمولی سا بقیہ بھی حیرانی میں ڈال رہا ہے۔ ایرانیوں کا عروج جس وقت ہوا ہے اس زمانے میں مصر بابل شام اور یمن کی حکومتیں کمزور ہو چکی تھیں۔ پھر بھی ایک نئی قوم نے ان کا مقابلہ کر کے چھکے چھڑا دئے اور ذرا سے ملک نے کیخسرو کو ایسی شکستیں دیں۔ کہ پھر ادھر کو منہ نہ کر سکے۔ اس چھوٹے سے ملک کا ابھی ذکر آتا ہے۔

ادھر یہ جوار بھاٹے تھے تو مشرق بعید میں بھی چین تمدن و تہذیب میں ترقی کر رہا تھا۔ خاص کر صنعت و حرفت میں تمام قوموں سے ہمیش پیش تھا۔ اس ملک نے اپنی ذہانت سے کام لے کر بہت سی ایجادوں سے انسانی تمدن پر احسان کئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پتنگ بازی سے لے کر اخبار نویسی جہازی کمپاس بارود اور پریس تک اسی کی اختراع ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کاغذ سازی بھی اسی کا احسان ہے۔ واقعی یہ وہ احسانات ہیں کہ ہر ملک کو ان کا ممنون ہونا چاہئے۔ لیکن مذہب میں ان کی باریک فکر بھی کوئی آخری صورت پیدا نہ کر سکی۔ وہی بزرگ پرستی کی سادگی رہی۔ البتہ کنفیوشس نے اٹھ کر اخلاقی اور مذہبی معیار بلند کیا اور ان کے نام پر بہتر اصول و ضوابط بنائے۔ مدتوں تک اس کے خیالات ملک والوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مہاتما بدھ کی تعلیم نے اس ذہین قوم کے دل ودماغ کو موہ لیا۔

اس زمانہ سے پیشتر یونان بھی بحر روم کے مغربی کنارے پر بیٹھا چپکے چپکے بابل مصر شام اور فلسطین سے خوشہ چینی کر کے پرانی تہذیبوں میں تغیر تبدل کر رہا تھا۔ یہ چھوٹا سا خطہ بہت جلد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان میں سپارٹا اور اٹیکا جس کا مشہور عالم شہر ایتھنز دار الخلافہ تھا۔ دو بڑی اور مہذب ریاستیں تھیں۔ سپارٹا بہادری اور سپاہیانہ جوہر میں بے مثل تھی۔ تو ایتھنز علم وحکمت اور سیاست میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ جب کیخسرو نے بیس لاکھ خشکی وتری کی فوج کے ساتھ اس بے مثل خطے پر حملہ کیا۔ تو سپارٹا ہی کے تین سو بہادروں نے تھرماپلی کے درے پر اس لشکر جرار کو روک کے کھڑا کر دیا تھا اور ایرانیوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے جنھوں کو نہ توڑ سکے تھے آخر کار ایک وطن کے غدار نے پہاڑوں پر راستہ بنا کر پشت پر لاکھڑا کیا۔ اور وہ تین سو جانباز مع اپنے بادشاہ کے ایک ایک کر کے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ جب یہ لشکر اندرون ملک میں پہنچا تو ایتھنز کے مدبر تھیمس ٹوکلس نے بُری طرح شکستیں دے کر ناکام لوٹایا۔ اِدھر سمندر میں سلامس کی جنگ ایرانیوں کی بحری شکست اور یونانیوں کی سپاہیانہ خوبی کا ابتک قصیدہ پڑھ رہی ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ باتدبیر مستقل مزاج جوہردار اقلیت برخود غلط کثرت پر کس طرح غالب آتی رہی ہے۔

مشرق مذہب و سیاست میں ترقی کر کے یہاں تک پہنچ چکا تھا اور دنیا ابھی چھ ہزار سالہ خیالات کو بار بار چبا کر نگل رہی تھی کہ یونان نے خرافات الاصنام تیار کرنے کے بعد غور و فکر کے نئے میدان میں قدم رکھا۔ مغرب کی پہلی باری آئی۔ وحشت اور درندگی میں اسکا ایک کرنہ جگمگایا اور اپنی روشنی سے دنیا کو نئے سبق پڑھانے لگا۔ پہلی کروٹ میں مشرقی استادوں کو پیچھے چھوڑ کر دفعت کی ذہنی ترقی کی انتہا میں جا کھڑا ہوا۔ ابھی مشرق اس کے خیالات کو سمجھنے کے قابل بھی نہ ہوا تھا کہ استاد بن گیا۔ دیوی دیوتاؤں کے بے پناہ ہجوم میں فکر انسانی کا رخ بدل کر جستجو و تلاش کے نئے دروازے کھولے۔ ابھی ان کے عوام کی زبان پر ہومر کی زبان کے ادا کئے ہوئے گیت اور ہرقلیز کے کارنامے تھے کہ خواص نے جو قابل رشک باریک دماغ رکھتے تھے دنیا کے حالات و واقعات اور انسان کے عادات و صفات کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا۔ روایتوں اور کہانیوں کی فضا کو بدل کر اصلیت اور حقیقت جوئی پر ڈھل گئے جس سے علم و حکمت کے نئے چشمے پھوٹ نکلے۔ اس طرح کہ ان کے فلسفے کے سامنے جو کچھ مشرقوں یا پڑوسیوں سے پہنچا تھا پھیکا ہو کر رہ گیا۔ کوئی خیال ایسا نہیں جس کو اچھوتا چھوڑ دیا ہو۔ اگر آجکل کے سے وسائل ہوتے تو ان کی تحقیق اور خیالات انسانی تہذیب و ترقی اور ان کا غور و فکر تمدن کو موجودہ شاہ راہ پر ڈال دیتا جو جہالت اور تاریکی کی وجہ سے ہزاروں سال کے وقفے کے بعد پہنچا ہے۔ زندگی اور علم کا کوئی شعبہ نہ تھا جس میں ان کی جستجو بات کشنہ رہی ہو۔ تیز نظری کا یہ عالم تھا کہ ستاروں اور سیاروں کی تحقیق میں دوربینوں کا کام دیتی تھی۔ ان چیزوں کے بارے میں جو محض قیاساً چل رہے تھے توڑ کر رکھ دئے۔ دیکھنا جانچنا تولنا پرکھنا نشیب و فراز کو بھانپنا ان کا مشغلہ تھا۔ رفتہ رفتہ علم ہیئت کی حقیقت پر بنیاد رکھدی۔ فیثاغورث جیسے پیدا کئے جس نے اس تاریک زمانے میں بتا دیا کہ زمین گردش کرتی ہے۔ اور آخر میں بطلیموس نے ایسا نظام شمسی قائم کیا جو سیکڑوں سال حکماء و علماء کے دماغ پر چھایا رہا۔ یہی وہ باتیں تھیں جن سے علم و فن کی بنیادیں بلند ہوئیں۔ افلاطون نے سیاست اور الٰہیات کی تدوین کی۔ جمہوریت کے بادیک نظریئے لکھے۔ جس سے دنیا میں عوام کی حکومت کا سنگ اولیں رکھا گیا۔ ایتھنز

کی جمہوریت جو دنیا میں آزادی اور آزادروی کی پہلی سیڑھی تھی اس کی تحریروں سے مضبوط ہوئی۔ گھر گھر آزادی اور حقوق طلبی کے چرچے ہونے لگے۔ ملک علما اور حکماء سے بھر گیا۔ طریقۂ تعلیم میں جدتیں کر کے مضامین و اشراقیین کو درس حیات پر لگایا۔ دنیا کے حالات کو دیکھ کر ایپکیورین اور سٹوائکس جماعتیں بنیں۔ اول الذکر کا خیال تھا کہ دنیا آلام و مصائب کا گھر ہے چند روزہ زندگی میں راحت و آرام اور اطمینان و سکون حاصل کرنا چاہیئے۔ لذت کا حاصل کرنا ہی زندگی کا مقصود ہے۔ سٹوائکس کہتے تھے کہ راحت طلبی تباہی اور بربادی کے مترادف ہے۔ عیش و عشرت نکما کر کے ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ یہاں کے آلام و مصائب کو محنت مشقت اور جفاکشی سے دور کرنا ضروری ہے۔

غرض ہر قسم کے خیالات و افکار کے طبقے موجود تھے۔ علم ادب کو روزمرہ کی زندگی کا آئینہ بنا ڈالا۔ ڈرامہ نویسی سے تھیٹروں کی ایجاد کی۔ ان کے کھلی فضا کے تھیٹر جانے اب بھی آثار باقیہ میں موجود ہیں۔ افلاطون وغیرہ حکما اور علوم کے ساتھ طب کے بھی ماہر و بانی تھے۔ اب بھی طب یونانی کا فیض ہمارے یہاں کونے کونے میں ان کی یاد کو تازہ کر رہا ہے۔ ارسطو نے ہر علم میں استادوں سے آگے نکل کر حکمت و فلسفے کے ساتھ منطق کی اختراع کر ڈالی۔ پلوٹارک نے تاریخ کو کہانیوں و افسانوں سے نکال کر اصلیت نگاری کا لباس پہنایا۔ بزرگان روم و یونان کی زندگی مقابلہ کر کے دکھائی اور اسکے ضمن میں ہر قسم کے خیالات یہاں تک کہ مذہبی توہمات پر بھی کھلی فلسفیانہ تنقید بن گئیں۔ ہیروڈوٹس فن تاریخ کا آدم ہے۔ وہی اس علم کی ایجاد کر گیا ہے۔ ورنہ نہ معلوم کب تک دنیا مذہبی طبقے کے افسانوں پر ایمان رکھتی۔ اقلیدس نے حساب کی نوعیت میں جیومیٹری کا اضافہ کیا۔ کہہ سکتے ہیں کہ فن انجینئری کا بانی ہے۔ انجام یہ ہوا کہ گھر کے صحن میں بیٹھا زمین پر شکلیں کھینچ رہا تھا کہ سکندر کے سپاہی آ گھسے استغراق میں شکلوں پر ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ کہ میری شکلیں نہ بگاڑ دینا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ چھوڑا اور بے سوچے کٹ کر گر گیا۔ اس جاہل اور ناشناس دنیا نے ہمیشہ باکمالوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ سیاستدانوں نے بادشاہوں کو فساد کا لقب دے کر نکالا اور جمہوریت سے دنیا کو روشناس کیا۔

اس وقت جب ایشیا میں بادشاہوں کو آسمانوں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے آزادی کا سبق پڑھایا جب

پیشانیاں تخت شاہی کے سامنے سجدہ ریزی کو فرض کامل سمجھتی تھیں۔ اسوقت جب عوام کی قدر و قیمت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔

دماغ اتنے جامع پیدا ہونے تھے کہ زندگی کی ہر شاخ اور علم کے ہر شعبے سے یکساں دلچسپی لیتے تھے تعجب ہے کہ افلاطون یونانی کرنوں سے بھی واقف تھا۔ تصور کا یہ عالم تھا کہ زمین و آسمان کے کلیجے میں کرہ کی کمان کے تیر کی طرح گھس جاتا تھا۔ ذیمقراطیس کی نگاہ نے جن اجزاء لایتجزیٰ سے اجسام کی ترکیب مانی تھی۔ ہم اسکو صرف زبانی دہراتے رہے لیکن یورپ نے اب ان کی صداقت پر جہاد کر دیا۔ اور جو کام لیا اسکو ہیروشیما کی زمین سے پوچھنا چاہیئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانے کی باریکی اور محنت نے ان کو تقسیم کرکے رکھدیا ہے اور نہ معلوم آگے چل کر ان سے کیا کام لینے والے ہیں۔ انکی طاقت سے عنقریب تمام ایجاد کردہ طاقتوں کو بیکار کر دیں گے۔

لیکن مذہب ان کے یہاں بھی ذہنی جنجال تھا۔ جس کا تار پود ابتدائی جھٹکوں ہی میں ٹوٹ گیا تھا۔ فلسفے کے جھٹکوں سے رہی سہی جان نکل گئی۔ پھر بھی وہ سمجھدار خطہ بالائے ہستی کی تلاش سے غافل نہیں رہا۔ سقراط نے زیس۔ اتھینا۔ اپالو اور ڈائٹنا کے خیالی تصورات سے تجاوز کرکے وجہ کائنات اور خاطر موجودات کا کھوج لگایا۔ جب ان خیالات کو تعلیم کے ذریعے پھیلانے لگا تو حکومت نے یہ الزام رکھ کر کہ قوم میں نئے مذہب کی تشکیل کرکے تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اختلاف خیال سے یکجہتی کو خطرہ ہے۔ اُس نمونۂ اخلاق حکیم کو سمِ قاتل کا پیالہ پلا دیا۔ اُس کے بعد افلاطون نے تعلیم کو قائم رکھا لیکن ارسطو نے جرح قدح کرکے اس تعین سے انکار کر دیا۔ اور عوام آرام سے اپنے فرسودہ خیالات پر لگے رہے۔

یونانی قوم اپنے عہد کی حسین ترین قوم تھی جسم سالم چہرہ خوبصورت نقش و نگار تیکھے اور دلکش رگ ریشے اور ڈھانچ بیٹھے ابھرے ہوئے نمایاں۔ ایک ایک مچھلی اُبھری ہوئی۔ ہر چیز کینڈے کی۔ نگاہ تیز دماغ انوکھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ انہوں نے آرٹ کی دنیا نئی بنا ڈالی۔ بت تراشی میں وہ کمال پیدا کیا کہ انسان آج بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ہندوستان اور مصر کی بت تراشی

کو اُس سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ پنجوں کے اسکیچ کو دیکھ کر اُن کے آرٹ پر ایمان لانا پڑتا ہے۔
وینس اور دیگر دیوی دیوتاؤں کے بت حسن کا مجسمہ ہیں۔ خاص کر اپالو کو دیکھ کر مردانہ حسن کی داد دینی
پڑتی ہے۔ فن عمارت کا یہ حال ہے کہ آج بھی جس مکان میں اُن کا ڈیزائن شریک ہو جاتا ہے حسن
پیدا کر دیتا ہے۔ ایتھنز کے کھنڈرات ایکروپولس کی عمارتیں فن عمارت کی خوبصورتی پر دال ہیں۔
بحرِ ایجیئن کے کنارے کے وہ بقیہ تین ستون جو نیلگوں پانی میں اب تک سایہ فگن ہیں اہل نظر سے داد لے رہے ہیں

شہر روما کی شاندار قوم نے جب یونان کے دودھ سے پرورش پائی اور ان کی تہذیب سے زلہ برداری
کر کے سیاست کے میدان میں عظمت پیدا کی تو جمہوریت کی سادی صورت کو ترقی دے کر قوموں کو قانون قاعدے
میں باندھ دیا۔ آزادی کی لہر دوڑا دی اور عوام کو حقوق تقسیم کئے۔ جن کو مصر و ایران کے استبداد کے
مقابلے میں رحمت کہہ سکتے ہیں۔ تاہم بارِ امانت کی سادگی میں یونان کے عوام سے بھی نہ بڑھ سکے اور یونان
کے دیوی دیوتاؤں میں آخر تک الجھے پڑے رہے۔ کسی کو اُس میں بہتر صورت پیدا کرنے کی نہ سوجھی۔
رومی قوم قانون بنانے کی بادشاہ تھی لیکن خرافات الاصنام سے اپنی جان نہ چھڑا سکی۔ وہاں بھی کیسے
کیسے متفکر اور قابل پیدا ہوئے۔ یونانی علوم و فنون کو سنبھالے رہے لیکن مذہب کی حالت میں
پھسڈی رہے۔ بات یہ ہے کہ اُن کے ساتھ بھی سیاست کے الجھائے جھگڑے ہوئے تھے۔ اس سے
زیادہ سوچنے کی مہلت نہ تھی کہ طاقت کے اجزاء کر کے مختلف انداز میں اُس کو مانیں اور ضرورتِ
مذہب کو اُن سے پورا کر لیں۔

یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ بارِ امانت کی تعبیروں اور تاویلوں کا جو دنیا کی قوموں میں جاری و ساری تھا۔
جس پر ہزاروں سال ایمان رہا اور حقیقی تعبیریں پیدا ہو جانے کے بعد اب بھی یقین و اذعان ہے تاہم انسان
کے دماغ کی نشو و نما جوں جوں ترقی کی منزلیں طے کرتی گئی خالقِ کائنات کے قریب پہنچتی گئی۔ اصلی تاویل اور
خالق کے صحیح اشارے دنیا کے شہر میں آزر بت تراش کے غور و فکر کرنے والے بچے کے حصے میں
لکھ دیئے گئے تھے۔ کاش دنیا اس کی ہدایت کو سمجھ کر مذہب کی بہترین صورت پر پہنچ جاتی۔ اس کا اعلانِ
حقیقت قوموں کے کانوں تک پہنچا۔ لیکن ابھی تو اور یونانی دماغ اور رومی متفکر بھی اس کو قبول کرنے سے

قاصر رہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصبیت اس وقت بھی انسانی فطرت کے خواص میں تھی ۔ پہنچانے والوں نے بھی تبلیغ کی محنت سے جان چرائی ۔ اور صرف خاندان کے لئے مخصوص کر کے اس امانت کو جیب میں رکھ لیا ۔ کچھ یہ بھی وجہ تھی کہ قدیم زمانے میں قوموں اور ملکوں پر سیاسی بے چینی ہیجان و اضطراب کے سیلاب تھے ۔ ایک قوم دوسری پر چھا جاتی تھی ۔ نہ کوئی قانون تھا نہ قاعدہ ۔ ہزاروں سال طاقت کا مظاہرہ رہا ۔ ایسے حالات میں جان بچانی مشکل ہوتی ہے ۔ باریکیوں پر غور کرنے کی مہلت بھی نہ ملی ۔ اپنے ہی خیالوں پر قناعت تھی ۔ کچھ سکون مل جاتا تھا تو اسی کو غنیمت سمجھ کر دل بہلا لیتے تھے ۔

یوں بھی مذہب زیادہ تر اعتقادی چیز ہے ۔ دماغ میں نہ سمائے نہ جچے اپنی طبیعت اور اپنے رجحان پر پورا نہ اترے تو بہترین خیالات بھی خس و خاشاک ہیں ۔ اندازے میں آجائے تو خرافات و ہفوات بھی جان سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہیں ۔ قدیم زمانے میں وسائل بھی کیا تھے کہ ایک قوم کے خیالات آسانی سے دوسری تک پہنچ جاتے ۔ کوئی ایک آدھ آدمی ٹکراتا ٹھوکریں کھاتا جان بچاتا پہنچ بھی جاتا تھا تو اس کا اثر و رسوخ بھی ایک آدھ آبادی میں نقش بر آب ہو کر رہ جاتا تھا ۔ حکومتوں کی کوشش باد آورد ہوا کرتی ہے ۔ سو جن قوموں کی حکومتوں نے ایسے خیالات کو پھیلانے کی کوشش کی وہ کامیابی سے پھیل گئے ۔ دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ گئے ۔ بنی اسرائیل کی تنگ نظری اور لوگوں سے نفرت اس امر سے مانع رہی ہے ۔ ان میں عیسائیت کے گرم کارکن کوشش سے کامیاب ہوئے اور نینوا کے موحد کی آواز کو مسخ کر کے مغرب میں پہنچایا ۔ دراصل اس کی آواز کو پہنچانے کے لئے قدرت نے جس قوم کو تاکا تھا اس کا ذکر آنے والا ہے ۔ پہلے مختصر طور پر اس آواز کے کامیاب نتیجے کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ یہ کہ اس نے تاریک دنیا میں نئی روشنی کی شعاعیں کس طرح پھیلائیں اور نیا نظریہ پیش کر کے دنیا کو نحسوں سے نکالنے کی کس طرح جدوجہد کی ۔ مذہبی اتحاد کو کتنا بلند اور اچھوتا کر دیا +

دُوسرا عکس

فکرِ براہیمی

زرا ندوزوں نے غواصی بہت کم کی ہے دنیا میں
غریبوں ہی نے اکثر۔ ڈوب کر موتی نکالے ہیں (سیفی)

سیریا یعنی شام کی قوموں نے ترقی و تہذیب میں کسی ملک سے کم حصہ نہیں لیا۔ بعلبک کے مندروں کے کھنڈر یا قیہ اُس کی نیرے فکر اور سبقت طلبی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان مندروں کی ساخت شان وشکوہ اور عظمت و بلندی میں مصر کے لکسر اور کرناک کے برابر نہ سہی خوبصورتی میں اُن سے بہت آگے ہے۔ ستونوں کی لمبائی چوڑائی میں موزونیت ہے۔ بھدا پن نہیں۔ صفائی اور سبکی ہے۔ ہر غول تولنے خوبصورت ہیں کہ اس زمانے کی کوئی عمارت ان کی نظیر پیش نہیں کرتی۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ حسن پرست یونان نے انہی کا چربہ لے کر نزاکت اور حسن کو بڑھایا تھا۔ فلسطین کے قدیم آثار بھی ان قوموں کی ترقی پر دلالت کرتے ہیں۔ دقت یہی رہی کہ ان خطوں پر انقلاب بہت آئے۔ اور یہ سمیا طبقی قومیں خس و خاشاک کی طرح اُن انقلابوں کے تھپیڑوں میں بہتی پھریں۔ ان میں سمیری قوم بہت پرانی ہے۔ بعد میں طسم وجدیس۔ عمالقہ۔ عاد وثمود وغیرہ باری باری آئیں اور اس تمدن کو آگے بڑھاتی رہیں۔

جب ان پر دبا و پڑا تو ہٹ کر عرب کے مشرقی اور دوسرے کناروں پر پھیل گئیں۔ یہاں تک کہ گرم و خشک جگہ میں بھی جا گھسیں۔ ہر جگہ بڑے بڑے کارنامے کئے۔ ریگستان تک میں جنت بنا ڈالی۔ جس کے

تعمیری حسن کو قرآن مجید میں بے مثل بنایا گیا ہے۔

سیریا یا بابل نینوا اور یمن کے آثار و تاریخ سے سمیا طبقی اقوام کی ترقی و تہذیب کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ اختلاف ہے مصر کو بانی مانا جاتا ہے جو کچھ ہو اس کو عروج دینے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے کنارے تہذیب انسانی کا گہوارہ رہے ہیں۔ ابتدائی پرورش سے اس بچے کو شباب کی حدود میں داخل کرنا انہی کا کام تھا۔ نینوا بھی انہی قوموں کی یادگار تھا جس نے ترقی کرکے بابل کو بھی دبا لیا تھا۔ اس کی تہذیب سے عراقِ عرب رشکِ گلستان ہو رہا تھا۔ اندرونی ریگ زار تک میں انسانی محنت نے تازگی پیدا کر رکھی تھی۔ نمرود کی اقتدار و جبروت بھری شاہی خدائی شان و شوکت کے دعوے کر رہی تھی کہ اتنے میں آذر بت تراش کے یہاں وہ بچہ پیدا ہوا جو بھٹکے ہوئے انسان کے سامنے خالقِ کائنات کا صحیح مفہوم پیش کرنے والا تھا۔ جس کے لئے یہ فضیلت مقسوم ہو چکی تھی کہ غور و فکر کی محنت سے مذہب اور فرسودہ مذہب کے خیالی تار و پود کو توڑ کر اس قوتِ غیر محسوسہ کا تصور صاف ستھرے سچے انداز میں پیش کرے۔ اس بچے کا نام بت پرست و بت ساز باپ نے ابراہیم رکھا۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ اس کا نورِ نظر عنقریب انسان کو سیدھا حقیقی کی طرف راجع کرے گا۔ بتوں کے پاؤں میں رسی باندھ کر حقارت سے بازاروں میں گھسیٹے گا۔ اور پھر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو سرد کرکے انسان کا رخ غیر فانی نور کی طرف پھیر دے گا۔ امیروں کے دماغ اور حکومت کے ایوان بے خبر تھے کہ کون پیدا ہوا اور تاریک دنیا میں کس نے قدم رکھا۔ اسی طرح جیسے انقلاب پیدا کرنے والے آجاتے ہیں اور دنیا کو اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب وہ میدانِ عمل میں کود کر لوگوں کے دماغ ہلا دیتے ہیں۔

دنیا کے اس پہلے مُوَحِّد نے بچپن ہی سے حالات و خیالات کو اچھوتے دماغ سے جانچنا شروع کر دیا۔ یہ قوم صابی تھی۔ ستاروں کی پرستش کرتی تھی لیکن بت پرستی اس زمانے میں ہر خیال کا لازمہ تھی۔ بہر صورت ہر تاویل کو تمثیل کی صورت دیدی جاتی تھی۔ بلکہ اس خیال میں بھی بت پرستی پر چھا ہوا تھا۔ ستاروں کے نام پر مندر بھی تھے اور انہی کے نام پر تعبیری بت بھی۔ سکوت اور بے بسی سے خدائی کی لذت لیتے تھے۔ آپ نے پہلے گرد و پیش دیکھ کر اسی طریقہ عبادت پر غور کرنا شروع کیا۔ بہت جلد بے حقیقتی سے

آگاہ ہوگئے اور اصنام سے نفرت کا اظہار کر کے اُن کو جو باپ بیچنے کے لئے دیتا تھا بازاروں میں گھسیٹنے لگے۔ ساتھ ساتھ کہتے تھے ایسے مجبور خداؤں کو خریدو جو اپنے آپ کو مجھ سے بھی نہیں چھڑا سکتے۔ اپنے معبودوں کی ایک بت تراش کے بیٹے کے ہاتھوں یہ بے حرمتی دیکھ کر لوگ غم و غصے میں بھر جاتے تھے۔ لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ آپ پر ہاتھ اٹھایا ہو یا حملہ کیا ہو۔ اس سے نمرود کی حکومت کے نظم و ضبط کا پتہ چلتا ہے اسی طرح جیسے انگریز کے عہد میں ہندو مسلمانوں کے خلاف بڑے بڑے ارادے دبائے بیٹھے رہے اور حسب نیت کچھ نہ کر سکے۔ گرفت ہٹتے ہی کھُل کھیلے اس طرح کہ انسانیت نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے منہ ڈھانپ لیا۔ نہ کوئی قانون رہا نہ قاعدہ رہا۔ جان مال عزت آبرو کی حفاظت بڑے ضبط و نظم سے ہوتی ہے اور ہر ایک کا کام نہیں کہ اس کو پیدا کر سکے۔

دنیا کے اس پہلے موحد نے مذہب کے نام پر جو بت پرستی ہو رہی تھی اس کو یہ کہا۔ ان کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ خدا نے خود بیان کیا ہے کہ "واذ قال ابراہیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما الہۃ، جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں" "ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون" یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جھکے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو بزرگوں کو دیکھتے چلے آئے ہیں وہ بھی انہی کو پوجتے تھے۔ اس نے کہا کہ تم اور تمہارے بزرگ کھلی گمراہی میں رہے۔ انہوں نے کہا کیا تو کوئی سچی بات لے کر آیا ہے؟ یا محض دل لگی کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ تمہارا خدا تو زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے بنانے اور پیدا کرنے والا۔ اللہ ہی کی قسم ہے میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔ اس نے سوائے بڑے بت کے اور سارے بت توڑ ڈالے تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں پر یہ کسنے ظلم کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابراہیم کا کام ہے۔ کہنے لگے کہ اسے سب کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ گواہی دیں۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں سے یہ تونے گستاخی کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ بڑا بت موجود ہے اسی سے گواہی لو اگر وہ بول سکے یہ سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے کہ لوگو! تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر سر نیوڑھا کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے؟ ابراہیم نے کہا کہ کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان

لعنت ہے تم پر اور ان پر جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو" یہ سن کر وہ بھڑک گئے اور کہنے لگے کہ لوگو! اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اور اسے آگ میں جلا دو"

کیسی سادی اور پُر از حقیقت باتیں ہیں۔ نہ مناظرے کا پرسے کے گدے ہیں نہ فلسفیانہ باریکیاں۔ جن کو سن کر لوگ پہلے تو فرما جاتے ہیں اور حقیقت کے سامنے جھکتے ہیں۔ پھر عصبیت یا جاہلیت پر مصر ہو کر بھڑکا دیتی ہے اور سلے دسے شروع کر دیتے ہیں۔ آج بھی یہی حال ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ لوگو! گمراہی پہ جھکے ہوئے ہو۔ پالن کی تیلیاں قبروں کی اینٹیں بزرگوں کی نشانیاں تو ہم پرستیاں ذہنی جنجال ہیں۔ خدا پرستی سے انہیں دور کا بھی لگاؤ نہیں تو بھویں تن جاتی ہیں منہ میں جھاگ آجاتے ہیں نمرودی قوم سے زیادہ دلیلیں بنا کر اسلئے سیدھے پلٹے دینے لگتے ہیں۔ آگ میں جلانے کی تو دھمکی نہیں دیتے لعنتوں کی تہدید دکھاتے ہیں۔ اور گمراہ کہہ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔

غور و فکر کا یہ ابتدائی مرحلہ طے کرنے کے بعد آپ نے قوم اور ملک کے بنیادی معتقدات کو پرکھنا شروع کیا۔ اس قوم میں مبدأ پرستش اجرام سماوی تھے۔ چاند سورج اور ستاروں کو دیکھ کر "فلما جنّ علیہ اللیل رأی کوکبا" جب رات چھا گئی تو اس نے ایک تارہ دیکھا۔ کہا یہی میرا رب ہے جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" "فلما رأ القمر بازغا قال ھذا ربی۔ الخ" پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہی میرا رب ہے۔ وہ بھی چھپ گیا تو کہا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے گا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا" "فلما رأ الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر الخ" پھر جب سورج چمکتا ہوا دیکھا کہنے لگا کہ یہی میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے" "فلما افلت قال یا قوم انی بریٔ مما تشرکون" جب وہ بھی چھپ گیا تو کہا کہ اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں نے تو اسی طرف رخ کر لیا ہے یکسوئی کے ساتھ جس نے زمین و آسمان بنائے ہیں۔ میں مشرکوں سے نہیں ہوں" اس کی قوم نے بحثا بحثی کی۔ اس نے کہا مجھ سے اسکے بارے میں جھگڑتے ہو جس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو"

جب آپ نے اپنے حقیقی معبود کو پا لیا اور اس نے بھی اپنے اس مفکر بندے کو خلیل بنا کر خلافت کی

ہدایت کے واسطے منتخب کر لیا تو آپ قوم کو کھلے طور پر سمجھانے لگے۔ چاروں طرف سے قوم بھی جھٹلانے لگی۔ تفصیل تو نہ کرسکی البتہ نمرود کے پاس شکایتیں پہنچائیں۔ آپ کے تمام بناوٹی دیوتاؤں اور معبودوں کے ساتھ کئے تھے ایک ایک کی تفصیل پڑھی۔ آخر کار سچائی کی پاداش کا وقت آگیا اور نمرود نے جو معبودوں کے ساتھ اپنی خدائی پر بھی مُصر تھا اس آفتاب توحید کو ہمیشہ کے لئے غروب کر دینے کی ٹھان لی۔ فیصلے کا دن آیا۔ نینوا کی خلقت اپنے معبودوں کے دشمن کا حشر دیکھنے کے لئے جمع ہوگئی۔ لوگ خوش تھے کہ یہ مریخ و زحل کی یادگاروں کو بُرا کہنے والا آج آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں اپنے عمل کا انجام دیکھے گا۔ اور ہماری دل آزادی کا بدلہ پائے گا۔ شہر کے باہر بھیڑ تھی۔ لکڑیاں اس چتا پر جمی ہوئی تھیں جس سے عنقریب شعلے بلند ہو کر توحید پرستی کے ایمان و یقین کو خاکستر کر دینے کے لئے اپنی آغوش کھولنے والے تھے۔ نمرود مع اپنے حواریوں کے ایک طرف دور اس منظر کو دیکھنے کے واسطے شاہی تخت پر بیٹھا تھا۔ چتا میں آگ لگائی گئی۔ رفتہ رفتہ شعلے بلند ہوئے اور حکم کے مطابق مذہب کے بلند ترین نظریے کو مٹانے اور حضرت ابراہیمؑ کو ان شعلوں کی نذر چڑھانے کے لئے گوپھیے میں رکھ کر پھینک دیا گیا۔ لیکن ابھی شعلوں نے آپ کے جسم کو مس بھی نہ کیا تھا کہ ایمانؑ کی پھونک سے خود سرد ہو کر رہ گئے۔ معلوم نہیں کہ اس منتظر خلقت پر دیکھ کر کتنی حیرانی طاری ہوئی ہوگی۔ البتہ یہ کہیں نہیں لکھا کہ دوبارہ کوشش کی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ڈر خوف کی وجہ سے پھر جرأت نہ کر سکے۔ اور نورِ توحید کو بجھنے والا نہ دیکھ کر مرعوب ہو کر خاموش ہو بیٹھے۔ منشاء الٰہی کے سامنے نمرود کی خدائی کھسیانی ہو کر رہ گئی۔

تاریخ کہتی ہے کہ یہ پر خود غلط بادشاہ جب شمعِ توحید کو بجھانے میں ناکام رہا تو کچھ دنوں بعد خدا سے انتقام لینے پر تل گیا۔ ایک بڑا تخت تیار کرایا۔ چاروں پایوں میں بہت سے گدھ مضبوط باندھے۔ تیر کمان لے کر اس پر بیٹھا۔ کارکنوں نے گدھوں کو اڑایا۔ تخت اڑا اور یہ مغرور بادشاہ آسمان کی طرف تیر مارتا ہوا بلندی پر پہنچا۔ لکھا ہے کہ تیر خون آلودہ زمین پر گرتے رہے۔ جس سے اسے وقتی خوشی ہوئی۔ مگر جب لیا طولاً ڈنڈے سے کھا کھا کر اڑتے رہے آخر کار تھک تھک کر جان چھوڑ بیٹھے [illegible] ہو گئے اور یہ بدفعل مجاہد زمین پر گر کر ختم ہو گیا۔ انجام وہی ہوا جو بد اندیشوں کا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد نالائق جانشینوں کی وجہ سے نینوا کی حکومت پر

زوال آنا شروع ہوا - مغربی علاقوں سے قوموں نے یورشیں کیں - پھر بابل یعنی کلدانی قوم دم دود پکڑ کر سنبھلی اور دوسرے ملکوں کے ساتھ عراق پر بھی چھا گئی - نمرودی نورِ توحید کو بجھاتے بجھاتے خود بجھ کر رہ گئے -

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ لیا کہ قوم اپنے معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود پر ایمان لانے والی نہیں - ہزاروں سال کی گمراہی ان کی ایک جان کی قربانی سے دور نہیں ہو سکتی - اُن کی روشن خیالی تاریکی کو برانگیختہ کر رہی ہے اور لوگ جان لینے کے درپے ہیں تو انہوں نے وطن کو خیرباد کہہ کر ہجرت کی ٹھانی - دو چار ہوشمند جو اس ساری جانفشانی کے بعد آپ پر ایمان لے آئے تھے اور خدائے واحد کے پرستار ہو گئے تھے بال بچوں کو اور ان کو سمیٹ کر جن میں حضرت لوط سب سے ممتاز تھے نئے وطن اور نئی قوم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے - اس یقین پر کہ ان کی عقل لگتی تعلیم پر کوئی دوسری باہر کی ذہنیت سر جھکائے گی - نینوا کے تنگ نظر نہ سمجھے تو باہر والے اس نظریئے کو جانچ لیں گے - آپ نے اس مختصر قافلے کو لے کر فلسطین کا رخ کیا - سامی نسل کا یہ خطہ بہت سرسبز اور خوشحال تھا اگرچہ مصری اور شامی نبرد آزما رہتے تھے اور مختلف قوموں کی خونریزیوں کا میدان بنا ہوا تھا - کچھ دنوں قیام کیا - لیکن وہاں وسائل زندگی حسب ضرورت میسر نہ آئے - یا امید کے مطابق خیالات کی تبلیغ میں کامیابی نہ ہوئی - صحیح اسباب معلوم نہیں گویا یہ کہا جاتا ہے آپ نے فلسطین کو مالی مساعدت حاصل نہ ہونے کے سبب اُس وقت چھوڑا تھا جو کچھ بھی حالات پیش آئے ہوں چاہے وہاں کی بداعمالی اور بدچلنی سے یاس پیدا ہوئی ہو جیسا کہ بعد میں حضرت لوط کے واقعات بتاتے ہیں آپ ان کو جانشین بنا کر بال بچوں کو لے کر مصر چلے گئے - قدیم زمانے میں مصر میں چار خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی ہے - یہی ہیں جن کو تہذیب کا بانی کہا جاتا ہے ہزاروں سال اس ملک پر عظمت و جبروت کے ساتھ مسلط رہے ہیں اور موجودہ یادگاریں انہی کے ہاتھوں کے کارنامے ہیں - غالباً دوسرے خاندان کا آخری زمانہ تھا جب یہ نینوائی موحد مصر کے بت خانے میں پہنچے - ملک کی سرسبزی اور فراخی کی شان و شوکت دیکھ کر یقیناً آپ کو حیرانی نہ ہوئی ہو گی - اس لئے کہ انکا ملک بھی ان باتوں سے خالی نہ تھا - وہ بھی

ایسے ملک کی یادگار تھے۔ جو شان میں مصر سے پیچھے نہ تھا۔ گو سوائے تاریخ کے اس حکومت کی کوئی تعمیری
مثال ایسی باقی نہیں جس سے نمرود کے خاندان کی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ پھر بھی جب آپ ابوالہول کے پاس
کھڑے ہوئے ہوں گے تو اس شیر کے جسم اور انسانی چہرے کی منتظر آنکھوں نے استعجاب ضرور پیدا کر دیا ہوگا
دنیا کیا مقام ہے۔ اس کی خدمت اور الٹ پھیر پر جب نظر پڑتی ہے۔ اور اس زمانہ قدیم کی
اقوام کے حالات سامنے آتے ہیں تو ہم دور دراز وقتوں کے انسانی انقلابات کو دیکھ کر فنا و بقا کے جذبوں
میں ڈوب جاتے ہیں۔ کیسی کیسی قومیں آئیں اور اپنی تاریخ یا آثار چھوڑ کر گم ہو گئیں۔ اب نہ وہ ہیں نہ ان کے نگاہوں
کے سامنے گذرنے والے حالات ہیں۔ نہ ان کا مذہب ہے نہ رسومات ہیں نہ زبان ہے نہ بیان ہے صرف
حسرت انگیز یادگاریں ہیں یا چند آدمیوں کے دماغ میں ان کا ذکر ہے۔ کبھی ابوالہول کے بت تراش
کا تصور بندھتا ہے۔ کس کے حکم سے کس خیال پر یہ تخت کی ہوگی جس کی جسامت اور بلندی کے
سامنے اونٹ بھی سوار کے چھوٹی سی بھیڑ کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ کبھی بڑے اہرام کے قریب
خیال وہ منظر کھڑا کر دیتا ہے کہ ہزاروں انسان ڈھور ڈنگروں کی طرح بے چون و چرا اتنی اتنی بڑی
سلیں ریت پر گھسیٹتے ہوئے لا رہے ہیں۔ کبھی ہیکل سلیمانی پر نظر جاتی ہے۔ مغلوب قوموں کے
مجبور انسان سنگ تراشی اور تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ حضرت سلیمان با آں شان و شکوہ جن کو
بنی اسرائیل کی مبالغہ آمیزی نے تمام دنیا کے کونے کونے کا مالک ٹھیرایا معائنے کی غرض سے سوار
ہو کر حسن و قبح کو جانچتے پھر رہے ہیں۔ کبھی بعلبک کے پجاری بعل کے مندر میں رسومات ادا کرتے نظر
آتے ہیں۔ کبھی بخت نصر کے شہر پر نظر جا پڑتی ہے۔ کبھی دیوار چین پر جا ٹکتی ہے پندرہ سو میل کی لمبائی
کا تصور بندھتا ہے۔ کبھی ایشیائے کوچک کے ساحل پر ٹرائے کے در و دیوار چمکتے ہیں۔ کبھی نگاہ دریائے
ٹبر پر شہر روما کے اچھوتے بن کو چھوتی ہوئی جرمن اور فرانس کے میدانوں میں پہنچ جاتی ہے جہاں
جولیس سیزر نے اپنی سنہری لڑائیاں ختم کیں۔ کبھی نیرو کی بانسری اور ہیڈرین کی عظمت پر جا پڑتی ہے
کبھی کلیوپٹرا کی زرنگار کشتی معہ اپنے تمام حسن کے بحر روم کے کنارے پر بہتی نظر آتی ہے۔ پھر نگاہ
قسطنطنیہ سے ہوتی ہوئی بدر و احد کے میدان میں پہنچ جاتی ہے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ نظر
آتا ہے۔ پھر بیداری کی شعاعیں آنکھیں چندھیا دیتی ہیں۔ دماغ چونک جاتا ہے تو پھر وہی مکان

وہی دالان وہی آلام وہی افکار۔ ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جیسے کسی دریا میں غوطے کھا رہا ہوں۔ موجوں میں بہہ رہا ہوں۔

اگلے لوگوں کو یہ خیالات بہت متاثر کیا کرتے تھے کہ دنیا مردار ہے۔ بلے مہر مادر ہے پالتی ہے اور خود ہی کھا جاتی ہے۔ عشوہ طراز حسینہ ہے جس کا مارا پانی نہیں مانگتا۔ ایسی ہے اور ویسی ہے۔ اس سے دل نہ لگانا چاہیئے۔ دیوجانس کلبی کی طرح مٹکے میں گذار کر کھسک جانا چاہیئے۔ ان بزرگوں کو معلوم نہ تھا کہ اس کی ساخت ہی ایسی ہے۔ یہی طریقہ اور یہی سنت ہے۔ فنا بقا کوئی خاص بات نہیں۔ انسان فرائض لے کر آتا ہے۔ اُن کو انہماک دلبری اور تدبر سے ادا کرے۔ اپنی باری میں ایسے کام کرے جو ملک و قوم کو زندہ رکھیں۔ جب موت آئے تو اپنی ذمے داریاں زندوں کے حوالے کر کے صبر و سکون سے جان جان آفریں کے حوالے کر دے۔ بجائے اسکے کہ تخت جمشید کو دیکھ کر زندگی سے بیزار ہو۔ فنا کا غم غلط کرنے کے لئے عمر خیام کی طرح جام جمشید سنبھالے یا ابوالعتاہیہ کی طرح قبریں جھنکائے۔ مرنے والوں کی حسرت کا زندوں سے مقابلہ کرے۔ بہترین بات یہ ہے کہ تخت جمشید نہ بنا سکے تو پسماندوں کے لئے بلند و بالا گھر ہی بنا جائے۔ مردوں کی ہڈیوں سے عبرت کے بجائے میر صاحب کے شعر پر نظر ڈال کر ان کے مشورے پر عمل کرے۔ فنا کے لا یدی جھٹکوں سے مرعوب نہ ہو کر زندگی کی ضرورتوں کو دیکھنے میں بھی ایک صحیح راہ نہاں ہے اسے مضبوط پکڑ لے :-

یارو دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کہ بہت یاد رہو

کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مصر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیا واقعات پیش آئے جو وہاں بھی قیام نہ کر سکے۔ یا تو مصریوں کی صنم پرستی نے بیزار کیا یا ہمت بلند کو حسب نیت وسائل حیات مہیا نہ ہوئے۔ آپ وہاں سے لوٹ کر مع اہل و عیال پھر فلسطین واپس آ گئے۔ قیام ثانی میں حالات سدھرے۔ خوش حالی و فارغ البالی نصیب ہوئی۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں سے برکت حاصل ہوئی۔ ابھی تک اولاد سے محرومی تھی۔

دعائیں مستجاب ہوئیں اور دو بیویوں سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت سارا اور ان کے بیٹے کو فلسطین میں آباد رکھا۔ حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے اسماعیل کو لے کر سرزمین بطحا میں پہنچے۔ اس علاقے کے آدمی دلجوئی اور خاطر داری سے پیش آئے۔ تاہم اس بے آب و گیاہ خطے کو دیکھ کر پہلے گھبرائے اور پھر بہت سی دعائیں کر کے خدائے تعالیٰ کے بھروسے دونوں کو وہیں چھوڑ گئے۔ آپ کے تمام حالاتِ زندگی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نہایت اولوالعزم مستقل مزاج بلند حوصلہ اور دوڑ دھوپ کے انسان تھے۔ وطن اور غیر وطن سفر و حضر کو یکساں جانتے تھے۔ خدا پر یقین نے اعتماد ذاتی کو بہت بلند کر دیا تھا۔ اس پر بھروسہ کر کے اور زمین کو اُسی کی ملک سمجھ کر چل پڑتے تھے۔ ورنہ کہاں نینوا کہاں فلسطین کہاں مصر اور کہاں مکہ۔ اتنی سی بات پر کہ دونوں بیویوں میں بنتی نہ تھی۔ اسماعیل جیسے لختِ جگر کو سنگلاخ بطحا میں لا بسایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست ۔ پر کاربند تھے۔ دوسرے پھیرے میں جب ان کمزور مسافروں کی خبر گیری کے لئے آئے تو حضرت اسماعیل اس خطے کے ہمدردوں کی وجہ سے سنبھل چکے تھے۔ اب آپ نے ان کی سکونت کے بارے میں طے کر کے چاہا کہ خدائے واحد کی پرستش کے لئے کوئی محل مقام بنائیں اور فلسطین کی طرح اس ملک میں بھی اپنی تبلیغ کی بنیاد رکھ دیں۔ مکہ گو اُس وقت بھی گاؤں یا قریے کی صورت میں موجود تھا لیکن مشیتِ ایزدی میں آ چکا تھا کہ آئندہ وہ نسل براہیمی کا مرکز بنے گا۔ اسماعیل کی اولاد نہ صرف اس کی بلکہ عرب کی سرداری کرے گی۔

آپ نے حضرت اسماعیل کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ الخ"۔ اور جب ابراہیم و اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب! تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ جب اللہ کا فرو مرکز دنیا میں پہلا گھر تیار ہو گیا تو آپ نے حضرت اسماعیل کو سمجھایا تسکین دی کہ بیٹے اس ایک خالق کائنات قادرِ مطلق موت اور زندگی کے مالک خدا کو پوجنا۔ کفر و شرک سے بچنا۔ کچھ اخلاقی باتیں سکھائیں اور تشفی تسلی دے کر پھر فلسطین واپس آ گئے۔ پھر مکے نہ جا سکے۔

آپ میں جو جذبہ اور جوش نینوا میں تھا باہر نکل کر اتنا ولولہ نہ رہا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس تاریک زمانے میں اس روشن خیالی کو خلقت نے گرمجوشی سے قبول نہ کیا۔ چند آدمی ایمان لائے جن میں حضرت لوط بھتیجے تھے اور آپ کے مشن کی تبلیغ میں البتہ عمر صرف کر دی۔ باقی کوئی ایسا مستعد نہ تھا جو پورے زور سے ہمت کے ساتھ ان خطوں کو توحید پرستی پر جھکاتا۔ سابقہ بھی نہایت بے پروا اور ضدی لوگوں سے تھا۔ حضرت لوط جن پر مقرر کیا تھا وہ توحید الٰہی پر ایمان تو کیا لاتے اپنی انوکھی بدچلنی اور غارت گری بھی نہ چھوڑ سکے۔ آخر کار اُن پر تباہی آئی اور حضرت لوط پھر لوٹ کر حضرت خلیل کے پاس آ بیٹھے۔

وقت کی قومیں تو آپ کے مشن کے خیالات سے آگاہ نہ ہو سکیں لیکن آپ کی اولاد میں خدائے واحد کی پرستش جاری ہو گئی۔ اور دنیا میں اُن کے خیالات پروان چڑھنے لگے۔ آپ کے پڑپوتے حضرت یوسف اپنے دلچسپ قصّے کے ساتھ مصر پہنچ کر حکومت کے مرکز بن گئے اور اس سلسلے میں آپ کی اولاد پھر ابوالہول کے ملک میں جا پہنچی جہاں کے قیام سے آپ نے نفرت کی تھی۔ کامیاب انسانوں سے اہل حکومت اور عوام کو بغض و حسد ہو جایا کرتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ حکومت کے شعبوں میں داخل ہو گئے تھے ایک گونہ کھنچاؤ قبطیوں میں پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ فرعون نے برروئے کار آ کر ان کو غلامی میں جکڑ کر سخت آزار پہنچائے اور ذلیل کر دیا۔

قومی تنافر و تعصّب بہت قدیم چیز ہے۔ بنی اسرائیل اسی کا شکار ہوئے تھے۔ مصر میں ان کی نسل بہت پھلی پھولی اور پھیلی۔ آخر کار انجام یہ ہوا کہ قبطیوں نے غلام بنا بنا کر بانٹ لئے۔ اور مظالم کئے کہ پڑھ کر رواں کھڑا ہوتا ہے۔ حالات اتنے نازک تھے جب حضرت موسیٰ پیدا ہو کر اپنی بہن کے سبب سے فرعون کے محلّات میں پلے بڑھے۔ جوان ہوئے تو قوم کو ذلت اور غلامی میں اور دین کو کالعدم دیکھا۔ حسّاس تھے جوشیلے تھے۔ کیا کچھ غم نہ ہوا ہوگا۔ بے بسی اور مجبوری میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اسی اثنا میں وہ واقعہ پیش آگیا جس نے مصر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یعنی آپ نے اُس قبطی کو مکّا مار کر ہلاک کر دیا جو ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا۔ اور مضروب بیچارے نے اُن کو مدد کیلئے بلایا تھا۔ جب دو اک روز کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ ہونے والا تھا تو ایک شخص نے مشورہ دیا کہ یہاں سے چلے جاؤ

"قبطی تمہارے پکڑنے کی صلاحیں کر رہے ہیں۔ خطرہ قریب تھا آپ فوراً یہ دعا کرتے ہوئے نکلے "فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظالمين" ڈرتا ہوا بچتا بچاتا شہر سے باہر نکلا کہا کہ اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دے"۔ یہاں سے محفوظ دماہیل فلسطین پہنچ گئے اور حضرت شعیب کے یہاں شادی کر کے انہی کے پاس مقیم رہے۔ پھر جب وادیٔ ایمن کے حکم کے مطابق رسالت کا فرض سنبھال کر مصر پہنچے اور فرعون کو پیغام سنایا کہ خدائے واحد پر ایمان لائے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ان کے ساتھ بھیج دے تو تمام مصری بھڑک اٹھے فرعون نے کہا کہ یہ دونوں بھائی سخت جادوگر ہیں۔ معجزوں کے کرشمے دکھا کر ہمیں ملک سے نکالنا چاہتے ہیں سخت ہنگامہ ہوا اور آخر کار حضرت موسیٰ مظلوموں کو وہاں سے نکال کر اپنے اجداد کے وطن فلسطین میں لے آئے۔ فرعون دریائے نیل میں مع لاؤ لشکر کے ڈوب کر اب بیسویں صدی میں لوگوں کی عبرت کے لئے ممی کا لباس پہنے ہوئے مدفن سے نکلا اور حضرت موسیٰ کی کامیابی کی زبان حال سے گواہی دے کر پھر سمندر میں ڈوب گیا۔

کہنا یہ ہے کہ میراث و ماحول کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل پر اتنی سخت مصیبتیں گذریں۔ نسلی در نسلی بزرگ بھی ہر طرح سمجھاتے چلے آئے لیکن وہ تھے کہ دوسروں کو خلیل کا پیغام پہنچانے اور اپنے آپ کو اللہ والے بنانے کے بجائے مشرکوں کے خیالات میں الجھ کر اسحاق و یعقوب کی وصیتوں کو بھول بیٹھے۔ مصریوں کی صحبت نے نبوتوں کے سارے اثرات زائل کر دیئے۔ سامری کا جادو چل گیا۔ وہم پرستی کی فطرت نے حضرت موسیٰ کی سخت گیری اور تازہ بتازہ خدائی فیوض سب بھلا دیئے۔ آسمانی تازیہ وار یاں ٹھکرا کر برابر شرک پر جھکتے رہے۔ حالانکہ کھلی نبوتوں کا ایک سلسلہ تھا جو اس بے حس بدترین قوم کے لئے خدا نے جاری رکھا۔ ہر موڑ پر ایک نبی اور ہر قدم پر ایک مُلہم جھٹکے دینے کے لئے موجود تھا۔ پھر بھی دوسری قوموں کو کیا بدلتے خود ہی خنجالوں میں پھنسے رہے۔ خدا کے احسانات کا ذرا سا بھی تو بدلہ نہ دیا۔ البتہ اُن بیچارے انبیاء کو بے رحمی اور بے دردی سے ذبح کرتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے جدید جہاد سے جو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور سلیمان علیہ السلام کے تدبر سے سیاسی وسعت مل گئی تھی نیچا نا اتفاقی اور بے تدبیری سے بہت جلد فنا کر کے بد اعمالیوں پر ڈھل گئے۔

بیشک زمانہ وسائل سے خالی تھا۔ آمد و رفت کی آسانیاں نہ تھیں۔ ملکوں میں میل جول تھوڑا تھا۔ ایک جگہ کوئی ذہنی انقلاب آتا تھا تو دوسروں کو مدتوں خبر نہ ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ نظریۂ براہیمی میں اجنبیت بھی زیادہ تھی۔ تحقیق و اختیار کا دارومدار محسوسات پر تھا۔ غیر مرئی خدا اور اس کے عادات و صفات پر ایمان لانا آسان کام نہ تھا۔ میراث ماحول قومی ملکی رسم و رواج اس وقت سے زیادہ عزیز تھے۔ یہی وجوہات ہوئیں کہ مذہب کا یہ بہترین نظریہ دین براہیمی کی تلاش و تحقیق جو مذہب کی سب سے ترقی یافتہ شکل تھی دوسرے ملکوں اور قوموں نے اختیار نہ کی۔ تاہم یہ بھی وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اولاد اسحاق علیہ السلام نے اس کام کے لئے کوئی محنت جانفشانی اور دوڑ دھوپ نہیں کی۔ ورنہ تو کیا جاتے کوئی پاس کی قوم بھی توحید پرستی پر نہ لگائی۔ یہانتک کہ بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کرکے رہا سہا شیرازہ توڑ دیا۔ اور اس نام کی موحد قوم کو اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ یہ انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت دانیال کا زمانہ تھا۔ خود بخت نصر ان کی بہت عزت کرتا تھا بعض باتوں میں مشورہ بھی لیتا تھا۔ اس کے مشہور خواب کی صحیح تعبیر انہوں ہی نے بتائی تھی۔ خواب میں ایک بت دیکھا تھا جس کا سر سونے کا پاؤں لوہے کے اور اعضا مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔ آپ نے بتایا تھا کہ یہ آئندہ قوموں کی آمد اور ان کی ترقی و تہذیب کی طرف اشارات ہیں۔

بابل میں ان کی کئی نسلیں گذر گئیں۔ یہ بھی دنیا کے اس بے مثل شہر سے مانوس ہو گئے۔ آخر کار ایرانیوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تسلط حاصل کرکے بنی اسرائیل کو پھر یروشلم بھیج دیا۔ حضرت دانیال جو اس وقت تک حیات تھے ان کو لے کر وہاں پہنچے اور بچی کھچی دیواروں پر بیٹھ کر سب نے گریہ و زاری سے زمین و آسمان کی فضا کو بھر دیا۔ آباد ہوئے حالت سنبھالی۔ مختصر سی ایک ریاست قائم کر لی۔ لیکن اس آمد کو نہ بھولے۔ دیوار گریہ ابھی کی رسم تلہ وہی یادگار ہے۔ ان کی گمراہیوں کی پاداش ابھی سروں پر منڈلا رہی تھی اور کفر و شرک کا انجام اور بھی سخت آنے والا تھا۔ سنبھالا لیتے رہے وقت کاٹتے رہے۔ اور پھر اختلاف سرکشی بے حسی اور بے دینی میں پھنس گئے۔ باہر زمانہ پلٹے کھاتا رہا۔ یہانتک کہ رومیوں نے اقتدار حاصل کرکے مغرب کے بعد مشرق کی طرف قدم بڑھائے۔ دوسرے خطوں کے ساتھ

یروشلم کو بھی دبوچ لیا۔ اور اس لاطائل قوم کی گمراہی ہمیشہ کے لئے غلامی میں جکڑ دی گئی۔

اب سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ غلامی کی فرصت میں بیٹھ کر توریت و انجیل کی تاویلوں میں دلچسپی لیں اور ٹوٹے ہوئے مایوس دل کو جھوٹے سہارے دے دے کر تسلی دیں۔ وہی سہارے جو ہمارے یہاں قرآن کی تعبیروں سے دئے جا رہے ہیں۔ وہ بھی آنے والے کے لئے مدتیں مقرر کرنے لگے جیسے ہم منتظر کے لئے آنکھیں پھاڑے بیٹھے ہیں۔ وقت اور مقام مقرر کر رہے ہیں۔ ذہنی پستی نے حضرت موسیٰ کی زندہ تعلیم کو تکتے بازی پر لٹکا دیا۔ جیسے ہم شاعری پر آگئے ہیں اور آیتوں کو تسلی آمیز مطلب پہنا رہے ہیں۔ وہ بھی اپنے آپ کو بھول کر آسمانی تائید پر جینے لگے۔ حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا بنایا۔ ہم بھی بزرگان دین کو بیٹا کیا خدا بنا رہے ہیں۔

اس ہنگامہ محکومی مجبوری بے بسی گراوٹ اور پستی میں حضرت عیسیٰ نے صلح و آشتی کا پرچار کر کے آسمانی بادشاہت کی طرف توجہ کو موڑا۔ صبر و قناعت کی تلقین کی۔ زمانے اور وقت کے مقتضاء پر جھکایا تاکہ لوگوں دلوں میں تسلی تشفی اور سکون پیدا ہو جائے۔ حکومت نہ سہی تو قوم اچھے عمل پر جھک جائے۔ روح فنا ہو چکی تھی آثار حیات معدوم تھے۔ تشتت اور افتراق نے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ رومیوں کا بے مثل نظام مہذب دنیا پر چھایا ہوا تھا جس کا مقابلہ ناممکن تھا اس لئے انہوں نے اصول موسوی میں ذرا سی تبدیلی کر کے امن پسندی پر اکتفا کی۔ وہم پرست قوم اس انقلاب پر بھڑکی اور رومی حکام سے مدد لے کر اس روح شرافت کو صلیب پر چڑھا دیا۔ آمد کے انتظار کی بے چینی بھی اس نتیجہ پر ختم ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے شاگردوں نے عجب سرگرمی کے ساتھ آپ کی تعلیم کو دور دراز کونوں کھدروں تک پہنچایا۔ حضرت ابراہیم کی خالص توحید پرستی کو نظر انداز کر کے ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر پیلے پاؤں لوگوں کا تعاقب کرنے لگے۔ قریب کے ممالک کو پیغام دے کر یورپ میں پہنچ گئے۔ پہلے روما کی بت پرستی میں اسرائیلی بت پرستی پھیلائی۔ پھر دوسرے خطوں میں پہنچ کر وحشی قبیلوں کو آنکھوں اور انگلیوں کے اشاروں سے مرعوب کر کے موڑ لیا۔ اس طرح براہیمی روشن خیالی کو صرف چکنے اخلاق کی حیثیت دے کر اور اصول حیات سے جدا کر کے عوام مخلوق

تک پہنچایا۔ رفتہ رفتہ یونان جرمنی فرانس اور دیگر تمام خطے اسرائیلی خیالات کی لپیٹ میں آ گئے۔ بیچاروں نے بارِ امانت کی جیسی بھی صورت ہو گئی تھی اس کو کندھے پر اٹھا لیا۔ اور مشرقی قوم کو ایسے لیٹے کہ ہزار سال کے بعد آنکھ کھلی تو قافلہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی نہ روما کی سیاست اور عظمت کا نشان تھا۔ وہ سیلاب جو گہوارۂ تہذیب یعنی بحرِ روم کے کناروں سے چل کر شمال تک پہنچنے والا تھا عیسائیت کے نیچے دبا کر رہ گیا۔ مشرقی قوم نے ایسا چنا یا کہ اپنا رجحان کھو بیٹھے۔ آنکھ کھلی تو بہت چیخے چلائے لیکن جو وقت جا چکا تھا اس کی نئے سرے سے بنیاد رکھنی پڑی۔

یوں تو تباہیاں آتی رہیں اور اسرائیلی ادھر ادھر بکھرتے رہے لیکن اب چونکہ ان میں سوائے دنیا طلبی کے کچھ نہ رہا تھا سراسر زر طلبی اور سود خواری پر لگ گئے۔ رومیوں کی وسیع سلطنت میں پھیلنے لگے۔ مرکز سے اس لئے زیادہ لگاؤ نہ رہا کہ اس میں اب عیسائیت کا زور بندھ گیا جو قاتلِ مسیح سمجھ کر ان سے نفرت کرتے تھے اور انتقامی جذبے میں ٹکنے نہ دیتے تھے۔ یہ بھی ایک بڑی وجہ ہوئی یورپ میں جا بسنے کی۔ گو عیسائیوں نے جو آفتیں ان کے سر پر توڑیں اور ان کی تنگ نظری تعصب اور نفرت کا بدلہ لیتے رہے وہ بجائے خود درد بھری کہانیاں ہیں۔ لیکن ان عارضی جھٹکوں سے ان کی خو خصلت میں کوئی فرق نہ پڑا اور کارل مارکس جیسے آزاد پیدا کر کے بھی قابلِ نفرت عادات نہ چھوڑیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ صحیح معنی میں انہوں نے تعلیم براہیمی پر کبھی عمل نہ کیا اور یوں ہی اپنے آپ کو عرش کا تارا خدا کا پیارا سمجھے بیٹھے رہے۔

وہ نظریہ جو نینوا کی دیواروں کے اندر خدا کے بارے میں پیش کیا گیا تھا اس کا کمال اس قوم کے ہاتھوں نہ ہو سکا۔ بلکہ وہ اسے اصلی صورت میں قائم بھی نہ رکھ سکی۔ ان کے بعد جنہوں نے اس امانت کو سنبھالا البتہ انہوں نے اصلی صورت کو بھی قائم رکھا اور چار دانگِ عالم میں بھی پہنچایا۔ اشاعت کے لئے لاکھوں جانیں قربان کر دیں۔ فطرتِ انسانی ان کے ساتھ بھی تھی پھر بھی حفاظت میں کمی نہ کی۔

تیسرا عکس

مُنکرین

جفائے عشق کی لذت میں شک ؟ معاذ اللہ !
مگر یہیں ہیں جو اُس کو جنوں بھی کہتے ہیں
(سیفی)

پچھلے عکسوں میں جنسِ مذہب کی دو شاخیں دکھائی گئیں ہیں۔ پہلی شاخ ابتدائے فکرِ انسانی سے حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا و علیہ السلام کے زمانے تک اور پرستشوں کے ساتھ دیوی دیوتاؤں کا ایک خیالی فلسفہ بنا چکی تھی۔ سادہ خیالات سے لے کر وزنی اور گنجلک تخیّل تک ذکر کر دیا گیا۔ یعنی کس طرح سامنے کی چیزوں کو پوجنا شروع کیا۔ سانپ بچھّو بندر بھونرے شجر حجر حیوانات و جمادات اور انسان سے گذر کر تدریج قوّتوں کی تعبیروں تک آیا اور پھر دیوی دیوتاؤں چاند سورج ستاروں سیّاروں اور اجرامِ سماوی تک جا پہنچا اس بارے میں ہر ملک کے خیالات مختصراً آ گئے ہیں۔ ساتھ ہی اُس انقلاب کا خاکہ بھی کھینچ دیا گیا جو حضرت خلیل نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور انبیاء قبل طوفان کی تعلیم تازہ کر دی تھی۔ جو تعلیم حضرت اسحاق کی اولاد میں کیسی چلی۔ انہوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کئے اور کیا نوعیت رکھی۔ مختصراً ان باتوں کا ذکر آ چکا۔ اب اس عکس میں اُس جماعت کا بیان مقصود ہے جو پچھلے دو بڑے طبقوں کے ساتھ ساتھ ہر زمانے میں کچھ زیرِ لب بڑبڑاتی رہی ہے۔ یعنی وہ لوگ جو سرے سے مذہب کا مذاق اڑا کر خدا کا بھی انکار

کرتے رہے ہیں۔ اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی لیکن تصویر کا دوسرا رُخ نہ دیکھا جائے تو بیان ادھورا رہ جاتا ہے۔ حسن کی قدر بدصورتی کو دیکھ کر بڑھ جاتی ہے۔ ہلکے اور بھاری کا اندازہ ترازو کے پلڑے کرتے ہیں۔ اس طبقے کی تفصیل کے لئے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے لیکن چیدہ چیدہ خیالات کا خاکہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ جہاں مذہب کی خوبیاں ہیں لادینی کی برائیاں بھی سامنے آجائیں تو بہتر ہے۔ اندھی تقلید جس میں مخالف پہلو دیکھنے اور دلائل و براہین سننے کی گنجائش نہ ہو خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ ایسی تنگ نظری حساس اور آزاد طبیعتوں کو اکھاڑ دیتی ہے۔ مذہب کو مضبوط بنانے کے لئے موافق و مخالف سب طرح کے خیالات دیکھ لینے چاہئیں۔ یہ لوگ صرف اتنا ہی کہ کر مردود نہیں بنتے کہ خدا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایسی دلیلیں اور ثبوت دیتے ہیں جن سے اچھے خاصے پختہ کار بھی دُگدسے میں پڑ کر سوچنے لگتے ہیں۔ کچھ تو اپنی دلیلیں پیدا کرکے دل کو تسلی دے کر ٹال دیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کوتاہ نظر کو تیز کرکے اُن دلیلوں کے ساتھ اور اضافہ کرکے اکھڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ذکر کرنا نامناسب نہیں۔ "نقل کفر کفر نباشد"

اس وقت تک کے بیانات سے اتنا تو معلوم ہو ہی گیا کہ انسان نے وحشت کی منازل طے کرتے ہوئے کسی بڑی ہستی کا تعین کر لیا تھا۔ پھر وقت اور ذہنی عروج کے ساتھ ترقیاں کرتا رہا۔ ہر ملک و قوم نے اپنے طبعی حالات کے زیر اثر الگ الگ مذاہب بنا لیں۔ اور رفتہ رفتہ ہر جگہ مذہب کی مستقل شکل بن گئی جو زندگی کے شعبوں پر حاوی ہو گئی۔ آغاز کی سادہ اختراعیں بھی تازہ خیالات کے ساتھ جزء لاینفک بن کر چلتی رہیں۔ گویا طبقی نظریہ بھی ممتاز حیثیت میں موجود تھا جس پر وہم زدوں نے توجہ نہ دی وہ بھی خیالی راہ میں تیز قدم رہا۔ گو مذہب نے ذہنوں کو عام طور پر جکڑ لیا تھا پھر بھی ہر ملک اور ہر قوم میں کچھ افراد ایسے بھی موجود رہے جو دنیا کے حالات و واقعات کو غور سے دیکھ کر مذہبی تعینات سے انکار کرتے رہے اس دعوے کے ساتھ کہ لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ یہ کہتے رہے کہ فطری اور طبعی مظاہر اسباب و علل پر موقوف ہیں۔ جب اندرونی مادے جوش مارتے ہیں تو زلزلہ آجاتا ہے۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ زمین سے لاوا اور آتشیں مادے نکلنے لگتے ہیں۔ پھوڑے کی طرح زمین کے

پہاڑوں میں منہ بنے ہوئے ہیں۔ کبھی یہ مادے صحراؤں میں نہیں نکلتے۔ جب عمل تبخیر سے گھٹائیں بنتی ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔ بغیر بادل کے ایک قطرہ بھی نہیں برستا۔ برسے تو کھیتی اور کھیتی سرسبز ہے۔ نہ برسے تو سخت مٹی بھی ریت بن جاتی ہے۔ زیادتی نہ ہو تو سادہ بارش ہو جاتی ہے۔ عمل تبخیر کثرت سے ہو تو طوفان آجاتے ہیں۔ اگر کہیں مینہ نہ برسے تو ہواؤں کا کرشمہ ہے۔ بخارات کو دوسرے حصوں میں لے جاکر برسا دیتی ہیں۔ جن کے یہاں نہیں برستا وہ کہہ دیتے ہیں کہ دیوتا ناراض ہو گئے ہیں بیماریاں اندرونی اور بیرونی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ کچھ غلاظت اور بے احتیاطی سے ہیں کچھ جانوروں سے پہنچتی ہیں۔ کچھ غذا کی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسباب کی روک تھام کرنی چاہیے دعاؤں اور جھوٹ منتروں سے کچھ نہیں بنتا۔ جن میں ان کے اثرات تیز ہوتے ہیں وہ مر جاتے ہیں۔ جن میں ہلکے ہیں وہ بچ رہتے ہیں۔ جب اسباب مہیا ہو جاتے ہیں تو آجاتی ہیں۔ جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو چلی جاتی ہیں دعاؤں جھوٹ منتروں اور توبہ تلا سے رکتی نہیں۔ اور جب آجاتی ہیں تو ہائے ہائے سے ٹلتی نہیں بیمار تو نے ٹوٹکوں سے بچ جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ فلاں دیوی مہربان ہو گئی۔ مر جاتا ہے تو نامہربانی کا شکوہ کر کے یا دیوتاؤں کی مرضی کا عذر کر کے چپ ہو رہتے ہیں۔ کیسے ہی کھلے اسباب ہوں تو جہیں آسمانی ہی بنائی جاتی ہیں۔ لوگ غور و فکر سے محروم ہیں یہاں تو سب کچھ ہے تو مانو تو کچھ بھی نہیں رک جاؤ تو سب کچھ ہے نہ رکو تو کچھ بھی نہیں۔ انسان کا خیال ہی کام کر رہا ہے۔

روزمرہ کے حالات پر بھی بہت گفتگو کرتے رہتے تھے۔ یہی کہ انسان میں بہت سی مصیبتوں کے اسباب موجود ہیں۔ مثلاً وہ طبعاً عزت طلبی بلندی نفع کشی اور اپنی حفاظت پر مائل ہے۔ چاہتا ہے کہ مجھے وقعت سے دیکھا جائے۔ سب سے اونچا ہو جاؤں۔ بہت سی دولت ہو۔ ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ انسان زیر حکم رہیں۔ زمین کے بہت سے قطعوں پر قابض ہو جاؤں۔ رعیت کے گلے جھک جھک کر سلام کریں۔ لیاقت اور قابلیت کے سامنے سر جھک جائیں۔ ساری دنیا بلکہ اس کی تعریف کے راگ الاپے شان و شوکت کے قصیدے پڑھے۔ معمولی بات پر بھی خوبیاں بیان کی جائیں۔ یہی وہ جذبات ہیں کہ فطرت ان کو ابھار ابھار کر کہہ رہی ہے کہ کام چلاتی رہی ہے۔

مفاسد پھیلے۔ کشت و خون کے بازار گرم رہے۔ جن کو اقتدار حاصل ہو گیا طاقت کے بل پہ بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کمزوروں کو نگلتے رہے۔ مظلوم آہیں کھینچ کر بیٹھ رہے۔ نجات بھی ملی تو اُس وقت جب سارے کرم اُلٹے ہو گئے۔ ظالم اکڑے بیٹھے رہے۔ مٹے بھی تو بہت کچھ من مانی کرنے کے بعد۔ بدوں نے پاداش دیکھی تو نیکوں نے بھی ایڑیاں رگڑیں۔ اور جب انہیں اقتدار حاصل ہوا تو وہی کیا جو اُن پہ ہو چکا تھا۔ سمجھانے والے سمجھاتے رہے۔ دھمکانے والے دھمکاتے رہے۔ انسان اپنی رفتار پہ چلتا رہا۔ کہیں بہت دھمکیوں سے دب بھی گیا تو پھر جذباتِ طبعی نے راہ پہ لگا لیا۔ اتنے مذاہب اور اتنے رہنما آئے انسان وہیں کا وہیں رہا۔ قانون ہو یا دیوتاؤں کی فہمائش جب ذرا گرفت ہلکی ہوئی بری طرح کھل کھیلا بھلا برتر ہستی کو ان فضیلتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح رشک و حسد میں تباہی کی کراتا پھرے۔ کبھی سکندر کو چڑھا لائے۔ کبھی رومیوں کو ابھار دے۔ کبھی ایرانیوں کو یمن پہ قابض کر دے۔ کبھی ایک قوم سے دوسری کو ذبح کرا دے ایسے جذباتی کاموں سے دنیا کے امن میں خلل ڈالے۔ کھڑے سرسبز درخت پھونک دے۔ ابھرتی جوانی کا ٹیٹوا دبا دے۔ تیار لہلہاتی کھیتی کو اولوں کی مار سے تباہ کر دے۔ قحط ڈال کر درختوں کے پتے کھلائے۔ غریبوں محتاجوں اور محنتی جفاکشوں کو پیٹ بھر نہ دے اور عیاشوں بدمعاشوں زردار مکاروں کو جائدادیں اور جاگیریں بخشدے۔ انتہائی ظلم دیکھ کر منہ پھیر لے اور معمولی خطاؤں پر بیماریاں، آندھیاں اور زلزلے بھیجے آدمیوں کی طرح غصے ہو جائے۔ پھر ذرا سی پوجا میں راضی ہو کر خطائیں کرنے لگے۔ ظالموں کو موقع دے۔ کمزوروں کو کچل دے۔ اتنی برتر ہستی ہو کر بھان متی کا تماشہ دکھائے۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو یہ طبقہ زیر لب بڑبڑاتا رہا۔ پچھلے زمانے میں مذہب حاوی تھا کھل کر تو کچھ نہ کہہ سکا لیکن کونوں کھدروں میں بیٹھ کر مذاق اڑاتا رہا۔ یوں تو شروع ہی سے ایسے باغی سرکش دماغ پیدا ہونے لگے تھے۔ جب علم کا چرچا شروع ہو گیا تو تعداد خاصی بڑھ گئی۔ حالات و واقعات کی تعبیریں اپنی طرف سے مضبوط کرنے لگے۔ مثلاً افعالِ انسانی میں خود فطرت کو فعال قرار دیا۔ یعنی جو باتیں اس کی طبعی رجحان کی ہیں ان کو کر گذرتا ہے۔ کسی فہمائش کو کام میں نہیں لاتا۔ فطرت کے دباؤ پہ چلتا ہے۔

مذہب کی رکاوٹیں اس کو روک نہیں سکیں۔ اگر قدرت اسے رکھنے کے لئے بناتی تو بے پناہ قوتیں ودیعت نہ کرتی۔ کسی شاعر نے مبہم طور پر اسی کو بیان کیا ہے۔ شاعروں کی دنیا بھی اس دلیل بازی میں کسی سے پیچھے نہیں رہی ہے۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

جب کوئی مذہبی طبقے کا آدمی ان سے الجھ کر پوچھتا تھا کہ آخر یہ کارخانہ کس بنا پر ہے؟ تو مسکرا کر کہتے تھے کہ یہ دنیا مادے سے بنی ہوئی ہے۔ یہ کھیل جس پر تم حیران ہو کر کسی ہستی کا تقاضا کرتے ہو ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ کا کھیل ہے۔ ساخت ہی انقلاب پر ہے۔ بننے بگڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی میں مقام کی رونق ہے۔ خشکی اور افسردگی ہی سے تازہ حیات رونما ہوتی ہے مادہ اپنی جگہ دائم و قائم ہے۔ تبدیلی ہے تو صورت میں ہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ خزاں اور بہار کی آمد کے اسباب کیا ہیں۔ جو کچھ بھی ہوں اسباب ہی سے وابستہ ہیں۔ خزاں کی افسردگی فصلِ گل سے دور ہو کر اپنے پیچھے روحِ زندگی اور تازگی چھوڑ جاتی ہے۔ جس بالاتر ہستی کو تم نے مان رکھا ہے وہ اس کارخانے سے اس لئے تعلق نہیں رکھتی کہ انسانی حالات کے علاوہ اس نظام میں ترتیب قائم ہے۔ وہ دخیل ہو تو لوگوں کی دعاؤں اور منتروں میں آ کر بہار کو خزاں اور خزاں کو بہار کر دے۔ موت کو زندگی سے بدل دے۔ انسانوں کی من بھاتی باتیں ہو جایا کریں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی گرمی کے ستائے ہوئے کی دعا نے ایک سال بھی گرمی ٹلوا دی ہو۔ یا کسی محتاج ننگے منگے کی تڑپتی ہوئی دعاؤں سے برف باری روک دی ہو۔ کسی کامیاب وصال کی آرزو نے رات کو دن پر بڑھا کر سورج کی آمد کو ایک دن کے لئے ملتوی کر دیا ہو۔ کسی روحانی انسان کی دعا نے چاند کے نور کو سورج کی طرح روزانہ باقاعدہ طلوع پر مجبور نہیں کیا یا کسی محبوب قوم سے آفاتِ سماوی و ارضی کو ہمیشہ کے لئے نہیں ٹالا۔

ان لوگوں کے خیالات کی بنیاد مظاہر کے دوسرے رخ پر تھی اس کا اندازہ خیالات و دلائل کے

مطالعے ہی سے ہو سکتا ہے۔ یعنی جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ حوادثات اسبابِ حیات۔ خوشی اور غم کے حالات موت اور زندگی کا کھیل۔ خوشحالی و فقیری۔ سرسبزی و خشک سالی۔ صحت و بیماری۔ تباہی و بربادی تمام مذہبی رسوم کے بعد بھی اپنے وقت پر وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ کوئی عمل ان کو نہیں روکتا۔ عجز و انکسار۔ ماتھا گھسائی۔ توبہ تلا۔ گریہ وزاری۔ رسوم عبادت کی ادائیگی۔ حسن عمل کی جانکاہی کوئی چیز بھی آتش فشاں پہاڑوں کے گداختہ مادوں۔ زلزلے کے تباہ کن جھٹکوں۔ بارشوں کے سیلابی طوفانوں اور آندھیوں کے خانہ برانداز جھکڑوں کو بربادی سے باز نہیں رکھتی تو ان کی آنکھیں پھٹ جاتی تھیں اور مختلف پہلوؤں کو جانچ کر مذہب کی بحث کو بے ثمر اور مذہب کو بے حقیقت کہ دیتے تھے۔

ذاتِ باری کے متعلق بہت دور تک اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ یہانتک کہتے تھے کہ خلقت و آفرینش طبیعت کے اقتضاء سے ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی طاقت کمہار کے چاک پر بیٹھ کر ڈھلائی کرتی رہتی ہے اور ہر وقت صنعت و حرفت کے کرشمے دکھاتی رہتی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب گرمی اور سردی کا اعتدال ہوتا ہے تو گھاس اُگ آتی ہے۔ پتھروں کا دباؤ بھی نہیں روک سکتا۔ پتے نکل آتے ہیں۔ چٹیل میدان سرسبز اور ننگے درخت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ توالد و تناسل کے جذبات پیدائش پر اس طرح مجبور کر دیتے ہیں کہ روکا بھی جائے پہاڑ بھی حائل کر دئے جائیں تو روک ناممکن ہے۔ اسبابِ حیات کی اتنی کثرت ہے کہ سامانِ فنا اتنے نہیں۔ غلاظت جمع ہو کر سڑتی ہے تو اس میں سے کروڑہا کروڑ کیڑے مکوڑے اُبل پڑتے ہیں۔ برسات کی پہلی ہی بارش میں سوکھے نالابوں میں سے مینڈک نکل نکل کر ٹراتے ہیں اور بعد میں تو زمین کی سطح کیڑوں مکوڑوں اور مچھر پھنگوں سے یوں پٹ جاتی ہے گویا بزمِ حیات ساری اسی موسم کے لئے ہے۔ ایک درخت میں اتنا پھل لگتا ہے کہ اسی کے بیجوں سے پورا بن تیار ہو جائے پھر اس کے لئے قدرت کو پھونکیں مارنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ طبیعت آپ وقت پر کام کر لیتی ہے۔ ایسے حالات میں کسی طاقت کو مان کر اور اسے خدا بنا کر فنا و بقا کا انچارج بنانا محض ایک بیکار تخیل ہے۔

مذہب کے خدا کو تو کسی صورت مانتے ہی نہ تھے۔ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ جہان کا خدا ہو بھی تو ایسا

جذباتی نہیں ہو سکتا جس میں انسانی خو خصلت کی کمزوریاں ہوں - اگر مان لیا جائے تو اس کے مزاج میں تلون ہے - بناتا ہے بگاڑ دیتا ہے - بساتا ہے اجاڑ دیتا ہے - محتاجوں مسکینوں پر رحم نہیں جتنی امیروں پر نوازش کرتا ہے - کمزوروں پر رحم بھی آیا ہے تو انسان کو آیا ہے ورنہ کتنی جماعتیں ہیں جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہو گئیں مذہب اس کو عادل بھی کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ کوئی درخواست نہیں دیتا کہ ہمیں پیدا کر کے دنیا کے مصیبت کدے میں بھیج - خود ہی بلا انسان کی خواہش کے یہاں بھیج دیتا ہے اور خود ہی ایڑیاں رگڑوا کر مارتا ہے اور ان مصیبتوں میں شریعت کا بھی اضافہ کر دیتا ہے - اصلاحیں بیکار ہیں - اس لیے کہ آسمانی تعلیموں میں اور انسان کی فطرت میں تضاد ہے - باقی رہا یہ سوال کہ آخر یہ جہان کہاں سے ہے اور یہ کارخانہ کون چلا رہا ہے - اول تو اس تحقیق کی فکر نہ کرنی چاہیے اور اگر ضرورت ہے تو تم بھی سوچو - مزید غور کرو - پچھلے قیاسات کو چھوڑ کر نئے اندازے نکالو - ہم بھی تمہارے ساتھ غور و فکر کر رہے ہیں - کسی دن یہ معمہ حل ہو ہی جائے گا - ورنہ کم سے کم انسان کی جستجو میں وسعت ہی ہوگی -

بہت سی باتیں ہیں جو یہ سرپھرا طبقہ کہتا رہا - ان میں سے چند کا ذکر کر دیا گیا ہے - اب یہ دیکھنا ہے کہ مذہب والے ان اعتراضات کا کیا جواب دیتے رہے ہیں - ان کا ذکر نہ کیا جائے تو اس عکس کو ترتیب میں رکھنا بیکار ہے - سب سے پہلی چیز جس پر مذہب کا دارومدار ہے وہ خدا کی ہستی ہے - یعنی وہ بالاتر قوت جس نے یہ جہان بنایا اور سارے سوچ بچار کے لیے تصور اس پر جا کر ٹھہرتا ہے - اہل مذہب کے پاس بھی عقلی دلائل کی کمی نہیں رہی - وہ انکار کا یہ جواب دیتے رہے ہیں کہ اس عالم کا مبدا ہرگز نہ مانا جائے تو محال لازم آتا ہے - اس لیے کہ علت و معلول کا سلسلہ تمہاری گفتگو سے بھی ثابت ہے - جب تم اسباب سے انکار نہیں کرتے بلکہ سارا عالم اسباب ہی کو قرار دیتے ہو تو بتاؤ فطرت اور طبیعت کو کس نے بنایا - طبیعت نے بنایا تو اس جیسی فعال چیز کس سے وجود میں آئی - طبیعت مستقل بالذات ہونے پر بھی اتنے بڑے اہم اور پیچیدہ کارخانے کو نہیں چلا سکتی - آخر اس نے کس چیز پر عمل کیا کہ مادہ صورت وقت اور خلا وجود میں آگئے - خاص کر آخری دو چیزوں کو طبیعت کہاں سے لے آئی - ہر ایک چیز کے ایک وقت وجود میں آجانے سے تم بھی

ہنکہ ہے اگر مادہ موجود تھا تو اس کی طبیعت نے اتنا بے انتہا خلا کہاں سے پیدا کر لیا۔ اپنی ذاتی شکلیں بدلنے پر اسے اختیار تھا۔ خلا بنانے پر وہ اختیار نا ممکن ہے۔ مادہ وقت کو کسی صورت نہیں بنا سکتا۔ پھر یہ کہ وقت کسی جرمِ سماوی سے وابستہ نہیں۔ سورج نہ ہو تو وقت پھر بھی موجود ہے۔ ماننا پڑے گا کہ طبیعت سے الگ کوئی ہستی ہے جس کے منشاء قدرت نے وقت اور خلا پیدا کر کے پہلے مادے کو اور پھر طبیعت اور صورت کو کارفرما قرار دیا۔ وہی ہستی خدا ہے خالقِ کائنات موجود بالذات دیوی دیوتاؤں کا رب۔ باقی رہیں اس کی صفات وہ ہر ایک قوم نے آثار سے مقرر کی ہیں۔ خالق ہے رازق ہے مالک ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر تمہیں ان سے انکار ہے تو ہو ذاتِ خداوندی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ تمام اسباب و علل بنا کر اسی نے اس منظم کارخانے کو چلایا ہے۔ موت ہو یا زندگی بناؤ ہو یا بگاڑ سب کا مبداء و منتہا وہی ہے۔

اہلِ مذہب کے اس جواب سے اسباب و علل کا اعتراض بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اُس کی علتِ نہائی خدا ہے۔ مظاہر کا ظہور برتر قوت کے ماتحت ہے۔ سورج بارش زلزلہ آندھی افلاس موت مصائب و آلام سب مصلحت پر مبنی ہیں۔ اس نے دنیا کی تغیر و تبدل پر بنیاد رکھی ہے تاکہ گنجائش نکلتی رہے۔ نئی کائنات پرانی کی جگہ لیتی رہے۔ نئی حیات سے پوسیدگی افسردگی خشکی اور پامالی دور ہو جائے۔ موت کا سلسلہ نہ ہوتا تو وسعت زمین تنگ ہو کر تمام مصائب کو پیچھے چھوڑ دیتی۔ اگر انسان جوان رہ کر بھی لاکھوں سال جیتا تو بہر صورت یکسانیت سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے لگتا۔ تم لوگ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس جہان کی رونق انقلابات ہی سے ہے۔ پھر یہ کہ جاندار اور بے جان میں مناسب فطرتیں رکھی ہیں۔ مصائب ہیں تو بچاؤ کی تدبیریں بھی ہیں۔ کمزور گھاس بھی پتھروں سے راستہ نہیں چھوڑ سکتی تو ایک طرف کو بچ کر سر نکال لیتی ہے۔ درخت پر جدھر سے دباؤ پڑ رہا ہو اُدھر سے نشوونما چھوڑ کر کھلی طرف سے بڑھنے لگتا ہے۔ جانداروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو خطرہ دیکھتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ خزاں کی آہٹ پر کونپلیاں بدل لیتے ہیں۔ اور انسان میں تو بلا کی قوتیں رکھ دی

ہیں۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ آتش فشاں پہاڑوں کے منہ میں جھونپڑی بنائی جائے۔ یا انسان چھوڑ کر شیر کے منہ میں گھس جائے۔ غلاظت میں بیٹھ کر بیماریاں جھیلا کرے۔ کوشش نہ کرے اور افلاس کا خدا کو دوش دے۔ وارث ٹھہرائے۔ اُس نے جو ہاتھ پاؤں اور بے مثل دماغ دیا ہے۔ کام نہ لے۔ آسمان کو تکے کہ لقمہ کرے گا۔ ان باتوں کا انتظام وہ خود کر سکتا ہے۔ اگر اس کے بھیجے ہوئے اخلاق پر عمل کرے تو یہ جو چھین جھپٹ ہے رک سکتی ہے۔ تعاون سے سارے کام درست ہو سکتے ہیں۔ بڑی علّت یہی ہے۔ جس طبیعت کو تم اصل مانتے ہو اسی کے ارادے اور منشا کے ماتحت ہے۔ زمین کی گرمی باہر نکلنے کے لئے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے ڈھونڈ لیتی ہے۔ سورج اس کی بنیادی مصلحت پر خاموشی کے ساتھ غیر محسوس طریقے پر عمل تنجیر کر رہا ہے۔ جن کو تم تباہی و بربادی کے اسباب کہتے ہو وہ بھی نامعلوم طریقے پر کچھ بنا رہے ہیں گھٹا رہے ہیں بڑھا رہے ہیں۔ بارش تو زندگی ہے اس کے فائدے عیاں ہیں۔ زلزلے اور آندھیاں بھی اسباب حیات کی ممد و معاون ہیں۔ فنا و بقا کے بھیانک مناظر بھی زندگی ہی کا پیش خیمہ ہیں۔ ایک چیز مٹ کر دوسری کے وجود کا سبب بن جاتی ہے۔

وہ کہتے تھے کہ تم لوگ کمزور پہلو دیکھتے ہو وسعتِ نظر سے کام نہیں لیتے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ پہلو جن کو تم منکر کمزور کہتے ہو برکتوں سے پُر ہیں۔ اگر وہ انسان کو نیکی ہی پر خلق کرتا تو اس کی نیکی قابل داد نہ ہوتی۔ مختلف قویٰ اور رجحان و جذبات دے کر اخلاقِ فاضلہ کی تعلیمیں بھیجیں تاکہ مختلف وزن سے دنیا کے مختلف کام چلیں اور جو استعمال دوسروں کے لئے مضر بیٹھتا ہو اس کو روک کر فضیلت حاصل کرے۔ نیکی اسی کی زیادہ قابلِ ستائش ہے جس میں برائی کے عناصر بھی موجود ہیں۔ وہ ان کو دبا کر اپنے فائدے کے لئے ساتھیوں کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ جو رجحان اور جذبات بظاہر النقصان وہ نظر آتے ہیں حقیقت میں نہایت ضروری اور اہم ہیں۔ اپنی ضرورت کے لئے دوسروں کی چیز جھپٹ لینا برا ہے لیکن اگر وہی چیز اجازت اور قیمت سے لی جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ایسے جذبات رکھے ہی کیوں گئے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان صرف گوشت پوست کا ایک لوتھڑا ہوتا۔ حدیں اسی لئے مقرر کی گئیں کہ انہیں ناجائز استعمال نہ کرے۔ اجتماعی یا انفرادی

تکلیف نہ پہنچائے - نفع کشی اور عزت طلبی بڑے جذبے نہیں ہیں خودداری اور صیانتِ نفس کی وجہ سے یہ بہت بڑے بڑے کام کرتا ہے - یہ جو پہاڑوں کو میدان اور میدانوں کو سبزہ زار بناتا رہتا ہے، صرف جذبۂ زرکشی ہی کی وجہ سے نہیں - اس میں عزت طلبی کو بھی بڑا دخل ہے - رہے آپس کے فتنے فساد ان میں بھی بھلائیاں ہیں - سب سے بڑا مقصد تو پرانوں کا فنا ہو کر ان کی جگہ نئے افراد کا آنا ہے - ساتھ ہی نااہلوں کا مٹنا اور جوہر والوں کا بروئے کار آنا ہے - ہر وقت اسے دوڑنے کی ضرورت نہیں - جذبۂ انتقام خود مظلوموں کو ظالموں پر غالب کر دیتا ہے -

اہل مذہب کا ایک جواب منکرین کو ڈگر سے بن ڈانا رہا ہے - مثلاً وہ بہت کہتے رہتے تھے کہ مذہب بیکار چیز ہے - اس نے انسان کی اصلاح نہیں کی - اپنے وقت پر سب کچھ ہوتا رہا تو وہ یہ کہتے تھے کہ اگر انسان کو قاعدے قانون کی ضرورت ہے - شتر بے مہار ہو کر نہیں جی سکتا تو مذہب بھی آخر قانون قاعدہ ہی ہے - اس نے اخلاق سکھائے ہیں اور ہمیشہ ان جذبات کی روک تھام کی ہے جو ظاہرا مضر نظر آتے ہیں - اس کا ثبوت یہ ہے کہ اخلاقی حدود جب ہلکی ہوئیں انسان آپے سے باہر ہو گیا اور نظام میں خلل پڑا - خلق کی پہلی ظلم و ستم بدنیتی بداعمالی بدچلنی عام ہو گئی - حیوانوں کی طرح جینے لگا - جس قوم نے مذہب اخلاقی حدود سے غفلت برتی اسے گھن لگ گیا اور رفتہ رفتہ اپنی ہستی کھو بیٹھی - مذہب مفید چیز ہے - ہمیشہ انسان کے ساتھ رہا ہے اور ذہنی و اخلاقی تربیت کا سبب بنا ہے - زیادہ تر ترقی اسی کے دست و بازو سے ہوئی ہے اس کو بیکار کہنا کم نظری پر دلالت ہے - چھوڑ دینے والی قومیں بھی آخر کار دیکھ لو بشکل اسی کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں - اگر تم لوگ گرفت کرتے ہو تو ان خرافاتوں کی کرو جو مذہب کے نام پر اہلِ غرض چلا دیا کرتے ہیں - خدا اور اس کے فرستادہ اخلاق روزمرہ کے اصول زندگی اور اعمالِ حسنہ سے انکار کرو گے تو عقل و دانش سے دور ہو جاؤ گے - یہ بھی جانچنا ضروری ہے کہ جو بزرگ انسان اس کے اخلاق ہم تک پہنچاتے ہیں ان کی تعلیم سے بہتر اصول کا اندازہ لگا کر عزت و حرمت کرنی چاہیئے یہ اس لئے کہ وہ برتر ہستی ہم میں خود نہیں آتی -

دونو فریقوں میں ہمیشہ نوک جھونک رہی گو ان میں سے ایک بھی کبھی دوسرے کے دلائل و براہین کا

مقر نہیں ہوا۔ مصر کے استبداد میں تو منکرین کی کیا مجال تھی کہ اس کے دیوی دیوتاؤں کو جھٹلاتے یا ان کی خرافاتی الجھنوں کا مذاق اڑاتے دوسرے ممالک میں بھی جرأت کا بہت کم موقع ملا۔ اس لئے کہ مذہب جیسا بھی تھا دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن علم اور تعلیم و تعلّم کی اشاعت نے کچھ کہنے کی جرأت دلا دی۔ اُدھر ایران میں حضرت زرتشت کا مختصر مذہب چلا اُدھر ہندوستان نے برہمنی ذات پات سے تنگ آ کر کچھ آدمیوں کو مذہب کے خلاف جہاد کرنے پر ابھار دیا۔ نئے مفکر مذہب کے ڈھانچ پر ضربیں لگانے لگے۔ ایسے مذاہب ایجاد ہوئے جن میں خدا کا ذکر نہ تھا۔ بلکہ خیالات اس کے وجود سے سراسر خالی تھے۔ مہابیرجی اور مہاتما بدھ نے ایک ہی وقت میں ذرا آگے پیچھے مذہب کے خلاف تبلیغ شروع کی۔ اوّل الذکر کا وعظ تو سراسر مذہب کی دشمنی تھی بلکہ خدا کے خلاف جہاد تھا۔ یعنی وہ آزاد خیالی جس کی ملحد و زندیق آرزو کرتے رہتے تھے۔ گو وہ آزاد خیالی پابندیوں سے بھی زیادہ پابندی تھی۔ رسوم و قیود میں بندھی ہوئی ڈھنگ نظری اور زیغ خیالی میں محصور۔ مذہبی حدود کی طرح اس میں بھی حدیں مقرر تھیں۔ ہندو کتنا ہی فلسفی ہو جائے ہندو باتیں وہ کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑتا۔ انتہائی آزادی میں بھی تناسخ کے چکر سے باہر نہیں نکلتا۔ گائے کی دُم بالکل نہیں چھوڑتا اور ہزار روشن خیال بنے پیسے سے نظر نہیں ہٹاتا چمڑی جائے دمڑی نہ جائے پر ہر وقت ایمان رکھتا ہے۔

مہابیرجی کی آزاد خیالی بھی آواگون کے چکر سے باہر نہ نکلی۔ روحانی عروج اور مکتی کی موہنی بیچ میں رکھی۔ مہاتما بدھ کے کامیاب خیالات میں بھی خدا کا کبھی بھولے سے بھی ذکر نہیں آیا۔ لیکن نجات اور مکتی کی دُم اُن کے یہاں بھی ہے۔ تعلیم ریاضت عبادت اور ذہنی جنجال میں الجھی ہوئی جو مذہب کی پابندیوں سے بھی زیادہ پابندیوں کا مجموعہ ہے۔ دوسرے صاف عیاں ہے کہ ہندوستان کی آزاد خیالی بھی وہم و گمان کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی رہتی۔ ہندوستان کا ایک فلسفہ تناسخ اور اہنسا پر مبنی ہے جو بیڑیوں کی طرح ہندوؤں کے پاؤں میں بندھا رہا ہے۔ ویدانت اور یہ دونوں خیال کبھی کوئی توڑ کر نہ پھینک سکا۔ خدا کو چھوڑ کر اہنسا کو لیٹے۔ یہاں تک احتیاط برتی گئی ہے کہ جینی منہ

تک منہ پر کپڑا باندھے رکھتے ہیں۔ ہاتھ میں جو نہری ہوتی ہے راستہ صاف کرنے کے لیے تاکہ کوئی بھنگا، مچھر، کوئی پتنگا منہ میں نہ چلا جائے۔ یا پاؤں کے نیچے کیڑا مکوڑا نہ دب جائے۔ تعجب ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ نے اپنے گیان گن اور اتنی ریاضتِ شاقہ کے بعد بھی خدا کے وجود کو محسوس نہ کیا مروجہ مذہب میں تسلی نہ دیکھ کر حقیقت کی تلاش میں بے چین ہو گئے۔ تخت و تاج تیاگ کر جنگلوں کی خاک چھانی۔ تلاشِ سکون میں آپا گھلا دیا۔ استغراق میں ایسے محو ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ انسان کے مصائب کا غور و فکر سے عقدہ نہ کھلا تو ویدانت کی مشقت سے مشکل کی حل کرنے کی جانکاہ کوشش کی۔ اور آخر کار بجائے اس کے کہ مبداءِ حقیقی کا پتہ لگا کہ تمام جزو و کل اس کے ارادے اور منشاء سے وابستہ کر کے تسکین حاصل کرتے چند اصولی باتیں وضع کرنے لگے اور ان کا نام تلاشِ حقیقت رکھ کر بے چین دل کو مطمئن کر لیا۔ انہی کو حاصل قرار دیا اور تبلیغ میں مصروف ہو گئے حالانکہ وہ باتیں اخلاقی حیثیت میں پہلے بھی موجود تھیں۔ انوکھی بات صرف اتنی ہی کی کہ پرمیشور اور پرماتما کو نظر انداز کر کے عملی پہلو کو مقصود بنا لیا۔

ویدانت جو بہت قدیم فلسفہ ہے ہندوستان کی محنت سے انتزاع شدہ اور جس نے اکثر مذاہب میں اثر و نفوذ رکھا ہے یہ یقیناً انسانی ہی پوشیدہ قوتوں کی تربیت کر کے ضمیر اور جذبۂ روح کو تیز کر دیتا ہے۔ اپنی توجہ قوتِ ارادی کے ساتھ تصرف حاصل کر کے خرقِ عادت تک کی قوت حاصل کر لیتی ہے۔ ہر قوم نے اس سے تسلیاں لی ہیں اور ہر مذہب کا اختتام کسی نہ کسی صورت میں اسی مغالطہ دینے والے علم پر ہوا ہے۔ کرشمے تو بہت دکھاتا ہے لیکن امن میں تسلیاں دے کر ناکاروں کی ضرورتیں پوری کر کے بدنامی میں مع اپنی تمام قوتوں کے چپکے سے کھسک جاتا ہے۔ مہاتما بدھ نے بھی پریشان ہو کر اسی کے دامن میں پناہ لی تھی اور اسی کی برکت سے قوتِ عاملہ تک نہ پہنچ کر چند باتوں پر قناعت کر لی تھی۔ اس کی ریاضتوں پر بھروسہ کیا۔ عوام نے بھی حاجتوں کے ایفاء کا سہارا دیکھ کر صاحبانِ ریاضت کو داد دی۔ بلکہ اس کے عاملوں کو خدائی کا مرتبہ بخشا۔ جب تک ان بیکار لوگوں کے ساتھ دولت مند طبقہ سلوک کرتا رہا یہ بھی خیالی محنت میں لگے رہے۔ جس وقت دنیا کی ضرورتوں نے زیادہ بکھیڑے پیدا کر دئے تو نہ وہ یکسوئی رہی نہ وہ گہری نظر رہی۔ دکھاوے کے سخت محنت اپنی روٹی چلانے کا ذریعہ بنائے رہے جب دماغ اکھڑ گئے تو یہ کھیل

بھی ختم ہو گیا۔

مہاتما بدھ یہ دیکھ چکے تھے کہ ایشور اس کے اوتار دیوی دیوتا اور مذہبی رسم و رسوم سے انسانی مصائب میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ زندگی کی تلخیاں وقت پر آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔ انسان دکھی ہے اور کا پھل پر لوٹ کر ختم ہو جاتا ہے اچھا عمل اس کی تلخیاں دور کر سکتا ہے۔ نجات کا خیال دونوں کے یہاں تھا۔ نذیبہ نے آزادی اور بھلائی قرار دیا کسی چیز کو دکھ نہ دینا دونوں کا بنیادی اصول ہے۔ بدھ نے چھٹکارے کے لئے عمل کو زیادہ اہمیت دی۔ یعنی لالچ بدنیتی بدچلنی نہ ہو اور تپسیہ سے روح کی مکتی حاصل کی جائے۔

بات تو چل پڑی اسی طرح جیسے ہر خیال یہاں پھل پھول لے آتا ہے۔ پیرو دل جانتے ہیں گرہ ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ان باتوں میں خدا کا سہارا تھا نہ دنیا کی ضرورتیں اور مشکلات کا حل تھا۔ صرف روح کی نجات بدنیت دشمن سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔ بدھ بھگوان کی پرستش بیرونی ضربوں سے نہیں بچا سکتی۔ اس دکھوں کی دنیا میں مخالفوں کے ہتھکنڈوں دشمنوں کے حملوں طاقتوروں کے ظلموں کا کیا علاج ہے۔ اُس عدم کے اخلاق سے عزت آبرو جان مال ملک و قوم کون بچائے جو کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ بخار کی طرح چھاتی پر چڑھ جاتا ہے۔ اور تلواروں کی باڑھ پر رکھ کر ساری لجاجتوں کو ٹھکرا کر دبوچ بیٹھتا ہے۔ پھر ڈھور ڈنگروں کی طرح ڈنڈے سے ہنکاتا ہے۔ ایسا ہی ہوا بھی۔ جب شنکر اچاریہ نے ہندو دھرم کی کھوئی ہوئی بازیافت کے لئے تلوار سونتی تو مہاتما بدھ کا یہ بڑ کے نیچے کا پایا ہوا راز خس و خاشاک کی طرح ہندوستان سے اڑ گیا۔ وہ ملک جس کا کونہ کونہ بھگوان جی کے بتوں اور تپسیاؤں سے بھر گیا تھا ایک جھٹکے میں یا تو پھر سے اصل پر مڑ گیا یا چپکے سے بیک بینی و دو گوش دوسرے ملکوں میں کھسک گیا۔ جھکنے جھکنے نرم اصول کا یہی حشر ہوتا ہے جو ہندوستان میں بدھ مت کا ہوا کہ اب کہیں سراغ لگانے سے بھی کوئی پیرو نہیں ملتا جس سے تبادلہ خیال کر لیجئے۔ جینی اس لئے بچ رہے کہ ان کے اصول میں ہمہ گیری نہ تھی۔ تھوڑے سے پیرو تھے جو دوسروں کے راستے سے ہٹ کر تجارت کی چادر میں لپٹے کونوں کھدروں میں پڑے رہے۔

ایشیا شروع سے مذہب میں اتنا نہیں لپٹا جتنا خیالوں میں الجھا رہا ہے۔ ترقی پذیر ذہنیت کا خمار حرکتِ فکر کے باوجود پرانے اصول اور محدود علم کے نیچے دب کر حقیقت کی شعاعوں سے محروم رہا۔

یہ تو حال ہندوستان کے مفکّروں کا تھا ایران کے مصلح زرتشت جب یونان کے حکما سے جدا ہو کر پھر وطن واپس آئے تو ان کے علم کو سرحد پر چھوڑ کر آگ اور سورج کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے - جو ہندوستان اور بابل کے خیالات کا تاثر تھا - جہاں دماغ - مادّہ پرستی میں لپٹے رہے وہاں بھی ایشیا آگے نہ بڑھ سکا - یورپ البتہ جب جب کبھی بیدار ہوا جب کبھی مشرق کے نور نے اس کے کسی طبقے کو اپنے سادہ خیالات سے چونکایا - ہمیشہ وہ استادوں سے آگے نکل گیا - جب یونان کے کنارے مصر و شام کی مدہم کرنوں سے روشن ہوئے ہیں تو وہاں بھی مذہب کے نام پر خرافات پرستی تھی - بحر روم کے مشرقی ساحلوں پر جو تہذیب و تمدن بن رہا تھا - انہوں نے بھی آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ باتیں کچھ تبدیلی کے ساتھ اختیار کیں اور پھر بہت جلد پلٹے دیئے لگے - دنیا میں علم و فن کی نئے سرے سے بنیاد رکھی - فلسفہ منطق - تاریخ جغرافیہ - حساب اقلیدس - علم ہیئت - سیاست - فنون حرب - فنون لطیفہ - خاص کر بت تراشی - فن تعمیر - فن تقریر - طرز تعلیم طرز حکومت - اخلاق و عادات - معاملات و تجارت وغیرہ کوئی شعبہ ایسا نہ تھا - جسے عروج پر نہ پہنچایا ہو - ان کے ہی علوم تھے جن کو ایشیا اپنی طبیعت پر ڈھال کر جامد بناتا رہا -

ان کی حقیقت اس ذہنیت نے پرانی وہم پرستی کو فلسفے کی ایجاد سے بہت کم کر کے ڈال دیا - پھر یہ کہ ہندوستان کے مفکروں کی طرح تناسخ کے چکّر میں الجھا کر ایسا دین ایجاد نہ کیا جو انسان کو جنگلوں اور گپھاؤں میں بٹھا کر دنیا کی ضرورتوں سے رہا کر دیتا - یا ملک کو اپاہج بنا کر دیوتاؤں پر چڑھا دیتا - جیپیٹر اور زیس کا پیچھا چھوڑ کر وہاں کی خرافات الاصنام سے بے نیاز ہو گئے - اس سے یہ فائدہ ہوا کہ دانش حقیقت جوئی پر ٹوٹ پڑے اور اپنی محنت سے آنے والی ترقی کی بنیاد رکھ گئے - ہر قوم کے لئے آخر زوال ہے اور ہر ترقی کی ایک انتہا ہے - گرنے کے بعد بھی خرافات میں نہ پھنسے بلکہ غلام ہو کر بھی رومیوں کے استاد بنے - ہاں ایشیا کی طرح فلسفے کا درس دیتے رہے - یونان کے مفکرین چونکہ فلسفے سے مسلح ہو کر نکلے تھے آزادی کے ساتھ مذہب پر جاندار تنقیدیں کرتے رہے - فلسفی طبقے میں بعض بت شکنی کا اقرار کرتے تھے - سقراط بقراط اور افلاطون جس طبقے سے تعلق رکھتے تھے وہ ایک قادر مطلق ہستی کو مانتا تھا - باقی علما کسی ایسی تخیل ہستی کو نہ مانتے تھے - جو انسان کے معاملات کی روک تھام کرے "

منکرین نے دلائل و براہین کے انبار تو بہت لگائے لیکن دین و مذہب کی مقبولیت میں ان سے کچھ فرق نہ پڑا۔ انسانی زندگی خدا کے نام پر چلتی رہی۔ اس موجودہ دور نے آکر البتہ صورتِ حال بدلی ہے یورپ نے جو منکرین پیدا کیے انہوں نے اس سکونِ قلب کا تختہ الٹ دیا ہے۔ مذہب کی بنیادیں کچھ ظاہرا متزلزل نظر آنے لگی ہیں۔ وہ معتقدات جو ہزاروں سال سے زندگی کا لازمہ چلے آ رہے تھے پھیکے پڑ گئے ہیں۔ اخلاق و آداب کی قدریں بدل گئی ہیں۔ خدا کے خوف سے جو دل و دماغ تھوڑے بہت رکتے تھے یا قول و فعل میں اعتدال تھا وہ اب خواب و خیال سا ہو گیا ہے۔ پچھلے منکرین کو ایسی کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی جیسی اس دور کے آزادروں کو ہوئی۔ کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اب نہ حکومت ایسی باتوں کے لئے رکاوٹ ہے نہ عوام کے شورش اٹھانے کا خطرہ ہے۔ آزادی کی رو نے سب کو ہموار کر دیا ہے۔ اخلاق کا معیار بدل گیا۔ خوبیاں برائیاں ہو گئیں اور برائیاں خوبیاں بن گئیں۔ صورت یہ ہو گئی ہے کہ جو ابھی تک اپنے آپ کو خدا کا پرستار اور مذہب کا فدائی کہتے ہیں وہ بھی بدنیتی اور بداعمالی میں غوطے کھا رہے ہیں۔ زمانے کے رنگ میں ایسے رنگ گئے ہیں کہ دل و دماغ پر آزادوں کا قبضہ ہے اور زبان پر دین و مذہب کا۔ حیرانی یہ ہے کہ یہ لوگ کبھی اہلِ مذہب کی طرح اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے نہیں نکلے پھر بھی نامعلوم طریقے پر محض فضا بدل جانے سے لوگ متاثر ہو کر اپنے طور طریق بدل بیٹھے اور آزاد ہو گئے۔ دل و دماغ ان کے اشاروں پر ہیں اور نسبت خدا کی طرف ہے۔

تاہم جیسا ہے انہیں کیسی ہی کامیابی حاصل ہوئی ہو کیسے ہی مضبوط دلائل اور دلکش مشاغل سے مسلح ہوں خدا کا خیال اب بھی ضمیر پر چوٹ لگا دیتا ہے۔ دلچسپ دل نشین کاموں سے فرصت ملتی ہے تو لوگ اپنے نفس کا حساب کتاب لے لیتے ہیں بلکہ اس آزادی سے بھی اکتائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور خدا کے نام سے اخلاق کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماننے والوں کی تعداد نہ ماننے والوں سے اب بھی زیادہ ہے۔ بعض خدا سے ڈر کر جھک جاتے ہیں بعض یقین مان کر اس کے اخلاق کو یاد کر لیتے ہیں۔ بعض آگ کے شعلوں میں ڈھونڈ رہے ہیں بعض ستاروں کی چمک میں دیکھ رہے ہیں۔

بعض فطرت اور نیچر کہہ کر طبیعت کو سمجھا رہے ہیں :-

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا (حالی)

رہیں اخلاق کی حدود سو اُن کی طرف بھی دوبارہ جھکنا ہی پڑے گا اس لئے کہ بعض بے اعتدالیاں اہل نظر کو بے چین کرنے لگی ہیں تو پھر یہ منہ چھپٹ کام کب تک رہے گا - انجام کار ان آزادیوں کے بھی مصلح نکلیں گے اور اخلاقی راستے کو مستقل بنائیں گے - سب سے زیادہ جو بات چونکا رہی ہے وہ بد دیانتی چالاکی مکر و فریب اور جھوٹ ہے - جن سے حساس دماغ ہر موڑ پر ٹھوکر کھاتا ہے - مذہب کی سلامت روی کم یا زیادہ واپس لانی ہی پڑے گی ورنہ نہیت کی سلامتی کے بغیر نظام انسانی میں خلل کا اندیشہ ہے - خدا کے خوف کو دلوں میں جگہ دی جائے گی - جو پھر ایک مرتبہ معاملات میں دیانتداری کو دخیل کر دے گا اور مایوسی و ناکامی میں تشفی و تسکین کا سبب ہوگا - اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ " جو مذہبی حدود کو تکلف یاد سمجھتے ہیں اس وقت کی بے چین معیشت کو دیکھ کر غور و فکر کریں - اس خرابی کو دور کرنے کے لئے مذہب کی ضرورت ہے فلسفہ اصلاح نہیں کر سکتا -

دور جدید کے منکرین کا ذکر بھی اسی عکس میں ہونا چاہیئے تھا - ابھی چونکہ اس کی عام حیثیت بیان نہیں ہوئی صرف اس طبقے کا ذکر مناسب معلوم نہیں ہوتا - خیر اب اس بابت کو دہرانے کی ضرورت نہیں - یورپ کے عام بیان میں ان کے مشہور کارگزاروں کی طرف ضمناً اشارے کر دئے جائیں گے - تھوڑا اہمیت بنا دیا جائے گا کہ کس طرح یورپ کی قدامت پر ضربیں لگا کر انہوں نے موجودہ آزاد خیالی پر ڈالا - وہ کیا حقیقتیں پیش کیں جس سے سوا ہزار سال کی پختگی سیال ہو کر بہہ گئی - نئے تصورات و مسائل وسیع ہو گئے - علوم جدیدہ معاون و مددگار بن گئے اس لئے زندہ مثالیں اور پیش پا افتادہ حالات علوم پر اثر کئے بغیر نہ رہے - گو کلیسا نے ان کی روک تھام میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا -

اصل میں یہ خیالات بھی قوموں کے امتیازی رجحان پر چلتے رہے ہیں - اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آب و ہوا کا اثر ہو یا ماحول کا نسلی خصوصیات ہوں یا میراث کی الگوں کے میلان اور غور و فکر.

میں بڑا فرق ہے۔ یہ جو کسی انگریز نے کہا ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب دونوں کبھی نہ ملیں گے یہ قول بہت گہرے مطالعے پر مبنی ہے۔ حالت یہ ہے کہ خود مشرق کے ممالک ایک دوسرے سے لگا نہیں کھاتے یورپ تو ایک دوسرا بر اعظم ہے اس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ ہندوستان کی آزاد خیالی کا جنجال لکھ دیا گیا فرق معلوم کیا جائے تو صاف عیاں ہو جائے گا کہ ہر قوم کے میلانات و رجحانات الگ الگ ہیں۔ ایرانی ہندوستانی سے جدا ہیں۔ عرب چین سے مختلف ہیں۔ چینی مصریوں سے نہیں ملتے۔ ایشیا کے متوسط باقی حصوں سے الگ ہے۔ پھر مشرق و مغرب کے فرق میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ یونانیوں کے افکار ادھر کی ہر ایک قوم سے الگ تھے۔ موجودہ مغرب کی جستجو و تلاش موجودہ مشرق سے کوئی بعید رکھتی ہے۔ یوں تو کہنے کو سب آدم کی اولاد ہیں لیکن دماغوں میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ وہاں کا ہر ایک فکر اور پہنچ یہاں کی سوجھ بوجھ سے متضاد ہے۔

شروع سے نظر ڈالنی چاہیئے۔ پہلے زمانے میں وہاں دو قوموں نے ترقی و تہذیب کے میدان میں قدم رکھا۔ یونانی تو فلسفے کے بانی تھے اُن کی فکر تو جدا ہونی ہی تھی۔ اہل روما کو لے لیجئے وہ بھی اپنی جابرانہ خصلت کے باوجود تنگ نظری میں نہیں پھنسے۔ شاہی ختم کر کے جمہوریت کی وہ شاندار عمارت کھڑی کی جو سیاست میں بے نظیر تھی۔ فوجی طاقت میں وہ سطوت پیدا کی کہ فلک ان کے سامنے پانی بھرنے لگے۔ بعد میں یونانیوں کی طرح انہوں نے بھی اپنی مکمل تاریخ چھوڑی۔ زندگی کو افسانوں کا مجموعہ نہیں بنایا۔ وہ اولالعزم قوم خیالی فلسفے سے نفرت کرتی تھی مذاق اڑاتی تھی۔ وہ دیوی دیوتاؤں کو بھی آزاد خیالی کے ساتھ پوجتے تھے۔ ان میں بھی آزاد خیالی آئی لیکن کوئی ایسا خیالی فلسفہ نہ گھڑا جو دنیا کی ضرورتوں سے غافل کر کے گپھاؤں میں بٹھا دیتا۔ مذہبی انہماک بہت تھوڑا تھا۔ ترک دنیا والا شغف آیا تو وہ مشرق کی ہی طرف سے آیا۔

مذہب کی ضرورت سے کوئی سنجیدہ دماغ انکار نہیں کر سکتا۔ مصیبت یہ ہے کہ مذہب اخلاق اور معاملات کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ مختصر اور جاندار۔ لیکن بہت جلد اس میں سے شاخیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ شوشے بازی شروع ہو جاتی ہے۔ لانے والوں اور ترقی دینے والوں کے بارے میں اختلافات

پڑتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہی مقصود بالذات بن جاتے ہیں اور اصل مقصد بیچ میں سے نامعلوم طریقے پر نکال دیا جاتا ہے۔ پھر انہیں انہیں کی طرفداری میں مذہبی فرقہ پان پھول نکال کر مذہب کو گورکھ دھندا بناتا ہے ایک دوسرے کی ضد میں خوب خوب تخیل بازی ہوتی ہے اور آخرکار مذہب اصول وضوابط کی جگہ خرافات وہفوات کا پشتارہ بنا دیا جاتا ہے۔ منکرین جو شروع میں اس کی کامیابی سے انگشت بدنداں ہو کر بیٹھ جاتے ہیں یا متاثر ہو کر خود بھی ان کے حق میں سوچنے لگتے ہیں اب انہیں گرفت کا موقع ملتا ہے۔ دلائل کے نشتر تیز کرکے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ عوام میں نہ بھی پہنچیں تو نکتہ چینی اور تخریب کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ عمر خیام نے بھی ایسے ہی حالات سے متاثر ہو کر رباعیاں کہی تھیں اور مذہب کے ساتھ خدا کا بھی مذاق اڑایا تھا۔

دنیا کی تلون مزاجی کو دیکھ کر یونان کے ایپکورین فرقے کی طرح تحصیل لذت کو حاصلِ زندگی قرار دیا۔ یہی کہ کسی کو نہ ستاؤ۔ آزاد رہو۔ اس ہاؤ ہو میں جتنی بھی لذت مل سکے حاصل کرلو۔ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاؤ۔ حسینوں سے اختلاط کرو اور خم لنڈھاؤ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس علاج کا نتیجہ بھی چنگیزیوں نے اٹھ کر بہت جلد تلخیوں سے ملا دیا۔ لذت کا شغف بھی مذہب کی نکتہ آفرینیوں کی طرح تباہی و بربادی ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ آج اس کی رباعیاں یورپ کے عیش پسندوں کے لئے مثال بنی ہوئی ہیں۔ آگاہ لوگ جانتے ہیں کہ کس آب و تاب سے چھپ چھپ کر شائع ہوئی ہیں۔ مقبولیت کی بنیاد وہی پرانا انکار ہے۔ یا حصولِ لذت کی ترغیب۔ یورپ چونکہ آزاد ہو چکا ہے دولت کی فراوانی ہے خیالات پر کوئی پابندی نہیں اس خیال پر دنیا کے آدھی اسے صحیفہ سمجھ کر لئے پھرتے ہیں۔ اور عیاشی کی داد دیتے ہیں۔ اس کی شاعری کو غور و فکر کی انتہا سمجھتے ہیں۔ منکرین کا مختصر ذکر چھوڑ کر پھر امانت کے خاتمے پر پہنچنا ہے اور آخری پیغام کی تفصیل کا بیان درپیش ہے۔

چوتھا عکس

تکمیلِ امانت

رسولِ ہاشمی نے دین کی تکمیل کی ایسی
اضافہ کر سکے اُس پر نہ انگلیسی نہ المانی (سیفی)

پہلے ذکر آچکا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسان کے سامنے امانتِ ازلی کی بہترین صورت پیش کر دی تھی جو ان کی اولاد میں سے حضرت اسحاق کی نسل میں بطور میراث چلتی رہی۔ کبھی بگڑی کبھی سنورتی رہی۔ بہر طور کسی نہ کسی صورت میں حضرت مسیح تک پہنچ گئی۔ انہوں نے یہ اولیٰ تعبیر قوم کے سامنے رکھ دی۔ پھر وہ شدہ شدہ مشرقِ قریب سے لے کر مغربِ بعید کے کناروں تک جا پہنچی۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورت نے انسان کی خدمت کی۔ غریبوں کی امداد بیماروں کی تیمارداری پریشانوں کی تسکین اور مصیبت زدوں کی غمخواری ہوئی۔ لیکن ایک گھاٹا ایسا پہنچا جس کا اندمال چھ سو سال کے بعد ہوا۔ یعنی جس توحید کے لیے حضرتِ خلیل نے مقامی اور بیرونی دکھ اٹھائے تھے اور انبیاءِ بنی اسرائیل درد سہتے رہے تھے نہایت آسانی سے اسے اجزاء میں تقسیم کر کے رکھ دیا گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ خود انجیل میں اس کے لیے کوئی نص نہ تھی۔ اس بارے میں کوئی تعین نہ کیا گیا تھا کہ خدا کیسا ہونا چاہیے۔ اس کی ذات صفات کیا ہیں۔ توحید کے ساتھ وہی ہوئی جو آج قدیم نظریہ جزء لایتجزیٰ پر گذر رہی ہے۔ توحید کی طرح اس کی بھی تقسیم کر دی گئی ہے۔ اب صدرا اور شمس بازغہ کے دلائل بیکار ہو گئے۔ گو یہ تقسیم حقیقت پر مبنی ہے۔ ہاتھوں سے کی جاتی ہے

آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے - وہ تو محض ایک ذہنی اُپج تھی جس نے توحیدِ الٰہی کی جان نکال دی - اس چیز کو مسخ کیا جس پر بنی اسرائیل کو فخر و امتیاز حاصل ہوا تھا - اور جس کی وجہ سے یہ قوم جہنمی بن گئی تھی -

اب ذرا نسلِ اسماعیل کا حال سنئے جس کو حضرتِ خلیل وادئ غیر ذی زرع میں آباد کر گئے تھے - سرزمین بطحا کی خاک نے اس امانت کو سینے سے لگا کر اپنے بنجر اور سنگلاخ گہوارے میں پرورش کی - بے آب و گیاہ وادی نے اس اچھی نسل کو بڑھایا - افزائش ہوئی شاخیں پھیلیں اور یعقوبی اسباط کی طرح خاندان بن گئے - وہ معمولی گاؤں مکہ بن کر شہر کی صورت اختیار کر گیا اور یہ ممتاز نسل عزت و بلندی کے ساتھ زندگی گذارنے لگی - بادشاہت کا تو وہاں مذکور ہی نہ تھا - آزاد طبع لوگ تھے کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ ان پر کوئی حکمران بن کر بیٹھے اور باگ ڈور ہاتھ میں لے کر غلامانہ سلوک برتاؤ کرے - باوجود اس کے اس نسل کو سرداری کا درجہ حاصل رہا - سب دلجوئی کرتے تھے سب عزت سے پیش آتے تھے -

تمام عرب سامی طبقی شاخوں سے بسا ہوا تھا - یہاں بھی چاروں طرف مختلف قبائل آباد تھے - جو شروع ہی سے اس خاندان کو حضرت خلیل کی یادگار سمجھ کر عزت کرتے تھے - رفتہ رفتہ عرب کے دیگر خطے بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے - اپنے معاملات ان سے طے کراتے تھے - جھگڑے فسادوں میں تصفیے کے واسطے بلائے جاتے تھے - حضرت یعقوب کے ایک بیٹے اسرائیل کے نام پر ادھر کی شاخ کا نام بنی اسرائیل ہوا تو ادھر بھی ایک سردار کے نام پر قریش کہلانے لگے - ایک بزرگ کے نام پر انہیں عدنانی بھی کہتے تھے - بنجر علاقے کی وجہ سے وسائل زندگی فلسطین جیسے نہ تھے اس لئے یہ خاندان بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے فیض پر گذارہ کرتا رہا عرب کی یہی بضاعت تھی - تجارت کا اس زمانے میں عام رواج تھا - عراق شام فلسطین اور مصر میں منڈیاں تھیں - بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے سودے سے ترقی کرتے کرتے اس خانوادے نے بھی تجارت کی شاہراہوں تک دسترس حاصل کر لی - ان کے تجارتی قافلے عراق و دمشق سے آگے مصر و حبشہ تک پہنچتے - جس سے رفاہ زندگی میں خوشحالی آ گئی - ضرب التفوق حاصل ہو گیا اور باہر کی دنیا سے واقفیت ہونے پر تجربے اور وارفع نے

بھی ترقی کی۔

سطحِ زمین پر خدائے واحد کا پہلا گھر یعنی کعبہ اپنی چھوٹی سی عمارت اور سادہ تعمیر کے ساتھ اب بھی اُسی طرح مرکز بنا ہوا تھا جیسے آغاز کے عالم ہوا، یہ شانِ الٰہی کا مرجع رہا تھا۔ حج کی رسم موجود تھی گو اب اس کی کچھ اور صورت ہو گئی تھی۔ اسی ذی الحجہ میں دور دور سے قبائل جمع ہوتے تھے اور کعبے کے بتوں کی زیارت یا رسوم کے بعد مقامات دمنیٰ کے میلے کی رونق بڑھاتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ اب ہزاروں سال کے مرورِ زمانہ سے اس توحید کے گھر میں شرک نے بھی جگہ بنالی تھی۔ وجہ صاف ہے بنی اسرائیل میں انبیاء کی بھرمار تھی لیکن ادھر میدان بالکل صاف تھا۔ کوئی بھولے سے بھی اصلاح کے لیے نہ آیا اگر ادھر بھی توجہ رہتی تو یہ زیادتی ہرگز نہ ہوتی۔ ایسی بے خبری اور کس مپرسی میں شرک کب تک صبر کیے بیٹھا رہتا۔ انگڑائیاں لیتا ہوا اٹھا اور خدا کے گھر کو خالی پاکر جھٹ آگھسا۔ اگر ادھر بھی نبی آتے رہتے تو بنی اسرائیل کی سی ہٹ دھرمی اور سرکشی نہ تھی کہ کھلی ہدایت کو دیکھ کر بھی شرک کو اتنا حاوی ہونے دیتے کہ وہ کعبے جیسے مقام میں اپنے لیے محل مقام ڈھونڈ لے۔ بعد میں جو ضد اور سرکشی ظاہر ہوئی وہ اس لیے کہ پیغامِ تجدید ہزاروں سال کے بعد کانوں تک پہنچا آنکھوں نے دیکھا۔ ثبوت یہی ہے کہ جب پیغام کو سمجھ گئے تو خدا کی وہ خدمت کی کہ بنی اسرائیل نے اتنی نبوتوں میں بھی کر کے نہ دکھائی تھی۔ آج تک خانۂ کعبہ کی دیواریں لات دہبل کی سنگینی سے پاک ہیں۔ اور نسلوں کے دل شرک کی آلودگی سے پاکیزہ۔

اسی زمانے میں یمن پر حبشہ والوں کا قبضہ ہو گیا تھا جو مذہباً عیسائی تھے اور کعبے کی فوقیت سے حسد رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک بہت بڑا گرجا بنایا تھا تاکہ اہلِ عرب خانۂ توحید کے بجائے تثلیث کے گھر کی طرف رجوع کریں۔ اس طرح ان کو اور عیسائیت کو عرب میں مقبولیت حاصل ہو جائے۔ ابرہہ بادشاہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کعبے سے توجہ نہیں ہٹتی تو ارادہ کیا کہ اس کو مسمار کر کے عرب کی نگاہوں سے قدیم نشانی کو ہٹا دے جس کی عظمت ہزاروں سال سے ان کے گوشت پوست کا جز بن چکی ہے۔ اس غرض سے حبشیوں کی فوج کے ساتھ کچھ ہاتھی لے کر مکے پر چڑھ آیا لیکن خائب و خاسر واپس چلا گیا۔ قریش حضرت ابو مطلب جو قریش کو لے کر صحرا کی طرف ہٹ گئے تھے۔ مقابلے کی طاقت نہ دیکھ کر طرح دے گئے تھے

پھر اپنے مقدس آبائی شہر میں مع اپنی قوم کے واپس آ گئے ۔ تائید غیبی سے اس واقعہ کے بعد عزت میں اور اضافہ ہو گیا خانہ کعبہ کے ساتھ ان کی بھی وقعت بڑھ گئی ۔ اتنی قدیم مقدس یادگار مٹانا آسان کام نہ تھا ۔ آندھی بگولے ہی اس کی ناکامی کا سبب نہ تھے یہ بھی خیال آیا ہو گا کہ یہ گھر حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہے اور وہ خود انہی کی ایک شاخ کا نام لیوا ہے ۔ خانہ کعبہ کا مٹنا آسان نہ تھا ۔ اسی گھر سے تو آخر توحید کے چشمے پھوٹنے والے تھے ۔ اسی سے انسان کی ہدایت کا آخری پیغام دنیا کو پہنچنے والا تھا ۔

قریش میں کوئی ایسی نا اتفاقی نہ تھی جو تاریخی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہو ۔ البتہ اس واقعہ سے پہلے امیہ اور ہاشم میں جو قریبی رشتے سے وابستہ تھے خانہ کعبہ کی تولیت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تھا جو دونوں کی اولاد میں باہمی نفرت و عداوت کا مستقل موجب بن گیا ۔ اور آگے چل کر بڑے بڑے فتنوں کا سبب ہوا ۔ تجارتی مستندی کی وجہ سے مکہ اب ایک خوشحال شہر تھا ۔ مفاجی لیے وسیلگی اور اولوالعزمی و ہمت نے ایک گونہ فارغ البالی سے بدل لی تھی ۔ لیکن جاہلانہ رسم و رواج اور مذہب کے خیالی جنجال بدستور کام کر رہے تھے ۔ تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ کوئی ضابطہ، قانون قاعدہ نہ تھا جو زندگی کو صحیح راستے پر چلاتا ۔ تمام عرب شرک و بدرسمی کا مرکز بنا ہوا تھا یکجہتی مفقود تھی ۔ معمولی سی بات پر آتش فتنہ و فساد بھڑک جاتی تھی ۔ ذرا سی لاگ پر قبائل آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے تھے ۔ اسباب معیشت کی کمی نے لوٹ مار کا عادی کر دیا تھا ۔ عرب کی وہ ترقی و تہذیب جو انبیاء کے خیال ہو گئی تھی جو کبھی بام عروج پر پہنچ چکی تھی ۔ نہ یمن کا سدّ مارب تھا جس سے کہ آب پاشی ہوتی ۔ نہ عاد و ثمود کے بے مثل قصر و ایوان تھے جن کے ستون "لم یخلق مثلھا فی البلاد" تھے ۔ نہ عراق میں نینوا کی شان تھی ۔ نہ بابل کی عجوبۂ روزگار شہریت تھی ۔ جس کی تفصیل سے اب بھی دماغ انسانی اباؤ انکار کرنے لگتا ہے ۔ وہ فصیل کی سو فٹی اونچی دیواریں جو چالیس مربع میل زمین کو گھیرے ہوئے تھیں ۔ فصیل کی چوڑائی کم از کم گھوڑوں کی دوڑ کے لئے گنجائش دیتی تھی ۔ شہر منقاطع سڑکوں اور چوکوں کے ساتھ شطرنج کی بساط تھا ۔ جس کے سارے ضلع متساوی تھے ۔ شہر کیا تھا ایک بے نظیر

عظیم الشان قلعہ تھا۔ جس میں بیرونی دروازوں کے ساتھ دریا کے پھاٹکوں کو بند کر کے آبادی کو ہر خطرے سے محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ تفصیل پڑھ بیو بادک اور واشنگٹن کا تصور بندھتا ہے اُس وقت جبکہ ہندوستان کے شہر تنگ سڑکوں اور تاریک گلیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ اپنے زمانے کا بے مثل شہر سخت نصر کی محنت سے بنا تھا اور اس کے پوتے کی عیاشی نے تباہ کرا دیا۔

جب کہا جائے کہ عرب اس وقت جہالت میں گھرے ہوئے تھے تو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ بے حس وحشی تھے۔ ننگے پھرتے تھے۔ آدمیوں کو کھا جاتے تھے۔ ایسا نہیں تھا۔ علوم و فنون سے بے بہرہ سہی ادراک و احساس سے خالی نہ تھے۔ زندگی تھی۔ بلندی و اصلاح کے آثار تھے۔ صرف ایک شاعری کو لے لیجیئے۔ معلوم ہو جائے گا کہ جو قوم تخیل اور موزونیت کا اتنا درجہ طے کئے ہوئے تھی وہ بدذوق اور کوری نہیں ہو سکتی۔ حالات و واقعات کو غور سے دیکھتے اور جو کچھ گذرتا تھا اسے وزن اور قافیے میں باندھتے تھے۔ زور کلام سلامت و صفائی طرز ادا اور قافیہ ردیف سے واقف تھے۔ جذبات و احساسات خوبصورتی سے ادا کرتے تھے۔ خوشی اور غم کے جذبات مدح اور مرثیے میں درج کرتے تھے۔ فخر و مباہات میں بھی حد سے تجاوز نہ تھا۔ مبالغے اور غلو سے احتراز تھا جو بعد میں شاعری کا طرۂ امتیاز بنا۔ پہلے تلمیح استعارے اور مطابقت رکھنے والی تشبیہیں تھیں۔ حقیقت نگاری ان کی شاعری کی ہر صنف سے ٹپکتی ہے۔ تغزل و تشبیب کے اسلوب ایجاد کر چکے تھے۔ منظر نگاری کا تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں طرز خاص تھا۔ وقوع میں آنے والے جذبات ادا ہوتے تھے بلکہ دانائی اور حکمت کی باتیں کل ان کی شاعری میں موجود ہیں۔ دلبری و شجاعت کے ساتھ محبت میں بھی بے مثل تھے۔ اتنی آزادی اور بیباکی پر جب محبت کرتے تھے تو پاکیزگی کی انتہا تک پہنچا دیتے تھے۔ فحاشی نام کو نہ تھا۔ ساری عمر یاد میں گھلتے تھے اور ہاتھ نہ لگاتے تھے بھلا چوما چاٹی کھینچا تانی اور اغوا کا کیا ذکر کیا۔ قیس و وامق کا فسانوں میں ہیں۔ وہاں کا ہر عاشق قیس و وامق تھا۔ حجازی الادب اور عربی الف لیلہ کی حکایتیں جو چوتھی جلد میں ہیں

اُن کی پاکیزہ جذباتِ حمیت کی شاہد ہیں۔ تحریر سے آشنا نہ تھے۔ لیکن فنِ تقریر میں دست رس رکھتے تھے۔ سحبانِ وائل موسمِ حج کے بازار عکاظ میں چار چار گھنٹے مسلسل بولتا رہا ہے اور اپنی فصاحت و بلاغت کی داد لی ہے۔ کیا یہ خوبیاں وحشی قوموں میں ہوتی ہیں؟ یہاں کے جاہلوں اور دیہاتیوں سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھنا چاہیئے۔ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"۔

ان کے شعور کو سراہنے کے لئے ایک شاعری ہی کافی ہے۔ عمرو بن کلثوم کا فی البدیہہ قصیدہ سبعہ معلقہ کی زینت ہے کوئی تعلیم یافتہ اس رنگ کی نظم کہہ کر دکھائے تو سہی۔ جنہوں نے سبعۂ معلقہ حماسہ اور ان کا ادب گہری نگاہ سے پڑھا ہے وہ ان کو جاہل و وحشی نہیں کہہ سکتے۔ حاضر جوابی طلاقتِ لسانی اور قوتِ بیانیہ میں کون ان کی نظیر تھا؟ ان کو جاہل اور وقعت کو زمانۂ جاہلیت صرف اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اصول دین اور قانون سے ناواقف تھے۔ دلیری آزادی اور بیباکی نے ان میں بری رسمیں پھیلا دی تھیں۔ دختر کشی کی بد رسم تھی تو وہ ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی ملتی ہے۔ لڑائی جھگڑے آزاد بے قانون قوموں میں زیادہ ہوا ہی کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو وہ اخلاق سے بھی بالکل کورے نظر نہیں آتے۔ پڑوس کا حق خاندان کے حق سے کم نہ تھا۔ مہمان نوازی میں کسی مہذب قوم سے پیچھے نہ تھے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی مثالیں نظیر نہیں رکھتیں۔ سخاوت سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی اور عام تھی۔ حاتم نے اپنا بے مثل عزیز گھوڑا قیصر روم کے ایلچی کو کھلا دیا تھا۔ پناہ گیر کے لئے جان مال خاندان سب کچھ قربانی چڑھا دیتے تھے۔ یہ بات سخت ننگ و عار تھی کہ مدد کے لئے بلایا جائے اور آدمی طرح دے جائے عہد و پیمان کا بھی خیال رکھتے تھے۔ دوستی و رفاقت کی حفاظت کو فرض سمجھتے تھے۔ سموأل بن عادیا نے امرؤ القیس کی امانتوں کے لئے سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسی باتیں تو ہمارے شہریوں میں بھی نہیں ملتیں۔ مہذب قوموں میں بھی ان سے زیادہ نہیں۔ باقی رہی دین کی جہالت تو شک نہیں وہ دین سے اعتقاداً بیگانہ تھے۔

الغرض باہر کی قومیں اور خود عرب ایسے حالات میں تھے کہ تا دراں کی جو نسل سے حضرت ابراہیم

کی دعا نے طلوع ہو کر دنیا کو نئی روح اور نئے اصول کا پیغام سنایا۔ اور عرب جلیبی حوصلہ مند بہادر قوم کو انتخاب کیا تاکہ وہ اپنی شیوہ بیانی سے قوموں کے سامنے اسے پیش کرے۔ نسل اسحاق کو دیکھ لیا گیا تھا اور اب نسل اسماعیل کی آزمائش تھی۔ صدہا پشتوں کے بعد ان کی بادی آئی۔ خدا نے اس خانوادے سے ایک رسول انتخاب کیا۔ لیکن اس نے وہ کر دکھایا جو بنی اسرائیل کے اتنے انبیاء و رسل نہ کر سکے تھے۔ آخر کار جب خدا نے اس نسل پر نظر ڈالی تو امانت ازلی کی آخری تبلیغ کے لئے حضرت عبدالمطلب کے پوتے عبداللہ کے یتیم آمنہؓ کے لال پر نظر پڑی جو خاندان قریش کی ممتاز شاخ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ نیکی اخلاق۔ نیک چلنی دیانتداری اور امانت داری میں قوم سے امین کا خطاب لے چکے تھے۔ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانی میں سنگ اسود کے بارے میں حکم بن چکے تھے اور ایسا فیصلہ کیا تھا کہ سب تجربے کار بزرگ حیران رہ گئے تھے۔ آپ اس اہم برتن فرض کو لے کر اٹھے۔ قوم کے سامنے امانتِ ازلی کی تشریح شروع کی۔ غلط راہ پر چلنے والے بھٹکے ہوئے انسانوں کو بتایا کہ خدا ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اپنی خدائی کا واحد مالک ہے۔ تمام جہان اُسی کے عزم و ارادے پر چل رہے ہیں۔ وہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ پیدائش و موت اور ہر قسم کے بناؤ بگاڑ اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہی بندوں کی فریاد کو سننے والا اور ان کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اُسی کو مانو اسی کے سامنے جھکو۔ اسی سے مانگو اسی پر بھروسہ کرو۔ یہ جو تم اس کے علاوہ چیزوں کو پوجتے ہو سب گمراہی و ضلالت ہے۔ یہ تو اپنے آپ کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں تو تمہیں کیا نفع دے سکتی ہیں۔ یہ تو بے حس بے جان مورتیں ہیں نہ دیکھ سکتی ہیں نہ سمجھ سکتی ہیں نہ بول سکتی ہیں نہ تمہاری فریاد سن سکتی ہیں خدا دائم و قائم ہے۔ ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ مرتا ہے نہ اونگھتا ہے نہ سوتا ہے۔ رتی رتی بات کی اسے خبر ہے۔ تمہارے دلوں کی آرزوؤں حسرتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اسی کے منشا اور ارادے سے ہو رہا ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں کو آپ جانتا

ہے۔ جو بہتر سمجھتا ہے کرتا ہے کسی کو اس کے کاموں میں دخل نہیں۔ سب اُس کی عاجز و بے بس مخلوق ہیں۔ اُس یکتا مالک و حاکم پر اس وحدہٗ لاشریک خدا پر ایمان لاؤ۔ اچھی باتیں سیکھو۔ اچھا عمل کرو۔ صرف اچھا عمل نجات دینے والا ہے۔ وہ تمہاری نیکوکاری اور راست بازی ہی سے خوش ہو سکتا ہے۔ وہاں سفارش کوئی چیز نہیں کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تمہیں صرف اچھا کام بخشش کا اُمیدوار کر سکتا ہے۔ بھلا یہ پتھر کے ٹکڑے یا من مانی ہستیاں اس کے عذاب و عقاب سے کیا بچا سکتی ہیں۔ اس کے جبروت و جلال کے سامنے کوئی لب نہیں ہلا سکتا۔ اس لئے اس کے گھر کو بتوں سے صاف کر کے صرف اس پر ایمان لاؤ۔ ماسوا کو دلوں سے نکال دو۔ اسی کے ہو رہو وہی تمہارا رب ہے عالموں کا رب ہے موجودات کا رب ہے۔

عمل پر خاص طور سے زور دے کر کہا کہ اعمال کی اچھائی برائی کا بدلہ ہے۔ خدا کے نزدیک وہی محترم ہے جو تم میں نیکوکار ہے۔ وہاں دولت و حشمت ساز و سامان جائداد و جاگیر مقبول نہیں صرف تمہاری نیت کی سلامتی اور معاملات کی صلاحیت مقبول ہے۔ یاد رکھو اس بات کو ہرگز نہ بھولو کہ ایک دن دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس وقت سے ڈرو قیامت کا یقین رکھو۔ اس دن اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ بدلہ اسی صورت میں ہے کہ نیکوکاروں کو جنت میں بھیجا جائے گا اور بدکاروں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اسلئے جذبات و خیالات پر قابو رکھو تاکہ عمل میں بہتری پیدا ہو اور تم خدا کے نزدیک مقبولیت حاصل کر سکو۔ وہ رحمان و رحیم ہے اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ درگذر اور معافی رکھتا ہے۔ لیکن مت بھولو کہ وہ جبار و قہار بھی ہے بداعمالوں کو پکڑ لیتا ہے اور عذاب و عقاب کا بدلہ دیتا ہے۔

اے لوگو! شرک شیطان کا کام ہے کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ وہ بنی آدم کا دشمن ہے اس سے نفرت کرو اور برے عمل کی ترغیب سے پرہیز کر کے اپنا نیت کا بلند درجہ حاصل کرو۔ یہ آلودگیاں جن کو مذہب کا نام پر ایمان سمجھ کر ان دیکھے ہو سراسر شرک ہیں۔ خدا ایسی تمام آلائشوں سے منزہ ہے۔ وہ کھلے چھپے سے واقف عالم الغیب اور تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

اسے دور مت سمجھو۔ ہر کام اسی کے لئے کرو۔ اُسی کے لئے جیو۔ اُسی کے لئے مرو۔ یہ گمراہیاں چھوڑ کر اچھے کاموں کو زندگی کا شعار بناؤ۔ ماسوا کو پوجنے کے لئے غدد مت تراشو۔ رسول پیغمبر نبی ولی سب اس کے ادنیٰ غلام ہیں۔ ان کے پوجنے سے وہ خوش نہیں ہوتا۔ اپنی خدائی میں شریک نہیں چاہتا۔ آپ نے خدا کا صحیح مفہوم سمجھانے کے بعد اعمالِ حسنہ کا ایک مکمل خاکہ ان کے سامنے رکھا۔ سچائی اور نیک نیتی کو تمام افعال و اعمال کا خمیر بنایا۔ شرک نے ہر ایک مذہب کی جڑیں کاٹ کر انسان کو خدا سے غافل کیا تھا۔ سخت تاکیدیں کرنے کے بعد اس سے احتراز کا حکم دیا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ تمام گناہ بخشدئے جائیں گے تمہارا شرک نہیں بخشا جائے گا۔ مجھے بھی میری حد سے نہ بڑھانا۔ میں بھی تمہاری طرح اس کا ایک بندہ ہوں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ تمہیں اس کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔ مجھے اوروں کی طرح بڑھا کر پوجا پاٹ نہ کرنا۔

یہ تھا وہ آخری پیغام جس کی رسولِ عربی نے تبلیغ شروع کی۔ یہ تھی دین و مذہب کی وہ آخری حجت جس کو شرک کے خس و خاشاک سے پاک کر کے آبِ زلال بنا کر دوآتشہ وسہ آتشہ کر کے قوم کے سامنے پیش کیا اور اس کا نام اسلام رکھا۔ اسلام!! وہ اسلام جو خالص خدا کا مذہب ہے۔ انسان پرستی سے اسے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام! جس میں خدا کا تصور اور اچھے عمل کا پیغام ہے۔ اسلام! جس کی حقیقی خوبی کو دوسرے ادیان نہیں پہنچ سکتے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اسلام! جو انسان کے لئے سراسر اخلاق و اعمال کا مجموعہ ہے۔ اس آزاد زمانے میں بھی ملت اسلامیہ کی جان اور امتِ محمدیہ کا ایمان ہے۔ یہی ہے اس ہدایت کی آواز کا خلاصہ جو کوہِ قبیس پہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے بلند ہوئی تھی اور لاسلکی رو میں آہستہ ہو کر دنیا میں پھیل گئی تھی۔

یہ پیغام جس کو قوم کا یہی حال ہوا جو ہر نئی ہدایت پہ ہر ایک قوم کا ہوتا چلا آیا تھا۔ غیرت شرک نے جوش مارا۔ قریش یکبارگی زبانِ طعن کے لئے کھڑے ہو گئے۔ باطل پرستی کی ہٹ اپنا

کام کرنے لگی۔ روشنی کے منافذ کو ہاتھ رکھ رکھ کر دبانے لگے۔ الزام لگائے گئے، آزار پہنچائے۔ ایسی
جسمانی و روحانی تکلیفیں دیں کہ ان کے سامنے تمام انبیاء کی تکلیفیں ہلکی ہو گئیں۔ کھلی نشانیوں کو
جھٹلانے کے لئے شاعر و ساحر کہا۔ اور وقت کا کوئی لمحہ مخالفت سے خالی نہ چھوڑا۔ لیکن جب کہ
صبر و شکیب رسول نے مخالفت فتنہ انگیزی اور اس ایذا و اذیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیغام
دہرا دہرا کر دشمنانِ صداقت کے دلوں کو موہ لیا۔ آخر کار یاد یار کے ارشاد و ہدایت سے شانِ
احدیت کو دماغوں میں اتار دیا۔ اکثر ایمان لے آئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر دوسروں کو سمجھانے
لگے۔ لیکن ابولہب اور ابوجہل کے ساتھ اُمیہ کے بیٹے ابوسفیان نے مخالفت میں سخت تیز
قدمی شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ محمد صلعم کو کامیابی حاصل ہو گئی تو ہماری شخصیت بنی ہاشم کے
عروج کے نیچے دب کر رہ جائے گی۔ آئندہ بھی ان کے مقابلے میں ابھرنے کا کوئی موقع نہ رہے گا۔
بتوں کی یا پرانے مذہب کی طرفداری کا خیال اتنا نہ تھا جتنی یہ خلش کام کر رہی تھی۔ اب آپ کو
اتنا ستایا گیا کہ خطرات عیاں ہو گئے۔ سازش کا جال وسیع کر دیا گیا۔ جان لینے کی ٹھان لی گئی۔
پیروؤں کو بھی سخت اذیتیں پہنچنے لگیں۔ آپ نے جب مکے کی فضا کو اتنا مکدر دیکھا ٹھیرنے کی کوئی
صورت نہ رہی تو آخر دس سال کی تبلیغ کے بعد گھر بار عزیز و اقارب اور وطن مالوف کو خیرباد کہہ
کر اللہ کے دین کی تبلیغ کے لئے دوسرا مقام منتخب کر لیا اور مدینے تشریف لے آئے۔ کچھ عرصے
بعد ایمان لانے والے بھی دکھ درد جھیلتے ہوئے پہنچ گئے۔ یہ دوسری ہجرت تھی مسلمانوں کی۔
پہلے آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کو مکے کے مصائب سے بچانے کے لئے حبشہ بھیجا تھا۔ جس کی
سرداری حضرت جعفر طیار کے سپرد کی تھی۔ مہاجر کی اصطلاح یہاں سے شروع ہوئی۔ مدینے
والوں نے نصرت و امداد کا حق ادا کر کے انصار کا لقب پایا جو کچھ میسر تھا سامنے رکھ دیا اور
مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ دین خدا کی اعانت اور جان و مال قربانیاں دینے
مسلمانوں کی دستگیری کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن سابقہ عرب جیسی قوم سے تھا انہوں
نے مدینے میں بھی دین خدا کی تبلیغ کے لئے مہلت نہ دی۔ چھیڑ چھاڑ کر کے حملے شروع کر دیا۔

مٹھی بھر بے سروسامان ایمانداروں خدائے واحد کے پرستاروں نے جمعیت اور سازوسامان والے دشمنوں کو ایسی ٹکریں دیں کہ ہیں یول گئے۔ قربانی کی وہ مثالیں پیش کیں کہ دنیا اس وقت تک ایسی مثالوں سے قاصر تھی۔ خدا کے نام پر گاجر مولی کی طرح کٹتے جاتے تھے۔ دشمنوں کی اس طرح صفیں الٹتے تھے کہ دوبارہ قدم جمانے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ ایک ایک نے لشکروں کے کام کئے۔ مرجانا سہل ترین کام ہوگیا۔ خدا کے فدائی سننے کے بعد پھر جان کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔ اس جانبازی کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں نے اہل عرب کے عزم و ارادے کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جب کفارِ مکہ نے دیکھ لیا کہ الجھنا آسان کام نہیں بار بار شکستیں کھا چکے تو مجبور ہو کر مکے کے گھروں میں خائب خاسر ہو کر بیٹھ رہے۔ آخر رسول کے لئے وہ دن آیا کہ آپ مکے پہنچے۔ کعبے کو بتوں کی نجاست سے پاک کر کے دشمنوں کو انتہائی دلجوئی کے ساتھ ایمان کی تلقین کی۔ اور معافی و درگذر کی ایسی مثال پیش کی کہ اس مجسمۂ اخلاق رسول کے ہی شایانِ شان تھی۔

ادھر سے اطمینان ہوا تو آپ نے قریب و دور کے قبائل میں تبلیغ کی سرگرمی شروع کی۔ اب شرک کا اباؤ انکار سامنے نہ تھا اور تھا تو توحید کی کامیابی کے سامنے کمزور پڑ چکا تھا۔

ابوسفیان کی کم و بیش بیس لڑائیوں نے اپنی خاذلانہ شکستوں کے ساتھ اہل عرب کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ آفتاب توحید کے سامنے لات و ہبل کی شپرہ چشم نگاہیں تک نہیں سکتیں۔ اسلام کی روشنی پھیل کر رہے گی اور اسماعیلی رسول کے عزم راسخ کے سامنے ان کی مذبوحی حرکات بیکار ہیں۔ وہ رسول جو یہ کہہ چکا ہے کہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے۔ تو بھی میں تبلیغ رسالت سے باز نہ رہوں گا۔ طبیعتوں نے سچائی کو بھانپ کر اور سچے دین کی حقانیت سے مرعوب ہو کر دل و دماغ حوالے کرنے شروع کر دیئے۔ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا مژدہ پہنچ گیا۔ آبادیاں پر آبادیاں اور قبیلوں پر قبیلے لبیک کہتے ہوئے بڑھتے۔ اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر دین خدا

کے فدائی بننے لگے ۔ وہی رسول جس کی آواز کو قوم نے جھٹلایا تھا ۔ سر توڑ مخالفت کی تھی اپنے پیغام کی تبلیغ میں کامیاب ہوا ۔ قوم کو ہی نہیں بلکہ تمام عرب کو اس دین متین کا پیرو دیکھ لیا جس کے بعد کوئی دین آنے والا نہ تھا ۔ اللہ اکبر کی آواز عرب کے ریگستان سے بلند ہو کر فضا میں گونجنے لگی ۔ ضدی مشرکین توحید کے جام سے سرشار ہو کر مسجدِ ابراہیمی کے پروانے بن گئے ۔ بدوؤں تک کے سینے میں توحید الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی ۔ وہ جن کے پاس کوئی قانون قاعدہ نہ تھا ۔ خدا کے قانون کے آگے سر جھکا کر بیٹھ گئے ۔ اور آگے چل کر سعی تبلیغ کو ایسا گرم کیا کہ خدا کا پیغام کونوں کھدروں تک پہنچا دیا ۔

کج فہم مخالف کہتے رہتے ہیں ۔ کہ رسولِ عربیؐ تلوار نہ سنبھالتے تو کامیابی نہ ہوتی ۔ دین کی تبلیغ صلح و آشتی ہی سے ہونی چاہیئے ۔ مذہب میں لڑائی جھگڑے کی گنجائش نہیں ۔ اتنے کشت و خون کے بعد سر جھکا بھی دئیے ۔ تو کیا ہوا اس طرح تو ہر ایک آدمی اپنے خیالات کے پیرو بنا سکتا ہے ۔ رسول اور میدانِ جنگ گرم کرے ۔ فوجوں کو لڑائے ؟ جنگ اور مذہب ؟ توبہ توبہ ! اسلام سختی کا حکم دیتا ہے ۔ لڑائی کی ترغیب کرتا ہے ! صرف ایک خدا کی پوجا ؟ بزرگانِ دین کی پرستش سے انکار ؟ ان کی شرکت سے امتناع جو بنانے والے تھے ؟ جو چلانے والے تھے ؟ خدا کا کام تو صرف بھیجنا تھا ۔ ان کی محنت کا صلہ ہونا چاہیئے ۔ اسلام میں چار بیویوں کی اجازت ؟ بیوہ کا نکاح ؟ عورت دوسرے گھر کی مالک ہو جاتی ہے ۔ اس کا باپ کی میراث میں حصہ ؟ مذہب اور قانون کی بندشیں ؟ شریعت کا نفاذ ؟ دنیا کے معاملات میں دخل ؟ یہاں کی تگا فضیحتی میں شرکت ؟ توبہ توبہ ! یہ کیا مذہب ہے ؟ کچھ مذہب وذہب نہیں ۔ دنیاداری ہی کی ترغیب ہے ۔ روحانیت کا شائبہ بھی نہیں ۔ جو مذہب کی اصل غایت ہے ۔ یہ معترضین گرفتیں کر کر کے چھوڑتے ہیں ۔ کہ بس ہم نے اسلام کو ہلکا کر کے دکھایا ۔ اب اسکی خوبیاں کوئی نہیں دیکھ سکے گا ۔ لوگ ہمارے ہی جنجال پر جھکیں گے ۔

بے توفیق معترضین اگر مذہب کے مقصد و مفہوم کو سمجھ جائیں ۔ یہ دیکھ لیں ۔ کہ مذہب اسی پاپ سے بھری ہوئی دنیا کیلئے آتا ہے ۔ فرشتوں پر نہیں اتارا جاتا ۔ اسی بدنیت بدمعاملہ نفع پرست لذت گیر انسان کو صحیح راستے پر چلانے کیلئے ہے ۔ عالمِ روحانیت کے واسطے نہیں ، تو اسلام کی خوبیاں ان کے سامنے عیاں ہو جائیں ۔ ان مذاہب پر گہری نظر ڈالیں ۔ جو جذباتی فطرت کو کچلتے ہیں ۔ ان کی صحیح روش نہیں نکالتے ۔ وہ انسان کو اصل میں دنیا میں رہنے کے

قابل نہیں چھوڑتے۔ اب شروع سے نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ کہ اسلام نے کیا کیا احسان کئے۔ پہلے خدا کو ہی لیجئے جس پر ایمان کی بنیاد ہے۔ اس بارے میں جو مختلف نظریئے چل رہے تھے۔ اسلام نے آکر ان کو ایک ہی قول فیصل میں نمٹا دیا۔ یعنی وہ ایک ہے۔ کیسا؟ مالک کل و جز۔ قادرِ مطلق۔ وحدہٗ لاشریک۔ خدائی کا مالک۔ اسکے سوا کسی کی پرستش نہیں۔ بزرگی بھی بے حقیقت ہے۔ وہ بھی اس کے عاجز اور محتاج بندے ہیں۔ صرف خدا کے لئے موت زندگی ہے۔ کیا لاکھوں دیوی دیوتاؤں اور ہزاروں ذہنی جنجالوں میں یہ فیصلہ اس قابل نہ تھا۔ کہ تمام سفوات سے انکار کر کے دیتا۔ اس پر پھر کا دی نہ تین اجزاء سے مرکب خدا رہتا۔ نہ اس کا خاندان اور بیٹے بیٹیاں رہتیں۔ نہ انسانی ڈھانچ میں آنیوالے بھگوان بدلتے۔ نہ اتنی مختلف راہیں رہتیں۔ ایک خدا ہوتا۔ اور مخلوق اس راستے پر گامزن ہو کر اختلافات مٹا دیتی۔ اگر ہٹ دھرم خود پرست انسان نے اس احسان کو غور سے نہ دیکھا۔ اور اس کے خوبصورت اختصار پر گردن نہ رکھی تو اسلام پر کیا ذمہ داری ہے۔

اب اصول و ضوابط کو لے لیجئے۔ اس لحاظ سے بھی وہ بہترین مجموعہ ہے۔ اور مذاہب خیالی تسلی سے زیادہ نہیں اور اس میں پچھلے اگلے سارے اخلاق جمع ہیں۔ زندگی کی ضرورتیں ملتی ہیں۔ جو باتیں مذہب کے نام پر ترقی کہلانے کی مستحق تھیں۔ وہ سب اکٹھی ہیں۔ وہ حقیقت میں مذہبی روشن خیالی ہے۔ بیشک تبلیغ دین نرمی اور خلق و کرم ہونی چاہیئے۔ کوئی سنے یا نہ سنے۔ مہربانی کے ساتھ کہنے والا کہتا رہے۔ لوگوں کی نفرت و حقارت کی پروا نہ کرے۔ فرض کی ادائیگی میں صبر و سکون سے تکلیفیں جھیلتا رہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ جب مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہو۔ دشمن ہر طرف سے نرغے میں لے کر مٹانے کی سر توڑ کوشش شروع کر دیں۔ اور پھر یہ کہ اس کی تعلیم بھی بزدلی پھیلانے والی نہ ہو۔ بلکہ جذبہ و روح پیدا کرنے والی ہو۔ جس میں خیالی پہلوؤں کے بجائے عمل کی ہی تلقین ہو۔ تو بے خبر لوگوں کے سامنے گردن رکھ کر دین کو ناکامی کے حوالے کرنا۔ اور یونہی نا اہل جاہلوں کے ہاتھوں مٹ جانا کسی ہوشمند کا کام نہیں۔ مکر و فریب کی تبلیغ سے سختی کی تبلیغ کہیں بہتر ہے۔ برملا طور پر اعلان کلمۃ اللہ کر دینا دھوکے اور چال کے پردوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آنحضرت نے نہایت لطف و کرم سے تبلیغ شروع کی۔ دس سال وہ دکھ جھیلے کہ الامان والحفیظ۔ یہاں تک کہ جب کوڑا کرکٹ پتھر اور اوجھڑیاں آپ پر پھینکی گئیں۔ تو بھی کہتے رہے کہ خدایا! میری قوم کو معاف کر دے۔ یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ پھر جب کسی صورت بھی مخالفوں نے درگذر

نہ کی۔ تو وہی کیا۔ جو ایسے موقع پر کرنا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ وہ آخری حجت لے کر آئے تھے۔ تمام ضرورتوں کو مذہب میں ممزوج کر کے دکھانا تھا۔ مثال پیش کی، کہ انسانو! جب مضرتیں رہیں۔ مارنے والا کسی لمبی جست پر ہاتھ نہ روکے۔ دین خدا کو مٹانے کی ٹھان لے۔ تمہاری جان مال عزت آبرو اور گھر بار پر قابض ہونا چاہے۔ تو بہترین اخلاق یہ ہے۔ کہ اس کے سامنے لوہے کی دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اس طرح روکو۔ اس طریقے پر دشمن کا دندیہ کرد ہو کر بڑھے ہوئے ارادے لپیٹ ہو جائیں۔ اور دین کے ساتھ اور چیزیں بھی اُس کی دست برد سے بچ جائیں۔ چار بیویوں کی اجازت بدچلنی کا علاج تھا۔ تاکہ انسان کی بڑھی چڑھی لوالہوسی کی روک تھام ہو جائے۔ چار میں اُلجھ کر پھر دوسرے گھروں پر چھاپہ نہ مارے۔ وہ ایک کے قائل ہیں۔ ہر موڑ پر نئی سنبھال لیتے ہیں۔ اور اس عیب کو ہنر سمجھتے ہیں اسلام نے نیک چلنی پر سخت زور دیا۔ نامحرم پر آنکھ اُٹھانا بھی حرام کر دیا۔ مسلمان کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی قرار دی۔ کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتا ہے۔ نگاہ جھکا لیتا ہے۔ شرمگاہوں کی حفاظت کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ تم عدل نہ کر سکو گے۔ ایک پر اکتفا کرو۔ اور اگر جذبات بالکل بے قابو ہو جائیں۔ تو چار تک کر سکتے ہو۔ اغیار اس اجازت کو حکم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونک کر مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ اپنی بدچلنیوں پر نگاہ نہیں کرتے۔

نکاحِ ثانی طلاق اور میراث پر کچھ کہنا بیکار ہے۔ ان چیزوں پر آج اسمبلیوں میں بل پیش ہو رہے ہیں۔ جو ان چیزوں سے بالکل بے خبر تھے۔ یا وہ جو اعتراضوں کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ خود تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ اسلام نے تیرہ سو سال پہلے کن اصول کو رواج دیا تھا۔ ہاں مذہب کے نام پر جو آزادی بخشی کی جاتی تھی۔ وہ پیش کر دی تھی۔ دنیا اندھی تھی۔ دیکھ نہ سکی۔ اپنے تاریک تار پود میں لپٹی ہوئی تھی۔ اسکی خوبیوں کو نہ پہونچ سکی۔ اُن لوگوں پر حیرانی ہوتی ہے۔ جو مذہب کو صرف میٹھی باتوں میں محدود کرتے ہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ انسان کو قانون قاعدے کی سخت ضرورت ہے۔ چند اخلاقی چکنی باتوں سے اس کی بدنیتی نہیں رک سکتی۔ اگر وہ مذہب کے نام پر جاری کر دئیے جائیں۔ تو کیا برائی ہے۔ خدا کا خوف درمیان میں رہ کر ان پر زیادہ عمل کرا سکتا ہے۔ اس لئے شریعت ضروری ہے۔ مذہب دنیا ہی کے معاملے کو چلانے کیلئے ہونا چاہیئے۔ عالم بالا کی مخلوق کو نہ اصول اخلاقی کی ضرورت ہے۔ نہ قانون قاعدے کی۔ اسلام نے وہ اخلاق پیش کئے ہیں۔ جو انسان کو انسان بھی

بنا سکتے ہیں۔ اور نظامِ معیشت کو بھی درست رکھ سکتے ہیں۔

جب دشمنانِ دینِ خدا ناکامیوں پر ناکامیاں اٹھا کر تھک تھکا کر بیٹھ رہے۔ تو اب آپ کو قدرے اطمینان کے ساتھ تبلیغ کا موقعہ ملا۔ گو اس وقت بھی مخالف سازباز سے غافل نہ رہ کر یہودیوں اور عیسائیوں کو بھڑکاتے رہے اور یہودی۔ جو ہر اصلاحی تحریک کے دشمن رہے ہیں۔ بدعہدیاں کر کے خود بھی پریشان اور تباہ ہوتے رہے۔ اور مسلمانوں کو بھی پورا سکون حاصل نہ ہونے دیا۔ تاہم جتنا بھی وقت تھا۔ اس کو رسول نے پیغام کی تشریح پر لگا دیا۔ مسائل و احکام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال ڈال کر وضاحت کی۔ قرآن کے اوامر و نواہی پر زور دے دے کر عمل کی تاکیدیں کیں۔ خدا اور خوفِ خدا کو دلوں میں جاگزیں کیا۔ ہر حکم پر خود عمل کر کے دکھایا۔ جو کچھ فرمایا برملا فرمایا۔ تبلیغ کھلی تبلیغ تھی۔ کوئی بات شروع سے آخر تک راز بنا کر پردوں میں نہیں لپیٹی۔ اس لئے کہ ذات کی پرستش مقصود نہ تھی۔ ذاتی فوقیت کا ذکر تک نہ تھا۔ صرف ذاتِ احدیت مقصود تھی۔ جو کچھ کیا۔ اسی کیلئے کیا اس وقت بھی کوئی یار و مددگار تائید کرنے والا اہم خیال نہ تھا۔ اور اس وقت بھی جب یہودی عیسائی اور منافق قدم قدم پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ سوئی کا بیلچہ اور رائی کا پہاڑ بناتے تھے۔ طرح طرح کے الزام گھڑتے تھے۔ اور پھر جب اللہ والے مسلمانوں پر ان کی گرفتوں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ تو دانت پیستے تھے۔ کفِ افسوس ملتے تھے۔

آپ نے آخری پیغام کی تشریح و تفصیل میں سارا وقت صرف کر دیا۔ تمام امور کو عدل و انصاف پر ٹھہرایا۔ اس طرح کہ یہودی اور عیسائی بھی اپنے جھگڑے آپ سے فیصل کرانے لگے۔ دیانتداری کا یہ عالم تھا۔ کہ آخری وقت بیماری کی حالت میں مسجد میں تشریف لائے۔ لوگوں کو امانت و دیانت کی تاکیدیں کیں۔ اور پھر فرمایا۔ کہ اگر مجھ پر کسی کا دین ہو۔ یا کبھی کوئی زیادتی ہو گئی ہو۔ تو اس وقت بدلہ لے لے۔ قرض کی وصولی کر لے۔ ایک بدو کھڑا ہو گیا۔ کہا کہ اے اللہ کے رسول! ایک مرتبہ سفر میں میں آپ کے ہمرکاب تھا۔ اونٹ کو تیز کرنے کیلئے آپ نے کوڑا اٹھا کر مارا۔ جو میری پیٹھ پر لگا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا۔ کہ اس کو کوڑا دے دیا جائے۔ تاکہ اپنا قصاص میری زندگی میں مجھ سے لے لے۔ قیامت میں دین دار نہ رہوں۔ چاروں طرف سے ایک ہمہمہ بلند ہوا۔ اصحاب میں سے بعض رونے لگے۔ اور ساتھ ہی وہ بدو بھی "میری جان آپ پر فدا ہو" کہتا ہوا قدموں پر گر پڑا

لگا۔ یہ ہے وہ رسول جس نے دین اور دنیا کو مخلوط کر کے معاملات کی اصلاح کو فرضِ دین قرار دیا۔ رات دن گذرنے والے حالات کی جن میں بدنیتی ضروری آجاتی ہے۔ اس طرح اصلاح کر دی۔ کہ اب شوشے کی گنجائش نہیں۔

ادیان میں تبلیغ کا طریقہ مختلف رہا ہے۔ لیکن اسلام کا طرزِ تبلیغ بھی نہایت سادہ اور مبنی بر صداقت تھا۔ وہی اصحاب و انصار جو مشرکین سے جہاد کر کے واپس آتے تھے۔ آپ اُن میں سے زیادہ واقفوں کو انتخاب کر کے قبیلوں کے وفود کے ساتھ کر دیتے تھے۔ وہ جا کر اسلام کی ضروری باتیں سکھاتے تھے۔ بس یہ کہ خدا ایک ہے۔ کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کی تلقین کرتے تھے۔ بتاتے تھے۔ کہ دختر کشی بہت بری بات ہے۔ قیامت میں پکڑے جاؤ گے۔ چوری زنا مکر و فریب نہ کرو، سچائی اسلام کا شعار ہے۔ اسے اختیار کر لو۔ ہر ایک بُرے کام سے بچو۔ ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ مبلغ قبیلے میں پہونچے۔ مخالف پارٹی تلواریں سونت کر لوٹ پڑی۔ اور سب کو قتل کر دیا۔ لیکن کوئی ایک مثال ایسی نہیں۔ کہ چمکتی ہوئی تلواریں دیکھ کر کسی نے جان بچانے کی غرض سے اپنے معتقدات سے انکار کیا ہو۔ خوشی سے کٹ مر کر ختم ہو جاتے تھے۔ یہ اس لئے۔ کہ ہر ایک کام بنیاد اعلاءِ کلمۃ الحق اور سچائی و صداقت پر تھی۔ اپنے خیال کو مکر و فریب کے پردوں میں لپیٹ لیسا۔ یا چوٹے پینے سے لاٹھی کے نشان اور آنکھوں کے کنایوں اشاروں سے لوگوں کو پھنسانا کیا معنی؟ دور دراز گوشوں مکانوں کے ویرانوں دیواروں کی اوٹوں سے جال پھیلانا اسلام کی صداقت سے بعید تھا۔ جو اسلام کے دشمنوں اور ایک آدھ دین کے مبلغوں میں رہا ہے۔

رہبرِ عالم نے دینِ الٰہی کے جزو و کل احکام کو انسانوں تک پہنچا کر آخری حج کے دنوں میں "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی سند حاصل کر لی۔ اور اس سے کچھ دنوں بعد اپنے فرائض کو باحسن وجوہ ادا کر کے اس رفتنی گذشتنی دنیا سے عالم لقا کی طرف رحلت فرمائی۔ مسلمانوں پر اس حادثہ جاں کاہ سے بجلی سی گری۔ لیکن اپنے فرائض کا احساس کر کے ضبط سے کام لیا۔ اور صبر شکر کر کے تعلیم الٰہی کو سینے سے لگا لیا۔ یہی حضرت کی امانت تھی۔ یہی آپ کی بہترین یادگار تھی۔ بیشک آپ اس ناشناس دنیا سے چلے گئے۔ لیکن اپنے بعد ایسی جماعت چھوڑی۔ جو خدائی تعلیم سے صحیح معنی میں انسان بن چکی تھی۔ اسلام کی خوبیوں کو سمجھنے والی، وحدت سے

سرشار غیر اللہ سے بیزار جن کے سامنے اسلام کے مقابلے میں دنیا کی ہر ایک نعمت پھیکی پڑ چکی تھی جنکے نزدیک اتقا عمل اور اخلاق فاضلہ حاصل زندگی تھے۔ جن کی نگاہوں میں دنیاوی شان وشوکت اور بلند ایوانوں کا خوف ہیچ ہو چکا تھا۔ حق گوئی سادہ روی اور نیکوکاری بزرگوں میں سرایت کر چکی تھی۔ وہ عرب وتشتت وافتراق کی حد سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ اتحاد واتفاق کی زنجیر میں بندھ کر ایک جان دو قالب ہو گئے۔ رسول نے جس اخوت کو رگوں میں اتارا تھا۔ اس نعمت کو ہر ذاتی فائدے سے افضل سمجھنے والے دین کے مفاد کو زندگی کا لازمہ بنا بیٹھے۔ ہر ایک آرزو اور ہر ایک کوشش خدا کے لئے وقف ہو گئی۔ ایسے مسلمان ہوئے کہ خدا پرستی کے سوا پھر کبھی مادی چیزوں کی پوجا پر نہ جھکے۔ اب بھی زبانوں پر اللّٰہ کو لیڈ سے سوا کچھ نہیں۔ اس آخری دور میں بھی جب فطرت نے پرستش کی سینکڑوں راہیں نکال لیں۔ تو اُسی خطے کے ایک انسان نے اسلام کو زوائدات سے پاک کر کے صحیح دین کی تصویر کھینچی۔

دل زمزمۂ توحید سے لبریز ہو چکے تھے۔ روشن تعلیم نے دماغوں میں روشنی پیدا کر دی تھی۔ دنیا کو وہ پیغام سنانا تھا۔ جو اس نے کبھی نہ سنا تھا۔ آخری ہدایت کی نعمت کو سینوں سے لگا کر ملک سے باہر قدم رکھا۔ اسباب رومیوں نے چھیڑ چھاڑ کر کے پہلے ہی مہیا کر دئے تھے۔ پہلی ٹکر ان سے ہی ہوئی۔ دوسری طرف ایران کے کسریٰ انہیں آلۂ کار بناتے رہے تھے۔ موجودہ وقت میں بھی عراق وغیرہ پر قابض تھے۔ چپقلش کا سلسلہ نکل آیا۔ وہ قوم جو نااتفاقی کی وجہ سے دبی ہوئی ٹھوکریں سہہ رہی تھی۔ آزادی اور آزاد روی کی زندہ تصویر سے دیکھنے لگی۔ بڑھی آگے قدم رکھے۔ اور بہکی ہوئی قوموں کو صحیح راستہ دکھلانے لگی۔ اُس ایلچی کی آواز اب بھی لہروں میں گھوم رہی ہوگی جس نے کسرائے ایران یزدجرد کے حقارت آمیز فقروں کے جواب میں وعظ کہا تھا۔ کہ اے بادشاہ! ہم ایسے ہی تھے۔ جیسا تو کہہ رہا ہے۔ اونٹ کا دودھ پیتے تھے۔ سوسمار کھاتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دبا دیتے تھے۔ جاہل تھے گمراہ تھے۔ لیکن خدا نے ہمارے حال پر رحم کیا۔ ایک رسول ہماری ہدایت کیلئے بھیجا۔ جس نے ہمیں صحیح راستہ بتایا۔ اخلاق سکھائے۔ اور انسان بنا دیا۔

الغرض خاتم النبیین نے عربوں کو اسلام کے نام پر جو اصول وضوابط ارکان واخلاق عادات واطوار فضائل وآداب اور قانون قاعدے سکھائے تھے۔ ان سے کام لیکر انہوں نے دنیا کو سچائی کا سبق پڑھایا۔ ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی

جہاں گئے بے خبر انسانوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ مروت خلوص حسن سلوک اخوت و رفاقت رحم و انصاف اور نیک نیتی پر سوسائیٹی کی بنیاد رکھ دی۔ جاوا سماٹرا فلپائن اور مشرق بعید کے کناروں تک توحید کی آواز بلند کر دی جہاں صرف تجارت کے سلسلے میں پہونچے۔ وہاں بھی قوموں کو بدل دیا۔ ایشیا کو جمہوریت سے آگاہ کیا۔ جو اسکے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ عربوں ہی کی فطری آزادی نے اس براعظم میں پہلی مرتبہ سچی اور مساوی جمہوریت کو جاری کیا تھا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس بادشاہ پرست خطے میں وہ زیادہ دنوں نہ چل سکی۔ ابوسفیان کے بیٹے معاویہ کی چالاکیوں سے ختم ہو گئی اب بعد میں یورپ کے ذریعہ دوبارہ یہاں پہنچی ہے۔ تو نئی چیز بنکر مقبول ہوئی ہے اسلام کی برکتوں سے انکار کرنا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ چاہے قوموں نے کتنے ہی تعصب سے کام لیا ہو۔ دین متین میں اپنی تنگ نظری سے کتنی ہی کمزوریاں نکالی ہوں۔ اثر اور گرفت سے بھاگ نہ سکیں۔ ہر دشمن اصول سے خوشہ چینی کرنی ہی پڑی۔ وہ اصلاحی باتیں اختیار کرنے پر مجبور ہوئیں جو اتنی مدت پہلے پیش کی گئی تھیں

ہندوستان سے عربوں کا تعلق کوئی نیا نہ تھا۔ قدیم زمانے سے تجارت کے مشغلے میں ہندوستان جاوا سماٹرا لنکا سے لیکر چین کے آخری حصوں تک معمولی طریقے پر جہازرانی کرتے آئے تھے۔ اسلام کی روح اور تبلیغ کے جذبے نے جہاں روم و ایران کو بدلا شمالی افریقہ کی کایا پلٹی۔ وہاں سفر وسیلۂ ظفر نے دوڑ دھوپ اور ذرائع و وسائل کو وسیع تر کر دیا۔ خشکی و تری کے مالک بنگئے۔ تو انکو معلوم ہو گیا کہ مذہب صرف یہی نہیں ہے۔ کہ خانقاہوں درگیھاؤں میں ریاضت و نفس کشی کی محنت پر لگ گئے۔ وہ دنیا میں اولوالعزمی اور دوڑ دھوپ بھی سکھا سکتا ہے۔ اس قوم نے وسائل آمد و رفت کو آسان کر کے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دئے۔ امانت الٰہی کی تکمیل کو سینوں میں دبا کر اٹلی اور فرانس کے بازاروں میں پہونچ گئے۔ ہسپانیہ کو رشک گلستاں بنا کر یورپ کے سوئے ہوئے دل و دماغ کو بیدار کیا۔ دنیا میں دوڑنے کی راہیں سجھائیں۔ تجارتی اور جنگی دونوں طرح کے بحری بیڑے تیار کئے۔ بحر الکاہل تک ساحلوں پر آبادیاں قائم کر لیں۔ اپنے نمایاں اخلاق و عادات کے ساتھ اسلام کو لوگوں کے سامنے کچھ اسطرح پیش کیا۔ کہ بغیر کسی جبر و تشدد کے توحید پرستی کے جرگے میں داخل ہو گئے۔

چین میں پہونچنے کی ایک سبیل یہ بھی ہوئی۔ کہ جب سعد بن وقاص قادسیہ کی جنگ کے بعد انتظام ملک داری میں مصروف تھے تو چین سے قاصد آیا۔ اور کہا کہ خاقان کے چھوٹے بھائی نے تخت کا دعویدار بنکر بغاوت کر رکھی ہے۔ خاقان نے آپ سے مدد مانگی ہے۔ جو جمعیت آپ بھیجیں گے۔ اگر وہاں رہنا چاہینگی۔ تو وہ انکو تمام ملکی حقوق عنایت کرینگے۔ اور ہر طرح کی امداد دینگے۔ سپہ سالار اسلام نے پانچ ہزار عرب بھیجدئے۔ جو خاقان کو کامیاب کر کے بغاوت کی جڑیں نکالکر وہیں آباد ہو گئے۔ انکی ہی تبلیغ کی برکت ہے۔ کہ آج

چین میں چھ کروڑ مسلمان عزت و وجاہت یکساں موجود ہیں۔ گو اکثریت کے مظالم بھی گاہ گاہے سہتے رہے ہیں۔ پھر بھی ابھی تک اسلام کو سینوں سے لگائے ہوئے خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ مشرق بعید کے جزائر میں چار کروڑ سے زاید مسلمان انہیں عربوں کی سعئی مشکور کی یادگار ہیں۔ جو لا الہ الا ھو کی آواز کو بطحا میں سنکر دوسروں کو سنانے کیلئے قربانیاں دیکر دور دراز خطوں میں پہنچے تھے۔ اور غیر اللہ کے پرستاروں کو خدا کا پرستار بنا گئے تھے۔ زور شمشیر کا الزام لگانیوالے ان جزائر میں مسلمانوں کی کثرت کو دیکھکر شرمندہ ہو جائیں۔ تو بہتر ہے۔

اصل یہ ہے۔ کہ تبلیغی کامیابی بار امانت کی اُس تکمیل پر تھی۔ جو رسول عربی نے اعتقاد اور عقل سے ممزوج کر کے دنیا کے سامنے پیش کی تھی جسکو لوگ بلا تبلیغ بھی سن سُنا کر خود بھی قبول کر لیتے تھے۔ ہرقل کا ایلچی صرف نماز کے طرز کو دیکھکر مسلمان ہو گیا تھا۔ اسطرح گرویدہ ہوا۔ کہ پھر فرائض ایلچی گری سے بیزار ہو گیا۔ اور واپس نہ گیا۔

یہ تکمیل امانت کی مختصر روداد ہے جسکو حضرت اسماعیل کے ایک پوتے نے ایسا کامل کیا۔ کہ بنی اسرائیل اسکا شائبہ بھی نہ کر سکے تھے۔ نہ اپنی سیاسی طاقت میں جبکہ اُنکے بیان کے مطابق چار دانگ عالم میں انکی حکومت تھی۔ نہ اُس وقت جب معذوری و مجبوری میں صلح و آشتی کا پرچار کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے خدائے واحد سے دنیا کو ایسا روشناس کرایا۔ کہ پھر کسی محنت کی ضرورت نہ رہی۔ دین کے تشنہ پہلوؤں کو یوں سیراب کیا۔ کہ ہمیشہ کیلئے تشنگی دور ہو گئی۔ پھر اپنے بعد جو قوم اسکی اشاعت کیلئے پیچھے چھوڑی اس نے کسی قربانی کی پروا نہ کرتے ہوئے معلومہ دنیا میں پہنچا دیا۔ امانت کو امانت ہی سمجھا۔ اسمیں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا۔ نہ توحید میں درخور کی۔ نہ اصول و احکام کی صورت بگاڑی۔ اگر شکل صورت مسخ ہوئی تو وہ باہر والوں سے ہی۔ جو اپنے پرانے جنجال ساتھ لیکر اسمیں داخل ہو گئے تھے۔ اسکے باوجود امانت کے اصلی ڈھانچ میں ایسا تغیر نہ ہوا۔ کہ اہل نظر کو تلاش میں دقت ہو۔ نقش اپنی خوبیوں کے ساتھ اب بھی عیاں ہیں۔ اُسی طرح جیسے فقرے کی تحریف میں اصلی الفاظ باقی رہ جاتے ہیں۔ تکمیل ہی وجہ تھی۔ کہ پھر کوئی آئیو الا اس پر کوئی خوبصورت ملمع نہ چڑھا سکا کسی نے جرأت کر کے کچھ کہا بھی۔ تو ہفوات ہی بکی۔ خرافات بڑھائی۔

تعینات مذاہب کے دُھل گئے دفتر
رسولؐ نے جو کہا لا الہ الا اللہ !

(سیفی)

پانچواں عکس

زندگی اور مذاہب

نہ پوچھ مجھ سے کہ سیفی! یہ زندگی کیا ہے؟
طریقِ کار سے ہے گرمیٔ نظامِ حیات!

یہ دنیا کیا ہے؟ کیوں ہے کہاں سے ہے کس لیے ہے؟ زندگی کا کیا مقصد ہے! موت اور فنا کیوں ہے؟ جینے میں یہ تلخیاں اور صعوبتیں کیوں مضمر کر دی گئی ہیں؟ فلسفہ جب سے انسانی فکر میں شامل ہوا ان سوالات کا کھوج لگاتا رہا لیکن بہت کچھ کہنے پر بھی ابھی تک جواب سے قاصر ہے۔ مذہب نے البتہ اس بارے میں بہت سی تھپکیاں دیں اور یہ کہہ کر تسلی کر دی کہ خدا ہے۔ یہ کارخانہ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ سبب یہ ہوا ہے کہ رازِ مستور نے اپنے آپ کو پہچنوانے کی نیت باندھی۔ پردۂ خمول سے منصۂ شہود پر آنا چاہا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کائنات کر دی۔ انسان کو اس کام کے لیے مخصوص کیا۔ ہوش و حواس عقل و ادراک بخشے۔ اس نے جانچا پرکھا اور اپنے معبود کا پتہ لگا لیا۔ جس صورت میں بھی مانا اسے مانتا رہا۔ سجدہ ریزی کرتا رہا۔ اسے خوش کرنے کی بہت ہی کوشش و حرکت پر نگاہ رکھی۔ خدائی کی مصروفیت میں بھی اعمال و افعال پر کڑی نگرانی کی۔ اس کی ہدایت کا خاص طور پر یہ خیال تھا۔ خود بھی آیا اور برگزیدہ بندے بھی بھیجے۔ اس کا کہا کبھی میں بھیجا ہی گیا اور کائنات کی رونق بھی بڑھ گئی۔ مذہب نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ جس سے انسان کو تسکین مل گئی۔ ورنہ فلسفے کی باریکیوں نے تو اسے اندر سے بےچین کر دیا تھا۔ جو ایمان میں ہلکا پڑ گیا۔

یہ وجوہ جیسی بھی ہوں ہزاروں سال تک تسلی کا باعث رہی ہیں۔ انسان مطمئن ہو کر بیٹھا رہا
دکھ جھیلے، مصیبتیں سہیں، ٹھوکریں کھائیں پھر دل کو سمجھا لیا کہ "جو کچھ ہے اُسی کا ہے ہمارا
کیا ہے" یہ سہارا ایسا تھا کہ گلہ شکوہ واپس لوٹ جاتا تھا منہ سل جاتے تھے۔ ہر وقت
لپیٹے مارنے والی زبان تالو سے چمٹ کر لیٹ رہتی تھی۔ زمین و آسمان کریدنے والا دماغ
گم ہو کر بیٹھ رہتا تھا۔ یہ جو انسان نے ہزاروں سال تک مزید غور و فکر سے کام نہیں لیا۔
ٹوہ نہیں لگائی۔ ایک حد سے آگے قدم نہ مارے اور قدم مارے تو گرمی پیدا نہ کی۔ تفتیش دب دبا کر
رہ گئی شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ اس تسکین کا دباؤ شک و شبہ میں نہ پڑنے دیتا تھا۔ جب شک نہ
تھا تو تلاش کیوں ہوتی۔ جب شکوک پڑنے لگے تو جستجو بھی تیز ہو گئی۔ پھر تو غور و فکر کی بے اعتدالیوں
نے بڑھ کر نہ معلوم کیا کیا کھلایا۔ لیکن ان سوالوں کے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ یہ معمہ
علم و عقل کی موجودہ ترقی میں بھی ویسا ہی لاینحل ہے جیسا آج سے ہزاروں سال پہلے تھا۔
یعنی کیوں ہے کہاں سے ہے کیا مقصد ہے؟

تاہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جب انسان یہاں آ ہی جاتا ہے تو اُسے زندگی گزارنے کے لئے
کوئی اچھی شاہراہ کی ضرورت ہے۔ شتر بے مہار ہو کر جینا ناممکن ہے۔ فلسفے کی راہ پر چلنے
سے ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اگر اچھی راہ کسی مذہب میں مل جائے تو ہم خرما و ہم ثواب ہے
آخر مذاہب بھی اسی لئے آئے ہیں کہ ضرورتمند انسان کو صحیح راستے پر چلائیں۔ دردمندوں نے
یہ دستورالعمل اسی لئے نکالے ہیں۔ کہ ان پر کاربند ہو کر بھٹک جانے والا انسان ٹھیک ڈنڈے
پر چلے۔ فلسفہ عوام اعتدال پر نہیں رکھ سکتا۔ مذہب البتہ ان کی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ عمل
کا پھل ہو یا خدا کا خوف وہ تو چیزوں کے دباؤ سے قدم نہیں بھٹکتے۔ اور بھٹکیں تو پھر اس
پھر سنبھال دیتا ہے۔ کبھی نہ کبھی وقت ہوش آ جاتا ہے۔ فلسفہ حقیقتیں دکھانے اور آزاد
کر دینے کے بعد گم ہو جاتا ہے۔ مذہب کا خاتمہ اس پر کہ کوئی دستور حیات پیش نہیں کرتا۔ مذہب
میں اتنی صلاحیت تو البتہ ہے کہ روزمرہ کا طریق کار بتلا دیتا ہے اور اگر اس میں ذہنی جنجال

بڑھا کر کدورت نہ ملا دی جائے تو بہت دنوں کام دے سکتا ہے۔ افسوس یہی ہے کہ بہت جلد صاف بیٹھے ہیں، ادھر اُدھر سے کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ملا دیتے ہیں اور مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

تماشا کا کھیل دیکھ کر زندگی کو بیکار نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ اس کی انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ دیکھنے میں تو مختصر سی چیز ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے۔ کہیں درخواست نہیں دیتا۔ کسی سے التجا نہیں کرتا کہ مجھے دنیا کے مصیبت کدے میں بھیج دو۔ زہر آلود باغ کی سیر کرا دو۔ بے خواہش مجبوراً آ جاتا ہے۔ ماں باپ سمجھتے ہیں کہ یہ انوکھا کام ہو گیا۔ ہمارے یہاں اولاد آ گئی۔ حالانکہ محض فطرت کی مجبوری ہے جس سے بچ نہیں سکتے۔ یہاں آنے کے بعد کچھ دلچسپیوں میں گھر جاتا ہے جو حقیقت میں مصیبتوں کے اسباب ہیں۔ کچھ تو وہ دلچسپیاں کام کرتی ہیں کچھ فطری بے پروائی ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس طرح انسان پر ایک مستی اور بے پروائی سی طاری ہو جاتی ہے۔ آگ سے کھیلتا ہے زہر سے دل بہلاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جھولے میں جھول رہا ہے۔ نعمتوں سے لذت اندوز ہے۔ ہر چیز رنگین اور ہر سماں دلکش نظر آتا ہے۔ پھر جب قوتیں جواب دینے لگتی ہیں۔ جسم میں اضمحلال رونما ہوتا ہے۔ وہ خیالی دلچسپیاں بدل جاتی ہیں۔ ہر چیز کی اصلیت نظر آنے لگتی ہے تو جتانے کو ڈٹتا ہے کہ دنیا کچھ نہیں چند روزہ ہے۔ اس کی لذتیں اصل میں تلخیاں ہیں۔ انسان فانی ہے۔ وہ باتیں کہاں چلی گئیں۔ میں قبر سے کیوں قریب ہوتا جا رہا ہوں۔ لوگ کیوں بے تعلقی برت رہے ہیں۔ اپنے کیوں اچٹتی ہوئی نگاہیں ڈالتے ہیں۔ کیوں بے پروائی ظاہر کرتے ہیں۔ توبہ توبہ! میں کیسی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اتنا نہیں سمجھتا کہ دنیا جیسی ہے ویسی ہی ہے۔ اس کی باری ختم ہو گئی ہے۔ اب اُس کی پیداوار ٹمٹما رہی ہے۔ یہی سلسلہ ہے۔ یہی نوبت ہے۔ جو پچھلوں سے اس تک پہنچی تھی اور اب اگلوں کے پاس ہے۔

یہ کمزور طبیعتوں کی باتیں ہیں۔ سمجھدار جانتے ہیں کہ جینا ضروری ہے تو اسبابِ زندگی اُس سے بھی زیادہ ضروری ہیں۔ جس مقصد سے بھی پیدا ہونا ہو آدمی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کے

ہی روٹی کا سوال سامنے آجاتا ہے ۔ جب تک دوسروں کے کندھوں پر لدا ہوا ہے سکون ہے سکون ہے بے فکری ہے ۔ جب اپنا بار خود اٹھانا پڑتا ہے تو اسی طرح تلاش اور جستجو کرنی پڑتی ہے جیسے حیوان اور ادنیٰ کیڑے مکوڑے دوڑ دھوپ کر کے پیٹ اُٹھتے ہیں ۔ فطرت آسانی سجھاتی ہے چاہتا ہے کہ بھائی بندوں یا پڑوسیوں کی ڈلیا کھینچ لے ۔ کھیتی کاٹے کھلیان چرالے ۔ کوے کی طرح آنکھ بچا کر ٹکڑا لے بھاگے ۔ لومڑی کی طرح کچھ مکر و فریب سے کھسکا لے ۔ جھوٹ بول کر ابھار لے ۔ لیکن فطری آزادی سے فساد اٹھتا ہے ۔ بگاڑ پیدا ہوتے ہیں ۔ جوتی چلتی ہے ڈنڈا کھڑکتا ہے حالات نازک ہو جاتے ہیں ۔

ایک بڑی فطرت جنسی رجحان ہے جو وقت پر آکر پہلی سے کچھ زیادہ ہی فساد لاتی ہے جب تک یہ میلان پورا نہ ہو بیتابی و بیقراری ٹکنے نہیں دیتی ۔ کھڑکیاں جھانکتا ہے ۔ دروازے توڑتا ہے ۔ دیواریں اکھاڑتا ہے ۔ ہر آہٹ پر جھپٹتا ہے ہر آواز پر کان رکھتا ہے ۔ الجھتا ہے الجھاتا ہے ۔ بہکتا ہے بہکاتا ہے ۔ نزدیک و دور چھاپے مارتا ہے ۔ حصولِ مقصد پر بھی نچلا نہیں بیٹھتا ۔ ذکر و فکر پر بھی لذتیں لیتا ہے ۔ اتفاقیہ چھوٹی نگاہ پر صبر و قرار کھو بیٹھتا ہے ۔ کسی وقت بھی اس خیال اور اس رجحان سے غافل نہیں ۔ پردے کی تصویر سے تسلی کے دفتر پڑھتا ہے ۔ جھوٹی کہانیوں سے آتش حرص و آز کو تیز کرتا ہے ۔ خود کوئی افسانہ تیار نہ کر سکے تو دوسروں کے افسانوں میں دلچسپی لیتا ہے ۔ اور جب خمار اتر جاتا ہے صحت خراب ہو جاتی ہے تو فرشتہ بن کر بیٹھ جاتا ہے ۔ دوسروں کے لئے نصیحتوں کے باب کھولتا ہے ۔ اس فطرت کے فتنے بھی پہلی فطرت کے فسادات سے کم نہیں ۔ ایک کھڑ پیچ ہے جو رات دن در پیش ہے ۔ نہ جنگ روکتی ہے نہ قحط آڑے آتا ہے نہ تباہی و خانہ بربادی فرق ڈالتی ہے نہ افلاس و بے سر و سامانی قدم روکتی ہے ۔ جھگڑے اٹھتے ہیں ۔ ٹنٹے ابھرتے ہیں ۔ جہاں بالکل آزادی ہے وہاں بھی بگاڑ ہوتے ہیں ۔ کمی کہیں نہیں ۔

مذکورہ صورتیں تو انفرادی ہیں ۔ اجتماعی بیچینیاں ان سے کہیں زیادہ اور خطرناک ہیں ۔

جب ادھر سے تھوڑا سا سکون ملتا ہے تو عزت طلبی میں مکر و فریب توڑ جوڑ چال بازی اور ظلم و جبر کے مظاہرے کرتا ہے۔ اپنے حق کی مقدار پر راضی نہیں ہوتا۔ دوسروں کے حقوق چھینتا ہے پیچھے دھکیلتا ہے۔ قدم قدم پر گھاتیں لگاتا ہے۔ اپنے خیالات منوانے کے لئے اپنی رائے کی پیروی کرانے کے لئے پاس پڑوس کو کچلتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میں بہت مہذب ہو گیا ہوں حق ہے کہ تم جیسے وحشیوں پر حکومت کروں۔ نئے انداز کی روشنی پھیلاؤں۔ کبھی کہتا ہے کہ میری سیاست پسماندوں کی ماندگی کا علاج ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ وحشت کی سادگی پر چل کر میرے فوائد سے محروم رہے۔ روپیہ کمانے کے لئے نئے نئے جال بنتا ہے۔ دوسروں کے تن پر کپڑا بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اچھے خاصے کھاتے پیتے چلتے پھرتوں کو لوٹ کر اپنی جیب بھر لیتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ حق بجانب ہے۔ کمزور ہوتا ہے تو دبا بیٹھا رہتا ہے۔ بھیانک ہوئی پھیکی پھیکی نگاہوں سے ڈانواں ڈولیوں کو دیکھتا ہے۔ طاقت آجاتی ہے تو خود گڈنڈا گھمانا شروع کر دیتا ہے۔ اپنے ہر فعل کو بہتر اور دوسروں کی خوبیوں کو بدتر سمجھنے پر مجبور ہے۔ خود پرستی میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اپنی کھلی حماقتوں کو ذکاوت و ذہانت اور دوسروں کے حقائق کو گمراہی و بدعقلی کہنے لگتا ہے۔ ذرا سی ایک آدھ خوبی پیدا ہو جائے تو خوبیوں کے مرکز بھی اس کے نزدیک رینگنے والے کیڑے ہیں۔ کندۂ ناتراش جاہل پتھر بھی اس فطرت کے آگے سر بسجود ہیں۔

یہ ہیں زندگی کے چند پہلو جو انسان کے سکون کو بے چینی سے بار بدلتے رہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان خطروں کو روک تھام آزادی سے ہوتی ہے یا قانون قاعدے سے۔ فلسفے نے اپنی حقیقت جوئی سے جذبات پر جراحی کی یا مذہب نے باقاعدہ رکھا۔ دنیاوی آئین نے انجن کی بھاپ کو اعتدال پر چلایا یا آسمانی فہمائشوں اور امیدوں نے۔ یہ تو کہنا بالکل بیجا ہے کہ کسی نے بھی نہیں روکا۔ یہ فطرتیں اپنا عمل کرتی ہی رہی ہیں۔ اس لئے کہ کمی زیادتی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کبھی ست جگ آیا اور کبھی کل جگ۔ فلسفہ تو اس عالم روشنی میں بھی خشک بہ لب ہے۔ آزاد کر کے خود محو حیرت مجبور و معذور انگشت بدنداں کھڑا ہے۔

دنیاوی قانون نے ہاتھ پاؤں جکڑے ہیں دل و دماغ نہیں اپنائے - آخر میں مذہب ہی بچانا ہے جس کا عمل مؤثر اور جس کے احکام دل و دماغ پر حاوی رہے ہیں - انسان کو بے اعتدالیوں سے روکا ہے تو مذہب نے ہی روکا ہے - بد عملی بھی کی تو ضمیر ملامت کرتی رہی - بس یہی فرق ہے کہ اور رکاوٹوں میں ضمیر کو دخل نہیں رہا - ظاہری گرفت سے نیت میں فرق نہیں آیا -

اس میں شک نہیں کہ تمام مروجہ مذاہب نے کم و بیش اخلاق کی تعلیم دی ہے - اعمال انسانی کی اصلاحیں کی ہیں - لیکن اصلاح کے پہلو بہت ہیں - اتنے ہی جتنے زندگی کے پہلو ہیں - مقابلہ کرنے کے لئے ایک طرف سے نظر ڈالنی چاہیئے - دیکھنا یہ ہے کہ کس مذہب نے کتنے پہلو اصلاح کی مد میں شامل کئے اور کتنے گوشے بے تربیت چھوڑے - مصر کے خیالات تو بالکل منوالی اور وحشت کی یادگار تھے - اصول و ضوابط سے محروم خیالی الجھن کا پشتارہ -

ثرا تعنہ کا استعداد ہی کاروبار کو چلاتا رہا - قدیم اور کہنہ مذاہب میں سے ہندو مذہب ہمارے سامنے ہے جس کے دعوے اب بھی کروڑوں انسانوں کو حقیقت جوئی سے دور بہکا رہے ہیں - اس میں خدا کا تصور ہے - لیکن ویسا ہی جیسا ابتدائے غور و فکر میں تھا - کوئی ترقی نہیں ہوئی - کرم دھرم کا تصور ہے اچھا عمل ہے لیکن بہت محدود اور زنگ - صرف اتنا کہ توڑا دیا جاتا ہے کہ نالیوں میں کیڑے بن کر رینگنے لگو گے - اس خوف میں عمل کرنے والے سود در سود سے لوگوں کو ہلاک کر کے مچھردان بن کر لیتے ہیں اور پھر انسان کی رگیں چوسنے لگتے ہیں - اس کے اصول سے انسانوں میں نفرت پیدا ہوئی - چھونا ہاتھ لگانا بلکہ سایہ پڑنا بھی گوارا نہ رہا - ہم جنس ہم خیال آپس کے اختلاط اور میل جول سے محروم ہو گئے - سوسائٹی پہ پہرہ بچاؤ اور چھوچھو پر جا ٹکی - انسان سے انسان نفرت کرنے لگا - ذاتوں کی تقسیم نے انسانی دماغ کو منجمد کر دیا - مقصوص اقوام کو شودر بنایا - جانوروں کا سا سلوک کیا بلکہ اس سے بھی بدتر - اس لئے کہ گائے بیل کی پوجا کی اور شودر سے بات کرنا بھی گراں کر دیا - غلاموں سے بھی بدتر حالت کر دی - غلام تو پھر بھی ملت قوموں میں رہتے تھے - کھاتے تھے پیتے تھے - چیزوں کا استعمال کرتے تھے

اندر یا باہر اکٹھے نہ تھے۔ گھر کا برتن جانتے تھے۔ البتہ اگر ایسا کہ ساتھ رہنا کھانا پینا تو کجا سڑکوں پر چلنا دشوار کر دیا۔ جنوبی ہند میں جس سڑک سے برہمن گذرے شودر کو گذرنے کا بھی حق نہیں۔ اس آزادی اور روشنی کے زمانے میں بھی برہمن کو دیکھ کر لیٹ کر گذرنا پڑتا ہے۔ اقتدار کے زمانے میں جو ان مظلوم انسانوں سے سلوک ہوتا ہوگا اس کی تفصیل دیکھنی مشکل ہے۔ لیں بھی کہ جب کسی شودر کے کانوں تک سنسکرت کا کوئی اشلوک پہنچ جاتا تھا چاہے محض بلا ارادہ اور اتفاقیہ ہی کیوں نہ ہو تو کھلے ہوئے گرم سیسے سے اس کے کانوں کے سوراخوں کی تواضع کر دی جاتی تھی۔ یہ ادنیٰ مثالیں ہیں تنگ نظری کی۔ ان سے اس وقت کے حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علمی ترقی چند خیالی فلسفوں پر مبنی تھی۔ ان میں سے ایک روحانیت کا خیالی قصر تھا۔ یہی فلسفہ جس میں انسان ریشم کے کیڑے کی طرح تار بن بن کر اپنے اوپر لپیٹ لیتا ہے۔ اور جب ذاتی توجہ سے کچھ قوت ارادی کام کرنے لگتی ہے تو سمجھتا ہے کہ موجودات عالم کا مالک بن گیا ہے۔ اسی فلسفے کی بنائی ہوئی ذہنیت تھی کہ ہزاروں آدمی تعمیری جدوجہد چھوڑ کر سادھو سنت بن گئے۔ دوسروں کے کندھوں پر لد گئے۔ بہت سے ترقی کر کے ننگے ہو گئے ایسے ہی خیالات کی وجہ سے یہ قوم صنعتی اور فنی ترقی میں پیچھے رہی۔ لباس خوراک طرز رہائش وغیرہ میں ذرا بھی آگے نہ بڑھی۔ کوئی عمارت ایسی نہ چھوڑی جس سے تزئین حسن اور باریکی کا اندازہ ہو سکے۔ جن فنون کا مذہب سے تعلق تھا۔ ان میں بھی کوئی خاص امتیاز نہیں۔ البتہ گانے میں ترقی کی۔ منتر پیدا کیا وہ بھی ہزاروں سال فرضِ مذہبی سمجھ کر لپٹے رہنے کے سبب سے۔ نجوم پر اعتقاد تھا اور معمولی دوکانداری سے مبالغہ اس لئے حساب میں انہماک رہا ہے۔ سو اتنا نہیں کہ زمین و آسمان کے فاصلے ناپتے ہوں یا زمین کے کرہ کی گولائی معلوم کی ہو۔ تاہم جو اصول و ضوابط بنائے ہیں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کے نام پر انہوں نے انسان کی اونچ نیچ کی تقسیم کا جال پھیلایا اور زندگی کو قائم رکھا۔ اسی ملک میں جب آریہ قبائل کے اصول چلے

بدھ مت نے باگ ڈور ہاتھ میں لی تو سب کو سمیٹ کر گپھاؤں میں بٹھا دیا۔ زندگی کے بہت سے شعبے زنگ آلود ہو کر رہ گئے۔ تعجب ہوتا ہے کہ اتنی بڑی بڑی حکومتیں کس طرح قائم ہو گئیں۔ شاید یہ وجہ ہو کہ لوگ عام طور پر مذہب کے عبادتی پہلو پر جھک گئے تھے۔ بت گھڑتے رہتے تھے رکاوٹ نہ رہی تھی۔ کوئی راستے میں حائل نہ ہوتا تھا۔ اہل ہمت کو کامیابی ہوتی اور ان کے اشغال کی داد دے کر اور بھی راہیں صاف کر لیں۔

صباتی اور زرتشتی مذاہب اثر انداز رہے ہیں۔ انسانی زندگی کے کچھ پہلو سنبھالنے اور اعتقادی طور پر ذہنوں پر حاوی ہوئے۔ لیکن ان میں بھی چند خالص مذہبی رنگ کی باتیں تھیں جو زندگی کے بعض شعبے چلا کر خاموش ہو جاتی تھیں۔ اصولی طور پر اپنے دامن میں کچھ کمزوریاں بھی لیئے ہوئے تھیں جو غالباً اس لئے داخل ہو گئی تھیں جو غالباً اس لئے داخل ہو گئی تھیں کہ ان اصول میں وسعت نہ تھی۔ تمام پہلوؤں کو نہ دیکھا گیا تھا۔ اعتقادی اثر میں تمام مذاہب یکساں تھے۔ ہر عزیز چیز سے زیادہ عزیز۔ دماغ میں مرکوز اور رگوں میں مخلوط رہے۔ مہاتما بدھ کی جتنی پوجا ہوئی شاید ہی کسی کی ہوئی ہو۔ ہندوستان یا اس کے جزائر چین اور اس کے ملحقات مہاتما کے بتوں سے پٹ گئے۔ چینی ترکستان تک ان بھگوان کی اتنی پوجا ہوئی کہ تن ہانگ کے پرانے مندروں کے آثار میں سوائے ان کی مورتیوں کے بہت کم اہم چیزیں نکلی ہیں۔ اور اگر ہیں تو انہیں کے لوازمات میں سے ہیں۔ بلخ بخارا کے آثار کھودے جائیں تو ان میں بھی سارا ذخیرہ اسی قسم کا برآمد ہوگا۔ اتنا پیار اس لئے کیا گیا کہ اس روحانی ہستی نے انسان کو ذات پات کی بندشیں ہٹا کر آپس میں پیار محبت سے رہنے کی تلقین کی تھی۔ گو یہ نہ بتایا تھا کہ سخت وقت میں کیا چارہ کار ہے۔ انسان کی بدنیتی اور بدامنی میں کیا کرنا چاہیئے۔ اس مذہب نے انسان کو قدرے سکون دیا تھا۔

عیسائیت بھی اپنے اثر و رسوخ میں اس سے کم نہیں رہی۔ حضرت مسیح کو بھی انہیں اصول کی بنا پر پیار کیا گیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ سختی نہ کرو بلکہ جنہیں تھپڑ مارنے والوں کو کرتا بھی اتار کر دے دو۔ اپنے تعلیمات یوں پھیلاؤ کہ معلوم بھی نہ ہو تم بھی دنیا میں ہو کسی بدنیتی کے لیئے رکاوٹ

بن سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی کہ جہاں تک مذہب کے پیروؤں کی طرح ان کے متبعین بھی کاروبار کی مصروفیت
سے ہٹ کر راہب خانوں میں جا بیٹھے۔ جو باہر رہ گئے انہوں نے حقیقت میں ارشادات پر پورا
عمل نہیں کیا۔ عام طور پر لوگ اُن کی اور اُن کی والدہ عصمت مآب کی پوجا پر لگ گئے۔ نیکی کے کام
کئے۔ انسان کی خدمت بھی کی مذہب کا بہت کچھ مقصد پورا ہوا لیکن معاملات کا قانون سوسائٹی کے
اصول اغیار سے برتاؤ سلوک لین دین کے قاعدے اور دیگر ضروریات سے بے خبر رہے۔ یہ بھی طور
پر معلوم نہ ہوا کہ سیاسی پیچیدگیوں مخالفوں کی زیادتیوں عہد و پیمان کی صورتوں فتنہ فساد کے فیصلوں میں کیا
روش اختیار کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب دوسروں سے ٹکر ہوئی تو پیروؤں نے معمولی کام سمجھ کر
بدعہدیاں برتیں۔ کوئی طریق کار سامنے نہ تھا ظلم و جور سے پیش آئے۔ حضرت مسیح کی امن پسندی
پر عمل کر کے اندرونی معاملات میں اُلجھے ہوئے مسلمانوں کو چھیڑ لیا اور ایسی مخالفت کی بنیاد رکھی
جس کی آویزش صدیوں جاری رہی۔

اس حقیقت کو سامنے لانے کے لئے حالات کو ابتدا سے دیکھنا چاہیئے۔ دو سو سال کے بعد
عیسائیت روم اور یورپ کے دوسرے ممالک میں سرایت کر گئی تھی۔ یعنی وہ مذہب جس کا آغاز کنایوں
اشاروں سے ہوا تھا۔ تبلیغ کے نہایت خفیہ طریقے برتے گئے تھے۔ کارکن کونوں کھدروں میں بیٹھ کر
جال پھیلاتے تھے۔ جب باہر نکلتے تھے تو یہ غیب کے نشان لاٹھی کے نقوش اور دیگر علامتیں ظاہر کر کے
لاسہ لگاتے تھے۔ اب وہ دین درباروں میں پہنچ گیا تھا۔ یونانی قیصران قسطنطنیہ جو مشرقی حکومت
روم کے وارث بن گئے تھے عیسائیت کے حامی بن کر خاتم النبیین کی کامیابی برداشت نہ کر سکے۔
شام اور فلسطین کی حدود پر زیادتیاں کیں۔ اور پھر یہاں تک نیت باندھی کہ اندر گھس کر مسلمانوں
کو تباہ و برباد کر دیں۔ یہ خبر سن کر آنحضرت نے اسامہ بن زید کو فوج دے کر بھیجا اور پھر خود رومیوں
کو روکنے کے لئے روانہ ہوئے لیکن حدود کو آدمیوں سے خالی دیکھا اور عیسائیوں سے عہد و پیمان
کر کے واپس تشریف لے آئے۔ یہی وہ امن پسندی کی [illegible] اور میوں کے لئے [illegible] بن
گئی اور دمشق کے تمام علاقوں کی فتح پر منتج ہوئی۔ جو کچھ [illegible] آیا وہ اصول [illegible]

یہ دین پھر بھی بہت کچھ انسان کے افعال و اعمال کا محافظ رہا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اپنی نرم جوئی کا اثر نہ ڈال کر اہلِ مغرب کو تند و تیز رکھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کی یہ خوخصلت ملک و قوم کی مرہونِ منت رہی ہے۔ عیسائیت کو انہوں نے صرف تسکین خاطر کے لئے رکھا ہوا تھا۔ عمل روز مرہ کی زندگی میں کچھ اور تھا۔ اس میں عیسائیت کو کچھ اتنا دخل نہیں۔

بہر حال مذاہب جیسے بھی تھے جہاں انہوں نے انسان کے ذہنی قویٰ اور غور و فکر پر تصرف حاصل کر کے اپنی خوش اعتقادیوں میں منہمک رکھا وہاں نیت اور عمل میں بھی دخیل رہے۔ یہ بات اس وقت کی چھین جھپٹ اور بدنیتی کے مظاہروں میں سمجھ میں آنی مشکل ہے۔ یہی کہا جاتا ہے کہ فطرت پہلے وقتوں کو رویا کرتی ہے۔ لیکن حالات پڑھ کر اور بزرگوں کی باتیں سن کر یہ اندازہ بالکل ٹھیک ہے کہ جاہے اس زمانے میں اختراع و ایجاد اور مادی ترقی سے محرومی تھی۔ لیکن روزمرہ کے معاملات میں نیک نیتی اور سلامت روی کہیں زیادہ تھی۔ عہد و پیمان کا پاس لحاظ تھا۔ مروت و رواداری عام تھی۔ پاس پڑوس اور ساتھیوں سے خلوص تھا۔ جھگڑے فساد میں بھی مکر و فریب دخل نہ پاتے تھے۔ لین دین زبانی اس دیانت داری کے ساتھ ہو جاتا تھا کہ اب عدالت کے کاغذ بھر کر بھی نہیں ہوتا۔ خرید و فروخت میں سادگی تھی۔ دو آنے کی چیز سوا دو آنے یا زیادہ سے زیادہ ڈھائی آنے میں مل جاتی تھی۔ یہ حال نہ تھا کہ اب دوکاندار نگنے چوگنے پر بھی صبر نہیں کرتے۔ یہی فکر ہوتی ہے کہ گاہک کے پلے کچھ نہ پڑے۔ ساری رقم انکی ہی جیب میں آجائے۔ قیمت الگ چوگنی لیتے ہیں ڈنڈی الگ مارتے ہیں۔ یہ عذر کرنا کہ یہ باتیں تہذیب کی ترقی میں ہو جایا کرتی ہیں۔ محض عذرِ لنگ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف اور پاس مذہب نہیں رہا۔ قانون کو ٹھکرا دینا کیا بڑی بات ہے۔ کونوں گوشوں میں کون تحقیق کرنے آتا ہے اور اگر آجاتا ہے تو پیسے کی مار سے نرم ہو جاتا ہے۔ آنکھ پھیر لیتا ہے۔ الٹے سلام کر کے تھانے میں جا بیٹھتا ہے۔ روک تھام وہی اصول کر سکتا ہے جو دل و دماغ کو پکڑے۔ خود انسان کی ضمیر کو زندہ رکھے۔ عوام اس سے ہی کام کر سکتے ہیں۔ حکومت ایک ایک آدمی

کے پاس نہیں جا سکتی۔ نہ اس کا قانون ضمیر انسانی کا نگہبان ہو سکتا ہے۔ پھر وہ کونسی چیز ہے جو کوٹھڑی کے گوشے میں انسان کے ارادے کو روکتی ہے۔ یہ اصلیت ہے کہ مذہب نے عمل کیا ہے اور فطرت کو روکا ہے۔

نئے مفکرین کی یہ دلیل بھی کم عقلی کا نتیجہ ہے کہ قانون نے مغرب کو انسانیت کا درجہ دیدیا ہے۔ وہاں کی دیانتداری اور خوش معاملگی اپنی مثال ہے۔ اصل میں یہ قیاس ہی غلط ہے۔ اس برِ اعظم کو ان خطوں سے کیا نسبت ہے جن میں دماغ ہے تربیت ہے سمجھ ہے ادراک ہے۔ انفرادی اور شخصی غور و فکر ہے۔ یہاں تو مجموعے کے پاس بھی ایک دماغ اور ایک نگاہ نہیں ملتی۔ نری غلط فہمی ہی غلط فہمی ہے وہ تیزی اور ذکاوت کہاں۔ یہاں تو آسمانی ہی ڈنڈا چاہیئے۔ جس میں آخرت بگڑنے کا خوف ہو۔ دوسرے جہان کی رسوائیاں ہوں۔ کتے اور گیدڑ کی جون کا دگدا ہو ان خطوں کے نزدیک قانون کیا چیز ہے۔ چہ کمی است کہ پیش مرداں بیاید۔ قیامت کی تہدید ہی روک سکتی ہے۔

دنیا میں کوئی خیال کمزوریوں سے خالی نہیں۔ جس کو بہتر سمجھا جاتا ہے اسی کو لاکھوں بدتر سمجھتے ہیں۔ جسے تریاق مان لیا گیا ہے اسی کو بہت سے سم قاتل خیال کرتے ہیں۔ جس کو ہزاروں سال سے آب حیات مانا جاتا رہا ہے اس کو دھتکارنے والوں کو بھی کمی نہیں۔ مسلمہ باتوں میں بھی رائیں مختلف ہیں۔ کمزوریاں نہ ہوں اور کچھ پہلو ضعف و نقاہت نہ رکھتے ہوں تو اختلاف کی صورتیں پیش نہ آئیں۔ یہاں تو کوئی ایک نظریہ بھی ایسا نہیں جس کے بارے میں عوام یا اہل الرائے گتھم گتھا نہ ہوئے ہوں۔ اتنک جو مذاہب آئے تھے ان میں کمزور پہلوؤں کی اس لئے زیادتی رہی کہ زندگی کی زیادہ سے زیادہ ضرورتوں پر مشتمل نہ تھے۔ کسی میں اپنا مفاد پیش نظر تھا دوسروں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ کسی میں چند اچھی باتوں کے ساتھ تنگ خیالی اور تنگ نظری حد سے بڑھتی ہوئی تھی۔ کسی میں صرف مبدأ حقیقی میں جذب ہو جانے کی تلقین تھی اور کسی ضرورت کا مذکور نہ تھا۔ کسی میں سراسر نرمی ہی نرمی تھی یہ سے وقت کا دستور العمل نہ بنایا گیا تھا۔ کسی میں آسمان کو گھورنے یا دور کسا

مظاہر قدرت پر حکم جاننے کے سوا روزمرہ کے معاملات کو بہت کم چھیڑا تھا۔ غرض کچھ قابل نہیں جو انسان کو ایک مکمل نظام کی دعوت دے رہی تھیں اور چاہتی تھیں کہ مذہب کے نام پر آخری اصول و ضوابط ایسے آئیں جو زندگی کے زیادہ سے زیادہ شعبوں پر حاوی ہوں۔ آخر کار اسلام نے آکر اس انتظار کو یوں ختم کیا کہ خدا سے لے کر کمزور بندوں تک ترازو کی تول سے لے کر تجارت حکومت کے معاملات تک بیٹھنے اٹھنے سے لے کر سوسائٹی کے اعلیٰ آداب و لوازم تک سب کام منظم منضبط کر دیئے۔ اس کے بعد مذہب کی ترقی پر مہر لگ گئی۔ بس یہی ایک صورت باقی رہ گئی کہ آدمی مذہب کے نام سے الگ ہو کر اپنے تقاضے آپ سنبھال لے۔ پیدائشی طور پر پابند ہو کر بھی آزادی کا اعلان کر دے۔ یا ان سادہ باتوں کو انسانی کوشش کر کر بدل کر دے — اور ہر بات کی اصلاح و ترمیم اپنے کندھوں پر رکھ لے۔ گو اس آزادی میں بھی پہلے سے زیادہ قانون قاعدوں کی بھرمار ہے اور مذاہب سے زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں

یہ جو کہا گیا ہے کہ اسلام دیگر مذاہب سے زیادہ مکمل اور ضروریات انسانی پر زیادہ حاوی ہے ایسی مختصر بات نہیں کہ دو چار فقروں میں ادا کر کے بدگمان ذہنوں کی تسلی کر دی جائے۔ یہ بہت اہم مقصد ہے جس کا بیان تفصیل چاہتا ہے۔ اس لئے ایک پورا عکس اس پر خرچ کرنا پڑے گا کہ غور کرنے والوں کے سامنے ایک خاکہ ایسا آجائے جس سے اسلام کی بہتری و برتری کا اندازہ ہو سکے۔ اگلے باب میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے اور یہ یقین کر لیجئے کہ خوش اعتقادی کا اس کتاب میں شائبہ نہیں۔ بلکہ قلمی تحقیق کا سراسر مقصد خوش اعتقادیوں کی بیخ کنی کر کے مذہب کا ضروری حصہ دکھانا ہے۔ اگر جدید خیالات کے معتقد یہ اعتراض کریں کہ خدا و مذہب بھی خوش اعتقادی ہی ہے — جیسے اور خیالات چلتے رہے یہ بھی دماغوں کو لپٹے رہے ہیں۔ یہ طرفداریاں قدامت پرستی کراتی ہیں۔ دنیا میں وقت وقت کی باتیں ہیں۔ اب انسان نے ہزاروں سال پوجا پاٹ میں صرف کر کے نئی راہیں نکال لی ہیں جو زیادہ مفید اور قابل عمل ہیں — اکثری ہوتی تبلیغوں کی یہ گزشتہ سر کھپول پر لیکن سفراء نے مذہب سے تغیر دکیا ہے

تو اس کے ضروری حصے کو کس خطا میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اصول و ضوابط سے انسان بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اخلاق سے نفرت کرنا انسانیت کا خون ہے۔ اس میں طرفداری اور قدامت پرستی کی کیا بات ہے۔ دس ہزار سال پہلے بھی اخلاق اور قانون کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔ خدا کا اور اخلاق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے مان لینے میں کوئی محال لازم نہیں آتا۔ اس انسان کی شخصیت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا جس نے پھیلائے ہوں۔ نئی مفید باتیں اختیار کر لینی چاہییں۔ باقی رہیں ہفوات وہ آپ ہی اٹھ جائیں گی زحمت کی ضرورت نہیں ؎

چھٹا عکس

نظامِ معشیت

دیا تھا جس نے زمانے کو درسِ فکر و عمل
وہ عندلیب چمن میں ہے نغمہ خواں اب بھی (سیفی)

رسولِ عربی نے مذہب کے وہ پہلو جو ہزاروں سال سے خالی چلے آرہے تھے اس طرح پیش کئے کہ پہلے خدائی کا صحیح مفہوم انسان کو سمجھایا "قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد" کہ کر پچھلی خرافات صاف کر دی۔ ذاتِ احدیت کو دلوں میں بٹھا دیا۔ ماسوا سے تعلق نہ رہا۔ پھر اُس کام پر توجّہ مرکوز کی جو پہلوں کے سن گمان میں بھی نہ تھا۔ یعنی دین اور دنیا جو متضاد چیزیں بن کر الگ تھلگ چلے آرہے تھے یوں ممزوج کر دیئے کہ پھر تحلیل کا خطرہ نہ رہا۔ عبادت اور معاملات کو جو ظاہرا بونِ بعید رکھتے تھے ایک اختیار سے میں ملا دیا۔ یعنی مذہبی حدّ و جہد صرف رکوع و سجود ریاضت و تپسیا پر موقوف نہ رہی معاملات کی نیک نیتی کو بھی عبادت بنا دیا گیا۔ ہر کام اور ہر عمل کو خدا کی خوشنودی سے وابستہ کیا۔ کہا کہ خدا صرف رحیم و غفور ہی نہیں جبّار و قہّار بھی ہے۔ ہر اشارے کا علم رکھتا ہے حاضر و ناظر ہے۔ عمل کو دیکھتا ہے اسی پر جزا اور سزا ہے۔ دوزخ و جنت کی امید و بیم سے ارادے پابند کر دیئے۔ سچائی کو دین کی جڑ قرار دیا اس طرح کہ پیرو مثال بن گئے۔ ایسے بھی کر دیئے تھے کہ مسلمان ہو کر جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے ہی دنیا میں پہلی مرتبہ اخوت کی بنیاد رکھی اس وقت جبکہ امتیازات کا ایک طوفان تھا ملک ملک سے نفرت کرکے

حقیر سمجھتا تھا اور قوم قوم کو گرا ہوا سمجھتی تھی۔ امیر کے نزدیک غریب جانور تھے اور بادشاہ رعایا کو غلام سمجھتے تھے اُس وقت مساوات کا سبق پڑھایا۔ امیر و غریب کو برابر کر دیا۔ بزرگی نیکی اور پرہیزگاری میں محدود کر دی۔ بادشاہ کو پوجا جاتا تھا۔ رعایا صرف پیداوار اور پیسے دینے کے لئے دنیا تھی تاکہ خزانے بھرے خود ننگی بھوکی بیٹھ جائے اور بادشاہ کی عظمت و شان کی داد دیتی رہے قیصر و کسریٰ اور جہابر کو پوچھے کس کی مجال تھی کہ زیادتی ظلم پر اف کر سکے۔ اس دین نے انسان کے منہ میں زبان لگا دی۔ بیباکی عنایت کی حق گوئی کا جوہر بخشا۔ حضرت مالک اشتر کی وہ تقریر پڑھنی چاہیے جو انہوں نے معاویہ کے بھرے دربار میں کی تھی اور امیر کو کتنے بلی کی طرح لتاڑا تھا۔ اس آزادی کی مثالوں سے ابتدائی تاریخ بھری پڑی ہے دیکھنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام نے کس درجہ کی آزادی عنایت کی تھی۔ پہلی حدود یکسر توڑ کر پھینکیں حکومت کو مشورے پر لگایا۔ ہر شخص کو اختیار دیا کہ حاکم کو غلطی پر ٹوک دے۔ غیروں کے حقوق مقرر کئے۔ عیسائیوں یہودیوں اور دیگر مذاہب والوں کے ساتھ انتہائی رواداری کا حکم دیا۔ لڑائیوں کے قواعد بنائے عورتوں بچوں بوڑھوں اور معذوروں کو پناہ میں لیا۔ ان سے تعرض کرنے کو خلاف حکم خدا کہا۔ زراعت درخت جنگل رفاہ عام کی کوئی چیز تباہ کرنے سے روک دیا۔ اور یہ صرف نظریے نہیں رکھے خود عمل کر کے دکھایا اور پیروؤں سے عمل کرایا۔ علم و ہنر کو کسی کے لئے مخصوص نہ چھوڑا۔ ہر شخص کے لئے کمالات حاصل کرنے کی راہیں کھول دیں۔ بلکہ تحصیل علم کو فرض قرار دیا۔ الحکمۃ ضالۃ المومن، کہہ کر تشویق دلائی کہ عقل و دانش کی تلاش کریں اور سمجھ کی باتیں سیکھیں۔ اس مذہب کے دھنی چلے ہی تبھی امام دین بنے اور علم کے آسمان پر آفتاب و مہتاب ہو کر چمکے۔ قدر شناسی میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ اغیار کے علم و فن کی اپنوں سے زیادہ قدر کی۔ مامون الرشید نے بختیشوع کو ملک الطب بنا دیا تھا۔ جو کچھ جانتے تھے کھلے دل سے غیروں کو سکھاتے تھے۔ یہی خصلت اور آزاد خیالی تھی کہ اٹلی سسلی ہسپانیہ اور ساحلی علاقے ان کے علم و فن سے بہرہ اندوز ہوسکے۔ علم کی ایسی پیاس لگا دی کہ بلخ بخارا

کے بغداد و مصر اور ادھر کے بلخ بخارا پہنچنے لگے ۔ اس شوق میں ہزاروں میل کا سفر پیدل طے ہونے لگا ۔ شوقِ تعلیم کو نہ مسافرت کی سختی گھٹاتی تھی نہ افلاس قدم روکتا تھا ۔ وہ ولولہ پیدا کیا کہ ہر طرف علم کے چرچے ہو گئے ۔ اس تاریک زمانے میں یہ اشاعت قابل صد تحسین ہے ۔ اسی نظام نے تحقیق و تفتیش کے ذوق کو بیدار کیا ۔ اس کوشش میں دور غایت اعتقاد اور حسنِ ظن کو مطلق دخل نہ تھا قرآنِ مجید تو خیر محفوظ کتاب تھی اور اس کے تدوین متدین ہاتھوں سے بہت احتیاط کے ساتھ ہوئی تھی لیکن احادیث کے بارے میں شکوک و اختلافات پیدا ہو گئے تھے ۔ ان کے پرکھنے جانچنے اصلی و مصنوعی کی تنقیدِ موضوع و مخترع کی پہچان میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ نہیں برتی گئی ۔ اس تحقیق میں ہزاروں میل کے سفر طے کئے جسکو مشکوک پایا ساقط کر دیا ۔ بعد میں تاریخی واقعات و حالات کو جوڑنا شروع کیا ۔ جن مورخین کو غیر محتاط دیکھا، حاطب اللیل کہ کر ٹکسال باہر کر دیا ۔ اعتبار سے گرا دیا ۔

آخر میں ابن خلدون کی ذکاوت نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد رکھی ۔ تاریخ کی افسانوی صورت میں وقار پیدا کر دیا ۔ البیرونی کی محنت شاقہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انہوں ہی نے اندرونی اور بیرونی تحقیقوں کا دروازہ کھولا تھا ۔ ذوقِ سلیم اور مذاقِ علمی سے روشناس کیا تھا ۔ انہی آثار پہ قدم مار کر یورپ نے پچھلی دنیا کو گم کیا ہے ۔ خانہ نشینی ذہن گیری ۔ بے خبری ناکارگی اس زمانے میں عام تھی قومیں چلت پھرت سے ناواقف تھیں عربوں نے نظامِ اسلامی سے سربلند ہو کر قدم مارے ۔ ایمانداری اور سچائی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو گئے ۔ قومیں دیکھتی رہ گئیں ۔ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں ۔ ملکوں کی جانچ پڑتال کی معلومہ دنیا کے کونے کھدرے چھان ڈالے ۔ جغرافیے کی تشکیل کی اور اسی ارض پیمائی کی برکت سے امیر البحر سلیمان نے چین تک کے بحری راستوں کے نقشے تیار کر دیئے ۔ جغرافیے سے دلچسپی رکھنے والے سیاحوں نے ملکوں شہروں کے حالات لکھے نقشے بنائے اور اپنی کتابوں میں صنعت و حرفت طرزِ حکومت شہریت پیداوار دریا پہاڑ جنگلوں کی قسمیں بتلا دیں

کے طور طریقے بود و باش کی تشریح کی۔ مغرب سے لے کر مشرق کے آخری کناروں تک سفر کئے سفر نامے لکھے۔ ابن بطوطہ کو کون نہیں جانتا۔ اس کا سفر نامہ اس کی بلند ہمتی کی یادگار ابھی تک نگاہوں کو حیران کرتی ہے۔ تقویم البلدان اور معجم البلدان وغیرہ وغیرہ کتابیں جغرافیہ عالم کا آغاز کرنے والی ہیں۔ علم حیوانات پر عجائب المخلوقات پہلی کتاب ہے۔ فلسفے میں کندی ابن رشد اور بو علی سینا کا جو مرتبہ ہے یورپ کا اہل علم اس کے معترف ہیں۔ علم ہیئت تو ان کی عقابی نگاہوں کا بڑا احسان ہے۔ کوفے اور بخارا کے میدان کو کرۂ ارض کی پیمائش اب بھی یاد ہے۔ لفظ الجبرا علم حساب میں ان کی ایجاد کی اختراع کا ممنون ہے۔ مسجد قرطبہ قصر الحمرا دمشق و قاہرہ کی مساجد ان کے تعمیری حسن کی بہترین نشانیاں ہیں۔

اسی نظام نے اخلاق و حسن سلوک کا سبق پڑھایا تھا کہ جن میں بھی جا بیٹھے ایسا گرویدہ کیا کہ وہ ہم خیال بن کر جذب ہو گئے۔ آج ایرانی ترکستانی مصری بربری اور دیگر بہت سی اقوام اُن کے مسلک کی سالک اور ان کی تہذیب کی حامل ہیں۔ بلکہ اپنے آبا و اجداد کی نسبت کو فخر نہیں سمجھتیں اس نظام معتنیت کے بانی ہی پر فخر کرتی ہیں۔ جبر و تشدد کا الزام اب بھی زبانوں پر ہے یورپ کے مبلغوں نے مع اپنی منظم حکومت کے ایشیا کے ملکوں میں زور مارا۔ کروڑوں روپے خرچ کئے اور آخری چالیں بھی ساری چل لیں پھر بھی کسی ایک ملک کو بھی عیسائی نہ بنا سکے۔ بات صرف اتنی تھی کہ عرب تلوار جزیہ یا اسلام پیش کرتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کیا وہ قومیں جو تھوڑا سا ٹیکس دے کر اپنے دین و مذہب کو بچا سکتی تھیں ایسی بدعقل یا کمزور تھیں کہ وہ جھٹ مسلمان ہو جاتی تھیں۔ نہیں۔ یہ اس نظام معتنیت کی خوبی تھی جو آخر کار مخالفین کو متوجہ کر کے گرویدہ کر لیتی تھی۔ ورنہ وہ لا اکراہ فی الدین کے پابند تھے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا عدل و انصاف برتاؤ سلوک اخلاق و عادات رواداری اور طرز ادا و حسن بیان پھر اس کے ساتھ دل دریا کی یگانگت نیک نیتی یہ ہی سب چیزیں مل جل کر ان کی تبلیغی کامیابی کی ضامن تھیں۔ کیا یہ ممکن تھا کہ ہندوستان کے راجپوت جو اپنی آن عزت

اور دین و مذہب پہ پروانہ وار قربان ہو جاتے تھے جن کی شجاعت و دلیری خودداری اور
جان بازی مانی ہوئی تھی وہ مسلمانوں کے تشدد سے مسلمان ہو گئے۔

بات دراصل یہ ہے کہ جب یہ نظام مغلیت ہندوستان میں پہنچا ہے تو وہ اصلی وارثوں
کے ہاتھوں نہیں پہنچا تو یہ ملک اپنی چند پرانی باتیں بھی ہاتھ سے کھو چکا تھا۔ نہ کوئی تازہ جاندار
علم تھا نہ گیان گن تھا نہ کوئی عقل لگتا خیال تھا۔ بس ایک فرسودہ سیاست تھی جس کے ٹکڑے
اڑے ہوئے تھے نظم و نسق سے محروم قانون قاعدے سے آزاد۔ سپاہیانہ فنون بھی بہت
پرانے تھے۔ طرز معاشرت کی تو نہایت ہی زدہ صورت تھی۔ سوسائٹی عام ذوق سے خالی اور
آزاد روش سے بے بہرہ۔ جب دونوں اصول ٹکرائے تو ہندی اصول محض صید زبوں ثابت ہوئے
فنون جنگ کے سامنے فن جنگ نہ ٹھہر سکا۔ سیاسی توڑ جوڑ اور نظم و نسق کے آگے سیاست نہ
ٹھہر سکی۔ طرز بود و باش اور مجلسی اخلاق و آداب کے مقابل سادہ رہائش اور تنگ نظری نہ
ٹھہر سکی۔ جب میل جول ہوا اکٹھے بیٹھنے اٹھنے کا موقع ملا تو مذہب کے اصول و ارکان اور
علوم و فنون کا مقابلہ ہوا۔ صنعت و حرفت کا تقابل پیش آیا۔ اس نظام کا مذہب سراسر
روشن خیالی اور دلکش اصول پر مبنی تھا۔ اعتقادی وہمی اور خیالی باتیں بالکل پھیکی پڑ گئیں
علوم و فنون بالکل تازہ تھے پاٹ شالاؤں کے خیالی نظریئے مقابلہ نہ کر سکے۔ صنعت و حرفت
بھی بہت ترقی کر چکی تھی تاہم یہاں کی چند چیزیں اچھی خاصی تھیں۔ زیور برتن اور کپڑے نے کچھ
وقعت پیدا کی لیکن ان چیزوں کی اصلاح میں بھی بہت گنجائش تھی۔

میل جول کے بعد تو آمدہ تہذیب نے ملک میں سرایت شروع کی۔ یہاں کی تمام چیزوں
کو سرپرستی میں لے لیا۔ اور ان میں تنوع پیدا کر کے اہل ملک کے سامنے ترقی و جدت کی
راہیں کھولیں۔ یہاں کی یادگاریں زیادہ تر بلکہ سب کی سب بدھ مذہب کے زمانے کی ہیں
ان سب سے بھی بہتری یا کمی کوتاہی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کو ہی لے لیجیے اجنتا اور ایلورا کی
تصویریں ادھر ان کی عریانی لباس کی کوتاہی کا پتہ دے رہی ہے نہ زیور اور تاج بھدے سے ہیں

کا نشان ہیں۔ خود عمارتیں محنت کی داد کے ساتھ تقابل اور نزاکت سے محروم ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ سوتی کپڑے کی پہناوت بھی تھی اور اچھا بھی تھا لیکن تن ڈھانکنے میں بخل سے کام لیا جاتا تھا۔ چیز کے ہوتے ہوئے بھی استعمال کا ڈھب نہ آیا۔ اسی لئے کہ اوپر کا تزیین کرنے والا طبقہ تپسیاؤں میں لگا ہوا تھا۔ ذوق نہ تھا کاریگر کیا جدت کرتے۔ یہ حالات تھے جب قوموں کو بدلنے والا نظام معیشت ہندوستان میں پہنچا۔ سیاست کا رخ پھیر دیا۔ ایسی حکومتیں چلائیں کہ اشوک اور گپت گرد ہوگئے۔ جمہوریت چھوڑ کر شاہی بھی قائم کی تو اس کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے سامنے راجپوت کی سیاست پھیکی ہو کر رہ گئی۔ زندگی کے ہر شعبے کو زندہ کر دیا کاریگروں کی سرپرستی اور تربیت کی۔ کمخواب اطلس بانات زربفت جامدانی کامدانی بنوٹ زردوزی وغیرہ قسمیں ایجاد کرکے بنارس کے جلاہوں کو بہترین صناع بنا دیا۔ موچیوں کو چپل اور چار دو جوتیوں سے نکال کر سلیم شاہی پر لگایا۔ ننگے پیروں کو زردوزی جوتیاں نازک اور سبک پہنائیں راجوں کی دماغی تربیت کرکے قطب مینار پرانے قلعے کی مسجد جامع دہلی لال قلعہ تاج محل اور قلعہ آگرہ جیسی شاندار سر بفلک مضبوط اور خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ قلعوں میں شان مضبوطی اور حسن پیدا کرکے گوالیار اور چتوڑ کے قلعوں کی اصلاح کر دی۔ دکن کے آثار ان کے ذوق کی گواہی دے رہے ہیں۔

درزیوں کو انگرکھے جست پاجامے باوسلے اور بالا پوشوں کی کاٹ پر لگایا پہناتک کر نیرانی ایجاد کرکے پہنا دی۔ برتنوں کے خوبصورت تراش بنا کر مراد آباد کو ظروف سازی کا مرکز بنا دیا۔ زیورات میں باریکیاں اختراع کرائیں۔ آب پاشی کو سنبھالا تو نہریں کھدوا کر جنگلوں کو سیراب کر دیا۔ دہلی کے گلی کوچوں میں پانی جاری کر دیا۔ باغ لگوا کر جنگل گلزار کر دیے۔ صندل انناس اور انگور وغیرہ جیسی چیزیں اگر سے کی گرم خشک آب و ہوا میں پروان چڑھا دیں۔ آم کی طرف متوجہ ہوئے تو پیوند کی ترکیب نکال کر سیکڑوں قسمیں پیدا کر دیں۔ وہی ہندوستان جس کے باشندے دریا کی طرف مکان کی پیٹھ رکھا کرتے تھے قدرت کے مناظر کے شائق بن گئے۔

گانا بجانا اس نظام سے بہت دور تھا جب اُس کی سرپرستی کی تو خالص راگ کی خشکی میں اپنے باریک ذوق سے گھلاوٹ اور مٹھاس بڑھا دی۔ اس طرح آمیز کیا کہ شمالی ہند میں رنگینی پیدا ہو گئی۔ راگوں میں اصلاح کر کے سازوں کی ایجاد میں حصہ لیا۔ امیر خسرو جیسے بزرگ نے ایک قسم کی دلکش بانسری اختراع کی اور گانے میں راگنیاں نکالیں۔ مصوری و بت تراشی بھی اس بت شکن قوم کے خلاف تھی۔ تاہم اس کی قدر دانی سے ترقی کرائی اور خوشی سرور و غم کی مصوری کی۔ خانخاناں کی قدر دانی اس مصور کو حیران کر گئی تھی جس نے کسی عورت کو نہاتے ہوئے بھاؤ جسم پر پھیرتے ہوئے دکھایا تھا اور اس سردار نے داد دی تھی کہ تم نے وہ کیفیت دکھا دی ہے جو جسم پر پھریریوں سے پیدا ہوتی ہے چہرے سے وہ کیفیت عیاں ہو رہی ہے۔ مصور اس داد پر تڑپ گیا تھا اور امیر کی تیز نظری کی داد دی تھی۔ اس میں بھی بڑے بڑے صاحب فن پیدا ہو گئے۔ یہاں کی بھدّی بت تراشی میں بھی اصلاح کر دیتے اگر بت گری اور بت فروشی کو خلافِ توحید پرستی نہ سمجھتے۔

ہندو جیسی کم آمیز قوم کو سوسائٹی کی حدود سے آگاہ کیا۔ ان کی چھوت چھات کو ملنساری حریت لحاظ اور رواداری سکھائی۔ نفرت اور بچاؤ کی کبھی پروا نہ کی۔ اس لئے کہ انسان سے نفرت کرنا یا اسے درجہ انسانیت سے گرانا ان کے اصول سے الگ تھا۔ باوجود بے مثل شجاعت کے انگریز کی طرح بنگلوں میں بیٹھ کر مفتوحہ قوم کے لئے دروازے بند نہیں کئے۔ انہوں نے ایک ہی غدر میں نفرت اور حقارت شروع کر دی اور اس قوم نے آئے دن کی بغاوتوں پر بھی حیوان نہیں سمجھا۔ بلکہ جو آئے ان کو دلجوئی سے شریک حکومت کر کے صوبیدار سپہ سالار بنایا وزارت تک پہنچایا۔ ملک کی تجارت اور بیچ بیوپار کی عافیت ان کے سپرد کر کے خود فوجی جفاکشی میں لپٹے رہے۔ حکومت کی سخت ذمہ داریاں اپنے لئے رکھ لیں اور لالگان کو بازار کی زرکشی دیدی دفتر حوالے کر دئے خزانے سونپ دئے۔ ورنہ وہ چاہتے تو تجارت دفتر اور اس قسم کی اور چیزوں پر بھی چھا جاتے۔ دوسروں کو کام کے معاملات دئے کہ اگر تھوڑا سا معمولی ٹیکس لگا دیتے تھے تو آج تک ان کو بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں حفاظت کی سخت ذمہ داری تھی۔ اب سو طرح کے ٹیکس دیتے ہیں اور

تب نہیں ہلانے۔ ستر فیصدی ٹیکس ادا کیا اور آسمان سر پر نہ اٹھایا۔ پھر یہ کہ اس زمانے کا موقف سے مقابلہ کرتے ہیں جب دنیا اتنی آگے نکل چکی ہے۔ ہندوستان کی رسم پرست ذہن میں ان کو بھی بعض اوقات یہیں کا نمونہ بنانا پڑتا تھا اور آخرکار اس بے اصولی ذہن نے ان کو بھی یہیں کا نمونہ بنا دیا۔

اسلام ہی تو ہے جس نے قدیم سے اختلاف کو دور کر کے ضبط و نظم اور دنیا کو باقاعدگی سکھائی۔ جب جنگ میں ہر طرح کی زیادتی روا رکھی جاتی تھی اس نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ کمزوروں کو نہ ستایا جائے۔ رعایا عام کی چیزیں تباہ نہ کی جائیں عہد و پیمان کی سخت پابندی ہو۔ صلح جو سے فوراً صلح ہو۔ دشمن بھی پناہ میں آجائے تو اس کی حفاظت کی جائے۔ جنگ میں پہل نہ ہو۔ زیادتیاں سہ کر بدلہ لیا جائے۔ غرض تمام یہ باتیں اہل ہند کی کشش کا موجب ہوئیں۔ ان پر زیادہ اثر پڑا جو قریب تھے۔ راجپوت دست و بازو بن گئے تھے ہر وقت کے ساتھی تھے گروہ در گروہ اس آزادی خواہ روشن مذہب پر جھک گئے اور اس کے بہتر نظام پر لبیک کر کر اختیار کر لیا۔ اگر کوئی یہ خرافات کسی ہندو راجپوت کے سامنے بھی کہہ دے کہ ذہن میں جنیو روزانہ اترتے تھے اور اس طرح ہندو مسلمان بنائے گئے تھے تو وہ کہنے والے کا منہ نوچ لے۔

حقیقت یہی ہے کہ راجپوتوں نے بھی اوروں کے ساتھ اسلامی روشن خیالی کشادہ دلی اصولی بہتری اور مساوات دیکھی تھی۔ ایک طرف تو ہر وقت کی تنگ دلی اور تنگ خیالی تھی دوسری طرف آزادہ روی ملنساری اور یکجہتی۔ ایک طرف ہزاروں دیوی دیوتاؤں کا لاؤ لشکر تھا۔ دوسری طرف ایک قادر مطلق کی عبادت۔ کہاں وہ طول کہاں یہ اختصار۔ ایک طرف تو وہم پرستی اور تنگ خیالی دوسری طرف روشن خیالی سادگی قناعت و استغفار۔ ایک طرف غیروں کے ساتھ خورد و نوش کی آزادی دوسری طرف ماں باپ بھائی بہن سے بھی اجتناب اور بچاؤ۔ اپنی اپنی تھالی اپنی اپنی کٹوری۔

ایک طرف کھانے کے طریقوں میں ذہنی انقلاب اور ہلکا پن۔ چینی جیسی صاف ستھری اور خوبصورت چیز سے نفرت پتوں کا استعمال اور گندگی دعوتوں کی بے سلیقگی اور بے ترتیبی

کھانے کے تنوع سے بے خبری اقسام طعام سے ناواقفیت ۔ تانبے کے مجلات ظروف
کی جگہ مٹی کی سکوریں ۔ دوسری طرف مہانداری مہمان نوازی دعوتوں کی شاندار بے تکلفی ۔
میزبانوں کا خلوص مہمانوں کا شعور اور تمیز ۔ نشست برخاست میں تہذیب آداب محفل کا سلیقہ
اور سلیقے میں لکڑی اور دھوتی کی جگہ قسم قسم کے بھاری بھر کم لباس ۔ چغے کلی دار انگرکھے
اچکنیں یا دیسے پاجامے شلواریں ۔ چہروں کی شان بڑھانے والی پگڑیاں ۔ ایک طرف
بے منظر مکان بند حویلیاں تنگ صحن تنگ و تاریک کوٹھڑیاں نہ روشن دان نہ بیرونی
دروازے نہ کھڑکی نہ برآمدے نہ غلام گردش ۔ دوسری طرف دالان شہ نشین ایوان چھجے
سیر کے لئے دروازے بارہ دریاں ۔ دروازوں پر آمد و الوداع کے پر خلوص طرز انداز سلام
اور مصافحے ۔ پائیں باغ روشیں کیاریں قسم قسم کے گل بوٹے انواع و اقسام کے خوشبودار
درخت اور پودے ۔ کونوں پہ گنبد سامنے دریاؤں اور تالابوں کے نظارے ۔ غرض معقول
کے عمدہ طریقے سوسائٹی کے بہتر اصول ۔ یہیں پر موقوف نہیں یہ نظام معاشرت جہاں بھی گیا
قوموں کی آنکھیں کھول دیں ۔ رہنے سہنے ملنے جلنے اور علم مجلسی کے قواعد سکھائے ۔ بزم و
رزم کے اصول بنائے ۔ نہ تنگ نظری برتی نہ انسان کو حیوان سمجھا نہ حرص و لالچ کو جگہ دی
دین کے ساتھ دنیا حاصل کی لیکن دنیا کو پوجا نہیں ۔ زر پرستی کو ایمان نہ بنایا ۔ حکومتیں حاصل
کیں کمایا کھایا بخشا اور کھلایا ۔ لاکھوں کے انعام دئیے اور ملک بخش مشہور ہو گئے ۔

اس میں ذرا سا بھی شک نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ اثر پڑ چکا تھا اگر افغان و مغل
بادشاہ اس سے فائدہ اٹھا کر عربوں کی طرح تبلیغ کی کوشش کرتے یا عیسائیوں کی طرح
ایک ایک کا پیچھا کرتے تو سارا ہندوستان نہ سہی بیشتر حصہ ملک کا آج مسلمان ہوتا ۔
یہ بھی جو کچھ ہوا وہ ان ابتدائی بزرگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے جن کی قبروں پر آج
ناسمجھ جاہل مسلمان ناچ گا کر اسلامی روح کو فنا کرتے ہیں اور اصل مقصد سے کوسوں
دور ہو چکے ہیں ۔

ذکر آچکا ہے کہ جب خدا پرستی کے مفہوم کو سمجھ لینے والے عرب باہر نکلے ہیں۔ تو پہلی ٹکر رومیوں سے ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے انہیں بلاوجہ چھیڑا تھا اور درپے ہوکر پیشقدمی کی تھی۔ معمولی جھڑپوں کے بعد ہرقل کو سبق دینے کے لئے دمشق کے علاقے میں جا پہنچے۔ لگان وصول کیا گیا۔ لیکن جنگی مصلحت سے اس علاقے کو چھوڑ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو بلاکر وصول شدہ لگان واپس کر دیا تاکہ دوسری صورت میں اگر وہ واپس نہ آسکے تو ذمے داری پوری نہ کرنے کے سبب اس رقم کے دین دار رہیں گے۔ عیسائیوں نے اس منصفانہ برتاؤ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی کہ خدایا! اس عادل اور منصف قوم کو پھر واپس لانا۔ یہ اس بات کے حقدار ہیں کہ نا انصاف رومیوں کے بجائے حکومت کریں۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ پینتیس ہزار مجاہدوں نے تین لاکھ رومیوں کو یرموک کے میدان میں شکست دی اور دوبارہ دمشق پر قابض ہوگئے۔ اس کے بعد یروشلم والوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ رسولِ عربی کے نظامِ مذہبیت اور اصولِ رواداری کی مثال ہے۔ یہ وہی طریقے تھے جن پر رسول نے خود عمل کرکے دکھایا تھا اور کہہ دیا تھا کہ خلقِ خدا کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا عرش پر مہربان ہو تو تم اہلِ زمین پر رحم کرو۔ عیسائیت ان باتوں کی قدر نہ کرسکی۔ اس نے یہ ضبط و نظم کاہے کو دیکھا تھا۔ پہاڑی کے وعظ میں مست تھی۔ ان کو تو اتنا بھی بتلانے والوں نے نہ بتایا تھا۔ کہ خدا کیسا ہے کیا ہے پنچایت کرکے اس کے تعینات طے کئے اور آخرکار تین ٹکڑے کر ڈالے۔ بلکہ اسلام کو ان خوبیوں کے باوجود بدنام کرنے کے لئے کنکھانے بھرتے رہے۔

اس نظام کی اشاعت کے لئے اب راستہ صاف ہوچکا تھا۔ مراکو تک شمالی افریقہ فتح ہوگیا۔ پھر بدھ مت کے تیز اشرمچھی سمرپرستی میں آگئے۔ یہاں تک کہ اسپین میں پہنچکر بے سواد ملک کو علم و ہنر سے بھر دیا۔ ایسی شاندار مثلیاں پیدا کیں کہ عیسائیت ان کے کمالات کو سمجھنے سے بھی قاصر تھی۔ علم اخلاق شجاعت و شہامت کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ یورپ

کے نیم وحشی دیکھ دیکھ کر صدیوں حیران رہے ہے۔ سات سو سال تک بدعہدیوں کا مقابلہ کیا جب باہمی نا اتفاقی نے گرایا تو عیسائیوں نے ساری نرم تعلیم بالائے طاق رکھ کر بربیت کو تازہ کر دیا۔ ذرا سی بھی رواداری نہ برتی۔ بتیس لاکھ کو بے خانماں کر کے افریقہ کے ساحل کی طرف نکال دیئے۔ پھر بھی انہوں نے آخری وقت تک خودداری اور غیرت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جیتے جی خون کا جواب خون سے دیتے رہے ہے۔ بے غیرتی کی ایک مثال بھی ویسی نہیں ملتی جو عیسائیوں نے یروشلم میں دی تھی جب مجاہد اعظم صلاح الدین نے دوبارہ اس کو فتح کر کے حکم دیا تھا کہ عورتوں بچوں بوڑھوں معذوروں کو امان ہے عورتیں جو کچھ لے جانا چاہیں لے جائیں۔ پھر یہ ہوا تھا کہ بے غیرت مرد ان کے کندھوں پر لدے تھے اور وہ انکو شہر سے باہر اٹھا کر لے گئی تھیں۔

بغداد اس نظام کا مرکز تھا۔ اسلامی علوم کے ساتھ دنیا کے سائنسی علوم کے اس میں دریا بہائے۔ اس وقت تک قومیں ایسی ترقی سے محروم تھیں۔ ہارون و مامون کی علم دوستی نے ہر ملک کے اہل کمال جمع کر لئے۔ ترقی و تہذیب میں ایشیا کے ممالک کو گرد کر دیا۔ ہر خطے کے وسائل کو بڑھا کر علم تجارت وزراعت صنعت و حرفت اور فنونِ جنگ کو ترقی دی۔ مربع بنا کر دشمنوں کو حلقے میں لے لینا عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ کارخانے کھولے ہسپتال بنائے۔ نہریں کھدوائیں۔ طب یونانی کو عروج پر پہنچایا۔ اس وقت جب یورپ میں تعویذ گنڈوں اور دعاؤں سے مریض کو موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ آمد و رفت کے وسائل کو جوڑ کر انسان کے لئے دوڑ دھوپ کی راہیں کھولدیں۔ شہروں میں حمام کا طریقہ عام کیا صفائی اور اصولِ صحت کو رائج کیا جب یورپ کے گھر عیسائیت کی صفائی سے مزبلہ بنے رہتے تھے۔ اخوان الصفا جیسی سوسائٹیاں قائم کیں۔ اگر ہارون الرشید کو عیسائیوں کی آئے دن کی عہد شکنیاں مہلت دیتیں تو نہ معلوم تمدن کو کہاں پہنچاتا۔ ساری عمر اس طرح گذری کہ قسطنطنیہ کے بد عہدوں سے صلحنامہ کر کے لوٹا ہے اور پیٹھ پھیرتے ہی انہوں نے

پھر قتل و خون کا بازار گرم کر دیا۔ پھر ایسے مظالم توڑنے تھے کہ انسانیت آنسو بہاتی تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ان کا ذاتی فعل تھا تو ہارون رشید اور دیگر با اختیار طاقتوروں کا سلوک بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ فوراً مغلوب کر کے کس برتاؤ سے پیش آتے تھے۔ ان بیانات سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اوہو! یہ پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں ان کو دہرانے سے کیا حاصل۔ حال کی فکر ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ واقعات و حالات کو سامنے نہ رکھا جائے تو مقابلہ صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ کہانیاں نہیں بزرگوں کے کارنامے ہیں۔ جو قوم اپنی تاریخ بھول جاتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ ان کا تو تکرار بھی گوارا کر لینا چاہیئے۔

مذہب کے نام پر صرف یہی ایک نظام مغنیت تھا۔ جس میں نیک نیتی نیکوکاری سچائی اور صداقت کے ساتھ دنیا چلانے کے بھی اصول تھے۔ اس میں وہ اہلیت تھی جس نے عقل و شعور دانش و ادراک عنایت کر کے بدوؤں تک میں نظم و نسق کی لیاقت پیدا کر دی تھی۔ ورنہ ملک داری خالہ جی کا گھر نہیں کہ ہر ایک سنبھال لے۔ پنڈت نہرو جی کی ساری عمر سیاست میں گذری ہے لیکن جب حکومت کی دیرینہ آرزو پوری ہو کر کندھوں پر آئی تو چاروں خانے چت جا پڑ کر دم بخود بیٹھے ہیں۔ حکم احکام دہلی سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ بدنظمی اور ظلم و ستم کا بازار گرم ہے اور تدارک نہیں کر سکتے۔ سیاسی تیندوے جان کو آ رہے ہیں۔ انتظام خس و خاشاک ہو کر اڑ گیا۔ وہی اپنے سامنے پیش آ رہی ہے جو انہوں نے انگریز پر توڑ رکھی تھی۔ اس کام کے لئے بڑی ہوشمندی اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ مردوں اور وحشیوں پر بھی قابو رکھنا تدبر کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ غور کرنا چاہیئے کہ بھیڑ بکریاں پالنے والے ساربانی کرنے والوں نے کس طرح قیصر و کسریٰ کی میراث کو خود ان سے بہتر چلا کر دکھایا۔ فتح کر لینا اگر آسان مان لیا جائے تو غیر ممالک اور غیر اقوام پر اس نظم کے ساتھ حکومت کرنا تعجب سے خالی نہیں۔ صرف حکومت ہی نہیں کی زندگی کے ہر شعبہ کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ خاص کر عراق کو نہروں سے شاداب کر کے ایسا خطہ کر دیا تھا کہ اس زمانے [illegible] ایسا تھا

مشکل ہے۔ ہر جنس کی پیداوار تھی۔ اسی وجہ سے اس میں لگان کی شرح اور ملکوں سے ڈیوڑھی اور دگنی تھی۔ ہسپانیہ جو رومیوں اور گاتھوں کے زمانے میں بھی افسردہ اور مردہ تھا انہیں تمدن و تہذیب عطا کر کے یورپ کے ویرانوں میں انسانوں کی قیام گاہ کا حق دے دیا۔ ملک میں سڑکیں بنائیں۔ سیکڑوں کوس تک دو طرفہ سنترے اور مالٹے کے درخت لگا دیئے۔ راہرو معطر خوشبوؤں میں سفر کرنے لگے۔

اس نظام نے دنیا میں اقتصادی حالت کو درست کرنے والی مشکلات پہلی مرتبہ ہلکی کر دیں سود در سود کی لعنت جس نے انسان کی کمر توڑ رکھی تھی اس سے نجات دی۔ تجارت کو جائز قرار دے کر سود کو حرام کر دیا۔ بار بار تاکید کی کہ سود لینے والا دوزخی ہے۔ قیامت کے دن مجرم رہے گا۔ تجارت اور سود ایک چیز نہیں ہیں۔ اب کبھی سود کی نیت نہ باندھنا یہ خیال خدا اور رسول سے لڑائی باندھنے کے برابر ہے۔ قرضِ حسنہ کی صورت نکالی اور اطمینان نہ ہونے کی حالت میں رہن بالقبضہ کو جائز رکھا۔ صاف الفاظ میں فرمایا کہ "الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن ۔۔۔ ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون" جو لوگ سود کھاتے ہیں اٹھ نہ سکیں گے مگر اسی طرح جیسے جن بھوت چمٹے ہوئے اٹھتے ہیں۔

"اور جو اب سود لیں گے دوزخی وہی ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے" یا ایھا الذین امنو لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ "اے ایمان والو دگنا دگنا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو شاید فلاح پا جاؤ"

سود خواری ہمیشہ فتنہ و فساد کا باعث رہی ہے۔ یہودیوں پر جو یورپ میں تباہیاں آتی رہی ہیں ان کا سبب صرف یہی نہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا تھا۔ بڑی وجہ یہی تھی کہ یہ سود خوار قوم لوگوں کو ناپاک قرضوں میں جکڑے رکھتی تھی جب مفلسوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا تو حضرت مسیح کے حادثے کو دہرا کر لوگوں کو بھڑکا کر ٹوٹ پڑتے تھے

اور تباہی لاتے تھے کہ برسوں کی جمع جتھا ان کے ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوتا تھا اور بیچارے ہوتے ہوئے بھی انہیں کونوں کھدروں سے نکال کر تلوار کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ سود سے نجات حاصل ہوجاتی تھی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ پھر سوائے اس کے چارہ نہ رہتا تھا کہ بیت المقدس پہنچیں اور دیوار گریہ پر جھک کر نالہ و شیون کریں۔ ذرا سا سکون ملتا تھا تو پھر اسی مشغلے میں لگ جاتے تھے۔ منہ لگے خون اور زرپرستی کی پیاس نے اسباب ذلت سے بے نیاز کر دیا تھا۔

ابھی عہد انگریزی میں بنیوں نے مخلوق کو سود کے پھیر میں لے کر سینکڑوں گھر برباد کر دیئے۔ بڑے بڑے خاندان اپنی غفلت سے شکار ہوئے۔ روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ گورنمنٹ کو دخل دے کر روک تھام کرنی پڑی۔ قانون بنائے تاکہ لوگ سود کی تباہی سے بچ جائیں۔ لیکن آنکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا۔ سود خواری کام کر چکی۔ خاص زمیندار طبقہ تباہی کی حد کو پہنچ گیا۔ کبھی ساہوکار نے کسانوں کی عرق ریزی کی جفاکشی اور جان کاہی پر ترس نہ کھایا۔ دس کے سو لے کر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ یہ انسان کو زندہ رکھنے والا طبقہ پر چھینٹے کی کمائی حریص لالہ کے حوالے کر کے بال بچوں کو فاقوں کے سپرد کرتا رہا۔

ہوتا یہاں بھی وہی جو یورپ میں یہودیوں کے ساتھ رہا تھا۔ لیکن گورنمنٹ کی سخت گرفت اور گنجائش دینے والے قانون نے غریبوں اور مظلوموں کو انتقام سے باز رکھا۔ گو انفرادی مار دھاڑ پھر بھی رہی اور کئی دن قصے سننے میں آتے رہے۔

اسلامی نظام نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسان کو سود کی خرابی سے بچایا تھا اس کے ساتھ دوسرے پہلو بھی سنبھالے۔ روم و ایران میں بھی کسانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ کوئی قانون نہ تھا جو ظلم اصولی سے بچاتا۔ اب یہ ہوا کہ ان پر مالیہ عدل و انصاف سے لگایا گیا۔ براہ راست حکومت کے ماتحت کر لیا۔ زمینداروں کے ہستے اور ناجائز کے ظلم و ستم جبر و تشدد سے جان چھڑا کر خوش حال و فارغ البال کر دیا۔ آزادی

دے کر فریاد کرنے کا حق عنایت کیا۔ دربار سرکار میں پہنچنے اور حاکموں سے درد دل کہنے کی اجازت ہوتی۔ زنجیر عدل کو ہلانے لگے۔ اس لیے کہ انہیں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا۔ تاکید تھی کہ "یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین آمنوا کونوا قوامین غنیا او فقیرا فاللہ اولیٰ بہما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا" مسلمانو! انصاف پہ قائم رہو۔ اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ اپنے ماں باپ اور رشتے داروں کا نقصان ہو۔ اور چاہے وہ مالدار ہوں یا محتاج۔ اللہ ان کا تمہاری بہ نسبت زیادہ خیرخواہ ہے۔ پس تم انصاف کرنے میں اپنی خواہشات کے تابع نہ ہو" وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط" اے رسول! جب تو ان میں فیصلہ کرے تو عدل و انصاف سے کر بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" ولا یجرمنکم شنآن قوم الا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" مسلمانو! کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف سے نہ روکے۔ انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

یہ عدل و انصاف کی تاکیدیں اور وہ احکام ہیں جو کسی آسمانی کتاب میں نہیں ملتے۔ دشمنوں سے بھی انصاف کرو۔ خواہشات اور جذبات سے متاثر نہ ہو۔ یہ ہے عملی رحم و کرم۔ سود کی حرمت بھی انصاف کی ہی بنا پر ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے کہ سو روپے کسی سے لے لئے جائیں تو ساری عمر اُن کی ادائیگی سے پیچھا نہ چھوٹے اور مذہب اس کو حق بجانب قرار دے کیسا ظلم ہے! اس نظام میں پیسے پر پیسہ لینا ناجائز قرار دیا گیا اس لیے کہ کسب زر کی حرص اور امور کی طرح اعتدال پہ نہیں رہتی۔ آج کل کیا ہو رہا ہے؟ ایسی تباہیاں دیکھی ہیں بربادیاں نگاہوں سے گذری ہیں۔ جڑیں ہل گئی ہیں آئندہ کا اطمینان نہیں لیکن انگریز کی پیدا کردہ جوع زر لوگوں میں بیٹھی ہوئی زرکشی پہ لگائے ہوئے ہے۔ اندھے ہوکر سمیٹ رہے ہیں۔ سوائے پیسے کے

اور کوئی فکر ہی نہیں رہی۔ اسلام نے بلند ہمتی کے ساتھ قلندری کو اسی لئے آمیز کیا تھا کہ انسان خواہشات کا بندہ نہ رہے۔ باقی جو صورتیں یورپ نے بنک اور حصص کی نکالی ہیں وہ سب تجارت پہ مبنی ہیں۔ سرمایہ تجارت میں لگایا جاتا ہے اور اس کا نفع تقسیم ہوتا ہے۔ یہ کاروباری چیزیں ہیں یہودی اور بنئے کے سود در سود سے الگ۔

دیکھنا چاہیئے کہ اغیار پر لگان یا ٹکس زیادہ تھے یا مسلمانوں پہ۔ کسانوں پر انصاف کے ساتھ لگان مقرر کیا گیا۔ غیر مسلموں سے جزیے کے نام پہ مختصر سا ٹکس لیا جاتا تھا اور اس میں جان مال عزت آبرو اور دیگر ہر قسم کی حفاظتی ضمانت ہوتی تھی۔ سوائے کسی خاص پیش آور کے اور کوئی بار اُن پہ نہ پڑتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ فوجی خلفشار کے اضطراری حالات مجبور کر دیتے ہوں اور مسلمانوں کے ساتھ ان سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پہ آمدنی کا چالیسواں حصہ بحیثیت زکوٰۃ لگایا اور پانچواں حصہ اور مقرر تھا۔ یوں بھی ان پہ کئی ٹکس جمع ہو جاتے تھے۔ اور وقت پہ الگ فوجی ضرورتوں میں کھینچ لیا جاتا تھا۔ فوجی خدمت کا لزوم صرف انہیں پہ تھا دوسرے اُس سے بری تھے۔ اور اگر کچھ رعایت بھی مل جاتی ہو تو کیا ہے۔ انگریز نے اہل وطن کو سیکڑوں رعایتیں زیادہ دے رکھی تھیں ہندوستانی محروم تھے۔

اس نظام نے رواداری اور اغیار سے سلوک کی زندہ مثالیں پیش کی ہیں۔ یروشلم کو دوبارہ فتح کر کے معافی دے دی تھی حالانکہ عیسائیوں نے قبضہ کرتے وقت مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ اتنا کہ گھوڑوں کی ٹاپیں خون سے رنگین ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں نے غلبے اور اختیار میں معافیاں دی ہیں۔ شیر شاہ سوری نے جب سی پی کی ایک ریاست کے ظلم و ستم اور بے حرمتی و بے عزتی کا بدلہ لیا تو قتل عام نہ کیا تھا۔ بس اتنا ہی جتنا مسلمان مردوں اور عورتوں پر ظلم ہو چکا تھا۔ آنحضرت نے عیسائیوں سے جتنے بھی معاہدے کئے ان میں وہ سب حقوق ان کو دیئے جن سے خود مسلمان متمتع تھے۔

جس دین کی بنیاد غیر اللہ کی پوجا کے خلاف رکھی گئی تھی جو بت پرستی کو ہرگز گوارا نہ کر سکتا تھا
اس نے محض رواداری اور لا اکراہ فی الدین کی بنا پر مشرکوں بت پرستوں سے ان کے
معتقدات کی بنا پر عہد و پیمان کئے۔ یہودیوں کو حلیف بنایا اور اگر اس متلون قوم کی
بدعہدیاں مجبور نہ کر دیتیں تو منشا نہ درمیان میں نہ رہتا۔ پھر بھی جو سلوک ان سے یورپ
میں ہوتا رہا وہ مسلمانوں کے یہاں نہیں ہوا۔ ان کے قابل لوگوں کو حکومت میں شریک رکھا۔
شرارت کے جواب میں کچھ سختی ہو گئی ہو تو اس کا کیا ہے۔ وہ کونسی قوم ہے جس نے حکومت
لے کر ہوا سیر بازی نہ آنے دی ہو۔ انگریز جیسی آزاد قوم مفتوح اقوام کو خاص کر ہندوستانیوں
کو کتنے بل کے برابر سمجھتی رہی ہے ملک کتنوں کی تو بہت ناز بردار رہی ہے۔ یہودیوں کی عجب
خو خصلت تھی۔ دنیا انقلاب کا گھر ہے کوئی مٹتا ہے کوئی بنتا ہے۔ ایک جاتا ہے ایک آتا
ہے۔ جب آس پاس سے اٹھ کر کوئی قوم دوڑنے لگی تھی تو یہ اللہ میاں کو بیچ میں لا کر اس کو
پیچھے کھینچنے میں لگ جاتے تھے۔ اور جب بدشگونی سے ناکام رہتے تھے تو سازشوں کے
جال پھیلا کر دھکے کھاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ زر پرستی نے اخلاق فاضلہ سے
کر دیا تھا۔ کیا ہوا اگر آپ پیسے کے زور سے امریکہ اور یورپ کی مدد پر مسلمانوں
کو تنگ کرنے کے لائق ہو گئے ہیں۔ کہیں ہزار دو ہزار سال میں کوڑی کے دن پھرے ہیں۔
وہ بھی دوسروں کی خوشامد درآمد اور پیسے کے زور سے۔

اسلامی نظام معیشت سرمایہ داری کے سخت خلاف ہے۔ اس سرمایہ داری کے جس
نے کارل مارکس کو سرمایہ داروں کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا۔ خود رسول عربی کی تمام زندگی
اقتدار و اختیار میں بھی درویشانہ گذری اور آل و اصحاب بھی سب کے سب نہایت سادہ
زندگی گذار کر دنیا سے رخصت ہوئے نہ جاہ و حشمت کی آرزو کی نہ اسباب عیش و تنعم پر
جھکے۔ قباؤں میں لیف خرمہ کے پیوند لگاتے رہے اور مصر کے گیہوں کے ڈھیروں میں
جو کے سوکھے ٹکڑے چباتے رہے۔ حضرت فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں

چکی اور بوریے کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن کو معرفت تھی یا ہوئی انہوں نے بھی ساز و سامان کو بیکار ہی سمجھا۔ حضرت عائشہ کے پاس کچھ تھوڑا سا سونا تھا جب آنحضرت کو آخری وقت کی بیہوشی سے ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ! کیا تم گوارا کرتی ہو کہ خدا کے رسول کا حساب آخرت میں طول کھینچے؟ وہ سونا جو تمہارے پاس رکھا ہے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جنگ خندق میں جب خندق کھدی تو اس کے کھودنے میں آپ خود بھی شریک تھے ایسی حالت میں کہ فاقہ تھا اور شکم مبارک پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ شیر خدا علی مرتضیٰ نے عسرت میں زندگی گزاری تھی۔ جب مہمّوں کے لیے چندے ہوتے تھے تو ڈھال تلوار ہی سامنے رکھ دیتے تھے۔ جن خشک ٹکڑوں پر در خیبر اکھاڑا تھا ان ٹکڑوں کے جو خود زمین کھود کر اور کدال چلا کر بوتے جوتتے تھے۔ کام کو فرض سمجھتے تھے۔ خود حضرت فاطمہ خانہ داری کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ فضہ لونڈی سے حصہ رسدی کام لیتی تھیں۔

شاہ ایران یزدجرد کا ایلچی مسجد نبوی میں پہنچا۔ خلیفہ کی تلاش کی۔ لوگوں سے پوچھا تمہارا بادشاہ کہاں ہے۔ وہ اس کو سمجھاتے ہوئے حوالے مدینہ میں لے گئے اور حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا جو سرہانے کوڑا رکھ کے ہاتھ رکھے سنگریزوں پر سو رہے تھے کہ یہ مسلمانوں کے امیر ہیں۔ ہمارے یہاں بادشاہ نہیں ہوتا۔ ایلچی ہیئت اور لباس کو دیکھ کر جس میں پیوند لگے ہوئے تھے گھبرا کر بولا کہ تم لوگ مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اتنے میں حضرت عمر کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ جب ایلچی کی نگاہ پڑی تو رعب دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔ ان بزرگوں کو رسول کی صحبت میں رہ کر دنیا سے کچھ دلچسپی نہ رہی تھی۔ سادگی سکھائی گئی تھی سادگی پسند تھی۔ یہ بتایا گیا تھا کہ غیرت کے ساتھ روزی کماؤ اور اسے اپنی ذات عیال عزیز و اقارب بیواؤں یتیموں مسافروں اور محتاجوں مسکینوں پر خرچ کرو۔ جمع کر کے دبا کر نہیں بلکہ خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ سائل اور محروم کے لیے مقررہ حق ہے۔ یہی کی اس محبت سے آنحضرت دلاتی جو

دوسرے وسائل سے ہٹا کر صرف زر پرستی پر لگا دیتی ہے۔ ملک کو افلاس کے حوالے کرتی ہے لاکھوں کو قوت لایموت سے محروم کر کے سرمایہ داروں کے دروازے کا غلام بناتی ہے اسی محبت سے ہٹایا گیا۔ "وتحبون المال حبا جما" تم مال کی محبت بہت کرتے ہو۔ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں کرتے۔ میراث کا حلال و حرام مال سب کھا جاتے ہو۔ "یاایها الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل الخ" مسلمانو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ دوستی ہے نہ سفارش ہے۔ "الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله لا یتبعون الخ" جو لوگ خدا کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور بعد میں نہ احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں وہ خوف و حراس سے چھوٹ کر اجر پائیں گے۔ وہ بے خوف اور بے غم ہوں گے جو رات دن چھپے اور کھلے اپنا مال راہ خدا میں صرف کرتے ہیں۔ جو خدا کے دیئے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں اس بات کو اچھا خیال نہ کریں یہ ان کے حق میں بدترین بات ہے۔ بعض جگہ خدا اور رسول پر ایمان لانے کے ساتھ خرچ کو ملا دیا ہے۔ "آمنوا بالله و رسوله و انفقوا الخ" اور جو ایمان لائے اور مال کو خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ موت آنے اور پچھتانے سے پہلے مال کو راہ خدا میں خرچ کرو۔ ضروری کاموں میں خرچ کرنے کی بار بار تاکیدیں ہیں۔ پھر جہاں اتنی تاکیدیں ہوں وہاں یہ سرمایہ داری کیا پیدا ہو سکتی ہے۔ "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" یہاں تک کہہ دیا کہ بغیر عزیز چیزیں خرچ کئے تم نیکی حاصل نہیں کر سکتے۔ "وما تنفقوا من خیر فان الله به علیم" جو مال تم خرچ کرو گے اللہ کو معلوم ہے۔ "الذین ینفقون اموالهم باللیل والنهار سرا و علانیة فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون" جو لوگ رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں ان کے لئے خدا کے یہاں اجر ہے۔ نہ وہ خوف زدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔ یعنی

خدا کی خوشنودی اور عمل کا اجر پائیں گے۔

یہی نہیں کہ مالدار اس میں بھی فائدہ اٹھالیں اور غریب یہاں بھی محروم رہیں۔ ان کو بھی جیب توفیق اجر ہے۔ فقیر کی پائی امیر کے دینار سے کم نہیں۔ "الذین ینفقون فی السرّاء و الضرّاء والکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس واللہ یحبّ المحسنین الخ جو لوگ فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔ غصے کو ضبط کرنے والے لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تو نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ لوگ کہ جب وہ برا کام کرتے ہیں اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے تو مغفرت ہے عمل کرنے ہی والوں کے واسطے تو جزا ہے"۔ اس آیت میں تحمل اور ضبط کی بھی تعلیم ہے اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی بھی ترغیب ہے۔ اور یہ بھی ثبوت ہے کہ خدا کے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔ یہ سب کے ہی لئے ہے۔ پادری گناہ بخشا کرتے ہیں اس کی [illegible]

آج کل چند سرمایہ دار کارخانے دار یا سود خوار دولت اکٹھی کر لیتے ہیں کسان مزدور یا متوسط طبقہ جس کی محنت سے امارت کے قصر تعمیر ہوتے ہیں وہ بیچارے ضروریاتِ زندگی کو ترستے ہیں۔ محنت ان سے زیادہ کرتے ہیں اور پھر تنگی ترشی اور فاقوں کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ حساس لوگ چیختے ہیں چلاتے ہیں کہ یہ ظلم ہے۔ دولت کو منجمد نہ کرنا چاہیے چلتی پھرتی رہے تو عام احتیاج گھٹ سکتی ہے۔ جتنی آدمیوں کی محنت کا اتنا صلہ دیا جائے کہ وہ بھی فارغ البالی سے گذارہ کر لیں۔ سب کو روٹی ملے سب کی حاجتیں پوری ہوں۔ اس میں نہ کسی قوم کا نقصان ہے نہ کسی ملک کا۔ نہ زمین پر گرانی ہے نہ آسمان کی برہمی ہے۔ سب کو پیٹ بھر روٹی ملنے لگے تو خدا کی خوشنودی ہو سکتی ہے۔ اس کی یا مذہب کی خفگی کا کیا امکان ہے۔ اس کے لئے وہ لوگ کسانوں کو ابھارتے ہیں۔ مزدوروں کو ہڑتال پر آمادہ کرتے ہیں تاکہ لالوں کی دھوتیوں میں سے پیسہ نکل کر ان مسکینوں کی

ضرورتوں کو پورا کرے تن ڈھانکے پیٹ بھرے اس سخت وقت میں مشکلات کچھ آسان ہوں کہیں لیڈر گرفتار کیئے جاتے ہیں۔ کہیں پر چاپا جاتا ہے کہیں گولی چلتی ہے اور پھر بھی حل مرحلے پر نہیں پہنچتا۔ دنیا میں بے چینی و اضطراب ہے کوئی کونہ گوشہ اس ہائے ہائے سے خالی نہیں۔ روٹی کا سوال اور سرمائے کی فریاد بلند ہے لیکن بے چینی کی اس تفصیل کا درماں ساڑھے تیرہ سو سال پہلے اسلامی نظام میں بیان کر دیا گیا تھا۔ جس پر ابتدا میں عمل ہوا پھر بعد میں مسلمانوں نے قرآن کو مولویوں کے حوالے کر کے اس کو سمجھنے اور غور کرنے کی زحمت سے جان چھڑا لی اور نتیجے میں اپنے اصول سے بے خبر ہو کر تمام جاہل بن کر بیٹھ گئے۔ جب وقت کا دباؤ ان باتوں کو سامنے لاتا ہے اور کتاب پر کسی واقف کی نگاہ پڑ جاتی ہے تو حیران ہوتا ہے کہ اسلام نے ان مشکلات کو کس طرح اتنے پہلے حل کر دیا تھا اور ہم کیوں بے خبر اور جاہل بنے بیٹھے ہیں۔

اس بارے میں سورہ حشر کے شروع میں صاف آیت ہے کہ:۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔

جو مال خدا گاؤں والوں سے رسول کی طرف سے عائد کرے وہ خدا و رسول اس کے عزیز و قریب یتیم مسکین اور مسافروں کے لئے ہے۔ "تاکہ ان کے ہی درمیان دائرہ نہ رہے جو تم میں امیر ہیں" آیت کا یہ آخری حصہ غور کے قابل ہے۔ آج کل جو یہ اشتراکیت کا شور ہے وہ اسی دفینے بازی اور پیسے کے اتحاد پر ہے کہ چند مالداروں کے پاس جمع ہے جاری ہو سادی ہو کر ضرورتیں پوری نہیں کرتا۔ اس کی موجیں غریبوں اور مسکینوں تک نہیں پہنچتیں۔ یہ صورت نہیں کہ کارخانے دار یا اور سرمایہ دار آمدنی کا بیشتر حصہ محنتی آدمیوں کے لئے محنت کا پورا صلہ مقرر نہیں کرتے۔

حکومت سہولتیں پہنچانے کے بعد کسانوں کی پیداوار میں سے کافی حصہ گذارنے کے لئے نہیں چھوڑتی دوسروں کو موقع دیتی ہے کہ خود کارخانے اور اسی قسم کے آمدنی کے صیغوں پر حاوی ہوکر خون چوسیں - ان چیزوں کو اپنے قبضے میں نہیں لیتی - اسلام میں گو اتنی تفصیل نہیں لیکن اس آیت سے بنیادی اصول قائم ہے - خلافت اربعہ کے زمانے میں ہر چیز حکومت کی تھی - نہ زمینداری سسٹم تھا نہ کارخانے داروں کو حاوی ہونے کی گنجائش تھی - سود کی لعنت یکسر فنا ہوگئی تھی - دین کے اختصار اور اس کی روشنی میں رسم رسوم بالکل مٹ گئی تھیں - اسی لئے عام رفاہ تھی - آفات آسمانی ہی خلل انداز ہوتی ہوں گی - وبائیں اور قحط مصائب لاتے ہوں تو دوسری بات ہے آدمی آدمی کو نہ چوستا تھا - کسی سے کوئی زیادتی ہوتی تھی تو آزادی کے ساتھ چارہ جوئی کر لیتے عدالتیں اونچی نہ تھیں - حکام تک پہنچنے میں نہ نذر نیاز کی ضرورت تھی نہ خوشامد کی حاجت تھی - دعویٰ کے کاغذ اسٹامپ کی لعنت اور رشوتوں کے خرچ سے دربار سرکار اور عدالتیں پاک تھیں درد رسیدہ لوگ اکثر تو اکثر خود خلیفہ کے سامنے جاکر فریاد کر لیتے تھے وہ خود بھی عوام کی تکالیف کو محسوس کرتے تھے - اس لئے کہ اپنے آپ کو اعلیٰ و برتر نہ سمجھتے تھے - نہ عرب کی فطری آزادی اُن کو انوکھا عجوبہ مخلوق سے بالاتر بننے دیتی تھی - حضرت عمر راتوں پھرتے تھے تاکہ لوگوں کی زیادتیوں اور تکلیفوں کا خود معائنہ کریں - جناب امیر حضرت اسد اللہ الغالب کی یہ حالت تھی کہ ناج کی بوریاں خود لادکر بیواؤں اور محتاجوں کے گھر پہنچاتے تھے بلکہ ان کی زدہ حالت دیکھ کر روتے تھے اور اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار محسوس کرکے پشیمان اور افسردہ ہوتے تھے -

اس نظام کا قومی خزانہ بیت المال آنحضرت کے سامنے ہی شروع ہوگیا تھا - چونکہ ہر کام کی بنیاد نیک نیتی پر تھی اس کا انتظام بھی انتہائی دیانتداری سے چلا - معذور محتاجوں کے لئے امداد مہیا ہوئی - یتیموں اور بیواؤں کو گذارے کی فکر سے سبکدوش کر دیا گیا - قومی متحدہ کاموں کا چلانا آسان ہوگیا - رفاہ عام کے ساتھ فوجی خدمات کے لئے وظائف مقرر ہوئے - بچوں تک کو فوجی وظائف دیتے جاتے تھے تاکہ ملک مذہب کی حفاظت کے لئے بوقت ضرورت ہو جائے

وقت پر پیدائشی سپاہی مہیا ہو جایا کریں۔ جوں جوں وسعت ہوتی گئی خزانہ بھی بڑھتا گیا۔ دیانتداری کا یہ حال تھا کہ ایک شب جناب علی مرتضےٰ اپنے عہد خلافت میں بیت المال میں بیٹھے حساب کتاب کی پڑتال کر رہے تھے۔ زیتون کے تیل کا چراغ سامنے رکھا تھا۔ اتنے میں آپ کے بھائی حضرت عقیل ناداری کی شکایت لے کر آئے اور وظیفے کی کمی کا گلہ کیا۔ آپ نے چراغ پر ہاتھ مارا وہ گل ہو گیا۔ انہوں نے اندھیرے کی شکایت شروع کر دی۔ فرمایا کہ یہ تیل مسلمانوں کے بیت المال کا ہے اور تم سے جو گفتگو رہی ہے وہ ذاتی نج کی ہے اس میں وہ تیل خرچ نہیں ہو سکتا۔ بنی امیہ کے نیک خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا ایک واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ خود خلفا کو بھی بیت المال سے اتنی ہی رقم ملتی تھی جو ان کی سادہ ضروریات کو پورا کر دے۔ وہ بزرگ ایثار و قربانی کا مجسمہ تھے۔ انہی کے مخلص ہاتھوں نے اس نظام کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم بنایا تھا۔ اگر وہ سادہ جمہوریت قائم رہتی اور بادشاہ پرست طبیعتیں خلل نہ ڈالتیں تو اس نظام کی خوبیاں دیرپا ہو جاتیں۔ مسلمان باہر کی دنیا کو بھی اس مذہبی اشتراکیت سے روشناس کر دیتے۔ بہ شومئ قسمت کہ بنی امیہ بروئے کار آگئے اور اپنی چالوں سے اس صورت کو بدل کر شخصیت پر کھینچ لیا۔ تاہم ان کے زمانے میں عصبیت کی وجہ سے کچھ عربی خوخصلت باقی رہی۔ پھر یہ کہ مذہب کا اثر گہرا تھا ان کے مسموم افعال و اعمال عوام پر اثر انداز نہ ہوئے لیکن بنی عباس کے اقتدار نے صورت حال بدل دی۔ انہوں نے عربی خودداری میں بجائے نرمی دیکھ کر عجم کو حاوی کر لیا اور وہ مخصوص باتیں عوام سے بھی چھٹ گئیں۔ بلکہ انکی پالیسی نے عربوں کی قومی زندگی کو فنا کر دیا۔ قوم اس طرح بیٹھ گئی کہ بصرے کی اخوان الصفا انجمن بھی جان نہ ڈال سکی۔ یہاں تک کہ چنگیزیوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور رہا سہا مرکز بھی ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گیا۔ ادھر ہسپانیہ میں بھی تفرقہ انگیزیوں اور حمیری مضیری رقابتوں نے رگیں توڑ دیں اور یہ نظام مسلماناں درگور و مسلمانی درکتاب کا مصداق بن گیا۔

امیہ کے آنے والوں نے اپنی ذہنیت اور اپنی خصوصیات کو چلایا۔ مذہب بھی وہ رہ گیا جو پانسو سال کی گذشتہ تحریفوں سے تیار ہوا ہے۔ یہ نظم رہا نہ سادگی اور خدا پرستی رہی۔ کتاب موجود

ہے سوائے کون دیکھتا ہے۔ گنجائش رزق اور مردے کی بخشش وغیرہ ہی کے کام آتی ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسلام نے سیر چشمی پیدا کرنے اور حرص و لالچ سے بچانے کے لئے اپنے اصول میں قلندری بھی آمیز کی تھی۔ سادگی اور نیت کی درویشی بھی سکھائی تھی تاکہ کاروبار کو بلند کرکے زر پرستی کے چکر میں نہ پڑیں۔ اصحابِ صفّہ اسی قلندری کا نمونہ تھے۔ ایک طرف میدانِ جنگ میں مال و جان اور دین و ایمان کے دشمنوں کی صفیں کاٹتے تھے۔ دوسری طرف مسجد نبوی میں بیٹھ کر بے غمی اور قلندری کے ساتھ درسِ حیات لیتے تھے۔ ایک طرف سیاسی اور مذہبی پیش آمدوں میں رائے زنی کرتے تھے۔ دوسری طرف تھوڑی چیز پر قناعت کرکے افلاس اور سامانِ حیات دونوں کو ٹھکراتے تھے۔ کچھ یہ بھی نہ تھا کہ فکرِ روزی سے یہ راہبوں اور جھنڈوں کی طرح فارغ البال تھے۔ احتیاج کی یہ حالت تھی کہ خدا کو خود ان بیچاروں کی سفارش کرنی پڑی۔ "وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ الخ" مسلمانو! جو مال تم خرچ کروگے وہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے۔ اور تم کو سوائے اللہ کی رضاجوئی کے اور کسی نیت سے خرچ نہ کرنا چاہیے۔ جو کچھ خرچ کروگے تم کو دیا جائے گا۔ تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا" خیرات ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ کے راستے میں اٹک گئے ہیں۔ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار خیال کرتا ہے۔ تو انہیں ان کے چہرے سے پہچانتا ہے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔" خود رسول بھی اچھے وقت میں بھی ضرورت سے زیادہ نہیں لیتے رہے۔ اصل میں یہ قلندری نہیں کہ پھر تو ایک لنگوٹی یا چادر میں گذارہ دے اور پیر و حرص و لالچ کو ایمان بنا کر بھیجا جی کی پوجا کریں۔ سارے فلسفے چاٹ کر بھی پیسے کو مٹھی سے نہ چھوڑیں۔ مسلمان بھی اس مقام کو غور سے دیکھیں کہ کن لوگوں کی مدد کرنی چاہیئے کون حقدار ہیں۔ وہ کبھی ایسا ناکارہ بے نشہ پیرزادوں اور مزاروں کے نکھٹو مسٹنڈوں کی پرورش کرکے قوم میں بیکار عنصر کو بڑھا

کر ظلم کرتے ہیں ۔

یہ اسلام ہی نے بتایا کہ انسان کو پیسہ کتنا چاہیئے ۔ بس اتنا کہ ضرورتیں پوری ہو جائیں اور بے تشویش عمر گذر جائے ۔ تنگی ہو تو سب کے لئے ہو اور فراخی آئے تو سب حصے دار ہوں یہ خیال کہ دنیا پیسے سے چلتی ہے ۔ کاروبار سرمائے سے سنبھلتے ہیں ٹھیک ہے لیکن یہ چیزیں حکومت کے ہی پاس ہونی چاہیئں ۔ کَی لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ اَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ " تاکہ حریص طبیعتیں غریبوں کا خون چوس کر کاریں نہ خریدیں عیاشی نہ کریں اور اسباب عیش و عشرت مہیا کر کے مفلس محروموں کا کلیجہ نہ دکھائیں ۔ اگر اسباب حیات مستقل اور بے خطر ہوں تو کروڑ پتی بننے کی آرزو بیکار ہے ۔ برلا ہوں ڈالمیاں ہوں یا احمد آباد کے کارخانے دار جو روپے کے انباروں پر بیٹھے دنیا کو خریدنے کا دعویٰ کرتے ہیں حصے میں تو وہی دھوتی اور بینگن کی بھجیا ہے ۔ مانا کہ کانگریس ان کے ہی سونے سے سنہری ہو کر کام کرتی رہی ہے ۔ سرمایہ داروں ہی نے اس میں دم خم رکھا ہے ۔ لیکن سرمایہ داری کی فضیلت کا یہ ثبوت بھی بے حقیقت ہے اس لئے کہ غریب مسلمان بغیر کروڑ پتی مخلوق کے اپنے ناممکن مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں ۔ یہ زمانہ وہ نہیں کہ پیسے کے سر بفلک تودے لگانے چاہئیں اس کے تودے بیت المال ہی میں ہونے چاہیئں تاکہ ٹھیک تقسیم ہو سکے اور بھوک کا صحیح علاج نکل سکے ۔ سرمایہ داری کا انجام ابھی افلاس اور تنگدستی ہی دیکھا ۔ انگریز نے زر پرستی کی بنیاد رکھی ۔ جوع الارض کی پیاس لگائی دنیا کا مرکز بنا ۔ اور چاروں طرف سے سونا چاندی اور پیسہ کھینچ کر انگلینڈ میں بھرتا رہا ۔ انجام یہ ہے کہ بیچارہ قلاش بیٹھا ہے ۔ احتیاج کو ترس رہا ہے ۔ سرمایہ دار کے دامن میں پناہ لے رہا ہے ۔ شراب کے خم لنڈھانے والوں کو چار سگرٹ بھی ڈھنگ کے نہیں ملتے ۔ پیسٹری پڈنگ اور کیک کی ڈبل روٹی بھی مشکل سے مہیا ہے ۔ ہمارا حال پھر اس سے بہتر ہے ۔ ہماری کم مائیگی میں عیش و عشرت کی یاد نہیں جو پہلے چین کے تڑپا سکے ۔

اسلامی نظام میں بہترین بات یہ ہے کہ اس نے بلند ترین اخلاق کے ساتھ اغیار کی ٹھوکریں کھانے کو بہتر نہیں سمجھا بلکہ صبر و تحمل درگذر اور معافی کی تاکید کر کے تھپڑ کا جواب تھپڑ سے اور تلوار کا جواب تلوار سے رکھا ہے۔ نرم خو مذاہب نے دنیا کی فطرت کے خلاف نری چکنی چکنی میٹھی میٹھی باتوں میں الجھا کر سخت وقت کا کوئی تدارک اور ظلم و ستم کا صحیح علاج تجویز نہیں کیا۔ یعنی جب قابو طلب طاقت ور اور ظالم سنگدل وحشی زندگی پر اتر آئیں کسی لجاجت پر کان نہ دھریں۔ کسی برتاؤ سلوک کو خاطر میں نہ لائیں انتقام میں حد سے گذر جائیں مجبور و معذور کر کے بہادری دکھائیں تو اس وقت کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے۔ کسی نے دوسرا گال پیش کر دینے کی فرمائش کی۔ کسی نے ہر صورت میں صلح و آشتی کا مشورہ دیا۔ کسی نے اس ذکر کو ہی نظر انداز کر دیا۔ لیکن اسلام نے اپنے قابل قدر اصول کی تکمیل کرتے ہوئے حکم دیا کہ دانت کا دانت سے آنکھ کا آنکھ سے بدلہ لو۔ ہر حکم میں تو ایمان لانے والوں سے خطاب ہے لیکن اس حکم کا خطاب عوام سے نہیں صاحبان عقل و دانش سے ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ "اے سمجھدارو! بدلے میں تمہارے لئے زندگی ہے" یہ اس لئے کہ بدلہ ہی ایسی چیز ہے جو وحشی جانوروں کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جب حملہ آور مقابلے میں کسی کو تیور بدلے ہوئے نگاہیں چڑھائے ہوئے تکا تانے ہوئے بپھرا ہوا غضبناک دیکھتا ہے تو دل بیٹھ جاتا ہے قدم رک جاتا ہے بڑھی چڑھی ہمت بھی پست ہو جاتی ہے۔ عقل والوں کو اس لئے چنا گیا ہے کہ ان باریکیوں کو اس حکم کے فلسفے کو عوام نہیں سمجھ سکتے تو ہر وقت نرم خوئی کا وعظ کرنے والے بھی سمجھ کر کہتے جو کچھ کہتے۔ دوسری وجہ اہل بصیرت کو مخاطب کرنے کی یہ ہے کہ اسلام نے عقل جیسی اہم چیز کو بیکار نہیں کیا جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ عقل بے چین ہے ایک خیال پر نہیں ٹکنے دیتی۔ راہ سے ہٹا دیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام نے جہاد کو رکن دین قرار دے کر مذہب مال و جان

عزت آبرو کی حفاظت کا طریقہ بتا دیا۔ جب دنیا میں جھگڑے فساد سے مفر نہیں تو ان خرابیوں کا بھی
کسی اصول پر مٹنا واہونا چاہیئے۔ پہلے صلح و جنگ کے اصول قاعدے بے جوڑ تھے۔ عہد و پیمان
اور زبان کی پاسداری برائے نام تھی اور اب بھی اور بھی قوموں میں کوئی پابندی نہیں۔ ابھی معاہدے
کرتی ہیں ابھی پھر جاتی ہیں۔ یا کہہ دیتی ہیں کہ ان کاغذ کے پرزوں کو پھاڑ کر پھینک دو۔ نہ انتقام کی
حد ہے نہ اور کسی قاعدے کی پاسداری ہے۔ اسلام نے عہد و پیمان کو لوہے کی مضبوط تاروں
سے جکڑ دیا ہے "اوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکید
ھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا" مسلمانو! جب تم عہد باندھو تو اللہ کے عہد کو
پورا کرو۔ قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ قسم کھاتے وقت اللہ کو ضامن ٹھہرا چکے ہو
"کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون" اللہ کو یہ بات سخت ناپسند
ہے کہ تم وہ بات کہو جو نہ کرو۔ یہی احکام تھے جنہوں نے مسلمانوں کو فراخ دل اور استوار
بنایا تھا۔ عہد شکنی نہ کرتے تھے۔ معافی اور درگذر کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ عہد و
پیمان کی مضبوطی ان کے حالات سے معلوم ہو سکتی ہے۔ بدلے میں بھی اخلاق و حدود سے باہر
نہیں نکلے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به
ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین" اگر تم بدلہ تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف
پہنچائی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔ جہاد کے مقامات ان
لوگوں کو خاص طور پر دیکھنے چاہئیں جو بہت باریک تہذیب کے قائل ہیں بلکہ عامل ہیں۔
اس لئے کہ ان کی اسی رنگین دنیا میں ایسے وقت آجاتے ہیں کہ چھاتی پر چڑھ کر انسان کی نسیں اور
رگیں کاٹنی پڑتی ہیں۔ زندہ رہنے کے لئے یہ کام ضروری ہو جاتا ہے۔ پھر جب اس سے مفر نہیں
تو کھر دراپن بھی قائم رکھنا چاہیئے تاکہ دشمن نرم لقمہ سمجھ کر نہ مٹا دے۔ قرآن نے اسی لئے ایسی تہذیب
سے احتراز بتایا ہے "ولیجدوا فیکم غلظة" اور چاہیئے کہ کافر تم میں سختی اور اکھڑ پنے
کا مزہ پائیں" تہذیب کو ضرور لازمہ بنایا جائے لیکن وہ تہذیب موت ہے جو دل و دماغ پگھلا دے

البتہ اُس دلیری پر بھی لعنت ہو جو بد عقلی بے حسی اور وحشی پنے سے پیدا ہوتی ہے اسلام نے تو اخلاق سکھا کر دلیری کی ترغیب دی ہے - جرأت کو سمجھ میں کا ہنر کیا ہے -

مخالف اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان خواہ مخواہ ایران و روم پر چڑھائیاں کرتے رہے - حالانکہ ان حملوں کے اسباب تھے جو بیان کر دیئے گئے ہیں - شاید عراق کے بعد قدم رک جاتے لیکن یزدجرد نے شان کسروی دکھا کر سلسلہ بڑھا دیا اور آخر کار سارا ملک دینا پڑا - اسلامی اصول کو عربوں نے نبھایا لیکن بعد والوں نے بھی بلاوجہ یورشیں نہیں کیں - محمود غزنوی نوعمر تھا جب اس کے باپ سبکتگین پر انند پال اور جے پال باپ بیٹے چڑھ دوڑے اس ارادے پر کہ بڑھتی ہوئی طاقت کو اس کے مقام پر کچل دیں - آخر منہ کی کھائی اور خراج کی شرط پر جان چھڑا کر واپس آئے اور پھر خراج سے انکار کر دیا تو بھڑوں کا چھتہ چھیڑ کر خود ہی سبکتگین کے ہاتھوں تباہ ہوئے اور محمود کے لئے راستہ کھول دیا - وہ دیکھ چکا تھا کہ یہ فرسودہ قوم ولایتی تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتی - یہ روئے کار آتے ہی پرانی عداوت کا بدلہ لینے کے لئے بڑھا اور سترہ حملوں سے تمام ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا - پھر دشمنوں اور دشمنوں کے دوستوں کو پسپا کرنے میں رکاوٹ کی تھی - یہی صورت عہد عبدالملک میں عربوں کے ساتھ پیش آئی تھی مسلمان تاجروں کو کراچی کے پاس لوٹا گیا - اور سب کو قید کر لیا گیا - عبدالملک نے راجہ داہر کو لکھا کہ مجرموں کو سزا دے - اس نے ٹال کر کہہ دیا کہ وہ بحری قزاقوں کا کام ہے اور وہ میرے بس میں نہیں - پھر محمد بن قاسم نے کیا جو کچھ کیا - اسی طرح کے اسباب پیدا ہوتے رہے اغیار سے آویزش کے -

دنیا چھین جھپٹ ہے - لڑائی سے مضر نہیں - شروع اسلام میں ہی مخالفوں نے سخت اذیتیں دیں تھیں جنگ کا حکم دیا گیا تاکہ ابو جہل اور ابو سفیان یا اور ایسے ہی دشمن ظلم وجود نہ یا نہ آ جائیں - مسلمان تھوڑے تھے - نیلے سر و سامانی لیے لقضا غنی ساتھ تھی

اس لیئے احکام جہاد بہت زور لگا کر دیئے گئے۔ طرح طرح سے سمجھایا اور احکام بھیجے کہ دشمنوں نے تمہیں وطن سے نکالدیا ہے اذیتیں پہنچائی ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں کفر و شرک پر لوٹالیں۔ تم پر حملے کرتے ہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں تو مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے راستے میں اُن بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کے لیئے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال (مکہ) جس کے لوگ ظالم ہیں۔ ہمارا کوئی حمایتی پیدا کر اور کوئی مددگار بنا دے "فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الخ" ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض بیچتے ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں لڑے مارا جائے یا غالب رہے ہم اسے بڑا ثواب دیں گے۔ "کتب علیکم القتال الخ" تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا وہ تم پر گراں ہے۔ شاید ایک چیز تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور شاید تمہیں ایک چیز پسند ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ "وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ" ان سے لڑو یہانتک کہ فتنہ جاتا رہے "ان اللہ یحب الذین یقاتلون الخ" اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں قطار باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ مضبوط دیوار ہیں۔ "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ "یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ" مسلمانو خدا کے مددگار بن جاؤ۔

ان احکام نے مظلوموں کو اس قابل کر دیا کہ طاقت و رسامان والے دشمنوں پر غالب آئے اور پھر مظلوموں کے حامی بن گئے۔ زمانے نے پھر وہی صورت پیش کی ہے۔ مسلمان نازک حالت میں ہیں۔ یہیں یہ حال ہے کہ تین کروڑ ایسے دشمن کی مٹھی میں ہیں جو مسلمان کا نام نشان مٹانا چاہتا ہے۔ ہر ایک پاس لحاظ سے بیگانہ ہو کر تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انشاء اللہ مسلمان ہی ان کے ممدو مددگار ہوں گے اور ظالم ہاتھوں سے بچائیں گے۔

اب دنیا میں آزاد جدید نظام چل رہے ہیں بہت باریک اور جامع۔ اور شک نہیں کہ مفید ہیں اصول پر مبنی ہیں۔ انسان کو بہت آگے نکال لے گئے ہیں۔ نئے سامان ہیں۔ نئے اسباب ہیں لیکن اس کا یقین کرنا چاہیئے کہ مذہب کے نام پہ کوئی نظام تلاش کیا جائے تو وہ اسلام کے سوا دوسرا نہیں۔ اور اگر دنیا پھر واپس لوٹی یا مذہب کی ضرورت محسوس کی تو اسلام سے زیادہ مکمل دستور العمل نہ پائے گی۔ اس میں اخلاق بھی ہیں اور اصول بھی ؛

ساتواں عکس

اضافے

بے مہری کے چند گلے تھے کچھ کہنا کچھ پی جانا
سیفی! اُن کی کج بحثی پر کہنی پڑی اَن کہنی بھی

دنیا میں ہدایت و رہبری کے لئے جتنے بھی مذاہب آئے انسانی کمزوریوں کی در غور سے محفوظ نہیں رہے۔ یہ حال ہوتا رہا ہے کہ بنانے والا گیا اور اُس کے پیٹھ پھیرتے ہی صاف ستھرے تنے میں سے شاخیں کونپلیں پھوٹنی شروع ہو گئیں۔ ان میں بھی جو تھوڑی بہت اصول لے کر آئے اور اُن میں بھی جو صرف چند اعتقادی باتیں لے کر دماغوں تک پہنچے۔ خدا کے نام پر جو پہنچائے گئے اُن میں انسان پرستی خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے شعبدہ بازی کر کے پیروزان کو من بھر کر لیا اور بہت جلدی اپنے خیالات کو شارع کے اختصاد میں ملا کر آپ حیات کر رکھدیا گیا۔ تعجب تو ان مذاہب پر ہوتا ہے جو خدا کے نام پر نہیں پھیلائے گئے بلکہ بعض مذہب کے خلاف چلے اور آزاد خیالی پر مبنی رہے۔ وہاں تو تبدیلی کا امکان اس لئے تھا کہ وہم زدہ دماغوں کی نکتہ آفرینی لانے والے اور اس کے معاونوں کی شخصیت کو کھینچ کھینچ کر الوہیت تک پہنچاتی رہی۔ ان کے نزدیک خدائی درجہ اہم تھا۔ خدا بنا کر اپنے وہم اور خوش اعتقادی کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ دم نہ لیتے تھے جب تک انہیں دنیا و مافیہا کا مالک نہ بنا دیں۔ مگر آزاد مذاہب میں تو یہ قصہ ہی نہ تھا پھر شاخیں کس طرح نکل آئیں۔ جہاں تھا بدھ کو بھگوان بنا ہی دیا گیا فرقے نکال لئے گئے۔

جین مت میں بھی کونپلیں پھوٹ نکلیں اور کافی اختلاف پیدا ہوگیا حالانکہ مہاتما مہابیرجی کو خدا بھی نہیں بتایا۔ خیر ان کی تفصیل مقصود نہیں اس وقت تو اسلام کے اختلافات کا ذکر مطلوب ہے۔ اس لئے کہ اسلام نے اختلاف کا راستہ بہت احتیاط سے بند کیا تھا۔ کسی مذہب میں آئندہ کی احتیاط کا ذکر نہیں لیکن قرآن نے نہایت زور سے فرقہ بندی کا انسداد کیا ہے۔ پھر یہ بیسیوں فرقے کیوں اور کس طرح نکل آئے۔ رات دن مسلمان اُن آیات کو پڑھتے رہے جن میں کھلے طور پر تفرقہ اندازی سے تاکیدیں کرکے روکا گیا ہے۔ ساری تاکیدیں رکھی رہ گئیں اور ہر طبقے نے اپنے آپ کو صحیح اسلام کا متبع سمجھ کر علیحدگی کا اعلان کردیا۔

اس کی تفصیل کے لئے شروع سے نظر ڈالنی چاہیئے۔ اُن باتوں کو دہرا کر خاکہ سامنے رکھ لینا چاہیئے جن پر اسلام موقوف ہے اور جو اس دین متین کی بنیادی باتیں ہیں۔ اسلام کا خاکہ پیش نظر رہے گا تو کمی زیادتی کا اندازہ ہو سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں اسلام نے ظہور کیا عرب میں تقریباً ہر خیال کے لوگ موجود تھے۔ حجاز میں یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ عیسائی تبلیغ سے متعدد قبائل متاثر ہو چکے تھے مغربی سمت میں گرجا اور راہب خانے بنے ہوئے تھے۔ بابل کے صابی خیالات بھی ملتے تھے۔ سیریا اور مصر کے بچھڑے بیل کی عبادت سے بھی ناواقفیت نہ تھی۔ آتش پرست حکومت سے گہرا سابقہ تھا۔ کہ چند بگڑی ہوئی ابراہیمی رسوموں کے ساتھ لات وہبل جیسے بتوں کے سنگین وجود میں خدائی مظہر بنا ہوا تھا۔ رسول عربی نے انہی باطل پرستوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرکے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا کہ "تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً" "لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر" "عالم الغیب والشھادۃ العزیز الحکیم" جو کچھ تم لوگ سوچ رہے ہو یا جن خیالات میں پھنسے ہوئے ہو خدا ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ یہ جو تم نے اس کی خدائی اپنے من مانے خداؤں اور بزرگوں کو دے رکھی ہے غلط عطیہ ہے ملک اور تعریف اسی کے لئے ہے وہی ہر بات پر قادر ہے۔ یہ بزرگ اور خدا جو تم نے مان

رکھے ہیں سب معذور و مجبور ہیں - وہی کھلے چھپے کو جاننے والا اور غالب حکمت والا ہے ۔ وہی موت اور زندگی کا خالق ہے - حکم ہوا کہ اے رسول ان سے کہدے کہ خدا ایک ہے وہ بیت بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا ہے اس کا جوڑ کوئی نہیں ہے " جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الخ " ان لوگوں نے جنہوں کو اللہ کا شریک ٹھیرایا حالانکہ وہ اس کی مخلوق ہیں - بغیر علم کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراشیں وہ پاک ہے اور ان باتوں سے پاک جو وہ بیان کرتے ہیں - زمین اور آسمان کا بنانے والا ہے - اس کے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے جب اس کے بیوی ہی نہیں - اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے " ذٰلِکُمُ رَبُّکُمۡ لَہُ الۡمُلۡکُ وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ " یہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے - اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا اسی کی ہے - اور یہ جو اس کے علاوہ پوجتے ہیں وہ تو تنکے کا بھی اختیار نہیں رکھتے - تم اسی کو پوجو - وہی ہر چیز کا نگہبان ہے وہی دینے اور چھیننے والا ہے - اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے - وہی اول ہے وہی آخر ہے - وہ قادر مطلق موجود بالذات جزو و کل ہر تصور سے بالا اور ہر قیاس سے منزہ ہے - وہ اکیلا بلا شرکت غیرے اپنی خدائی کا مالک ہے - بس یہ سمجھ لو کہ وہ نور ہی نور ہے - وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے " وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ " اے رسول! جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو سمجھا دے کہ میں قریب ہوں - میں جواب دیتا ہوں جب بندہ مجھے پکارتا ہے - ان کا بھی فرض ہے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں شاید وہ ہدایت پا جائیں ۔ " وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ " - تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا ۔ " هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ " یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار برکت والا عالموں کا پالنے والا ! وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں - اسی کی عبادت کرو خلوص کے ساتھ

اور کسی کو نہ بلاؤ جن کو تم بلاتے ہو وہ تو آسمان و زمین سے روزی دینے پر ذرا سا بھی اختیار نہیں رکھتے " فلا تضربوا للہ الامثال " لوگوں اس کے بارے میں اٹکلیں نہ چلاؤ۔ مثالیں نہ دو۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوست اور کارساز نہیں ہے۔

یہ ہیں ان تفصیلوں میں سے چند سطریں جو قرآن نے خدا کے بارے میں بیان کیں اور رسول نے مسلمانوں کے دلوں میں سوائے اس کی ذات کے اور کسی دوسرے کا خیال تک نہ چھوڑا۔ یہی تھا بڑا مدعا رسولِ عربی کا سب سے بڑا۔ تمام قرآن مجید کفر و شرک کی تہدیدوں سے پٹا پڑا ہے۔ کافروں اور مشرکوں کو سخت دھمکیاں دی ہیں کہ جو ماسوا کو پوجتے ہیں ہم ان کو دوزخ کی آگ میں جھونیں گے۔ سخت عذاب دیں گے پھر کہیں گے کہ اپنے مددگاروں کو بلاؤ " یخوفونک بالذین من دونہ " اے رسول! یہ لوگ تجھے ان سے ڈراتے ہیں جو خدا کے سوا ہیں " ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء الخ " کیا انہوں نے خدا کے علاوہ سفارشی بنا لئے ہیں۔ کہدے ساری سفارشیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سوائے اس کے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ قل ارایتم ما تدعون من دون اللہ الخ " اے رسول! ان سے کہدے کہ بھلا دیکھو تو سہی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھلاؤ انہوں نے زمین سے کیا پیدا کیا اور آسمانوں میں ان کی کیا شرکت ہے۔ ثبوت میں کوئی آسمانی کتاب دکھاؤ کوئی علمی روایت لاؤ۔ جو خدا کے سوا کو بلاتا ہے اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔ والذین اتخذوا من دونہ اولیاء اللہ حفیظ علیہم وما انت علیہم بوکیل " جنہوں نے اللہ کے سوا اور رفیق پکڑ رکھے ہیں اللہ کی نظر میں ہیں وہ انہیں آپ دیکھ لیگا تو ان پر داروغہ نہیں ہے " ام اتخذوا من دونہ اولیاء الخ " کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز مقرر کئے ہیں۔ اللہ ہی کارساز ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے وہی مردوں کو جلاتا ہے۔

کفر پر تو سلے دسے کی ہی ہے لیکن شرک پر تو ڈانٹ ڈپٹ میں حد کر دی ہے۔ سخت تہدید
کی ہیں۔ یہاں تک کہدیا۔ کہ " اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ " بیشک خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک
ٹھیرایا جائے باقی رہے اور گناہ سو جس کو چاہے بخشدے؛ یہ آیت سورۂ نساء میں دو جگہ
ہے۔ شرک سے بچنے کی اس سے زیادہ اور کیا گواہی ہو سکتی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ ایسی
تہدیدوں کے بعد اسلام میں کس طرح شرک داخل ہو گیا۔ اللہ کے بارے میں اتنی وضاحت
ہے کہ اور کوئی کتاب اتنی تفصیل بیان نہیں کرتی۔ شرک کے بارے میں ایسی بے پناہ دھمکیاں
ہیں۔ تفرقہ انگیزی سے بچانے والی آیتیں عن قریب آئیں گی۔ شرک سے بچنے کی تہدیدیں
دو ایک اور بھی دیکھ لی جائیں تو اچھا ہے " وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا "
اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو ذرا بھی شریک مت ٹھیراؤ " وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَاءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ الخ " جو اللہ کے سوا
دوسرے شریکوں کو پکارتے ہیں سوائے وہم کے کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے صرف اٹکلیں
دوڑاتے ہیں۔ قرآن مجید اس تنبیہ سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً یہ لوگ سفارشیں پیدا
کرتے ہیں۔ خدا کے کاموں میں شریک کر کے اپنی بد اعمالی کی گنجائشیں نکالتے ہیں۔
مسلمانو! نجات نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے۔ نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر "
مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا یُّجْزَ بِہٖ الخ " جو برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور
یہ لوگ سوائے خدا کے نہ کسی کو دوست پائیں گے نہ مددگار۔ جس نے خدا کا شریک ٹھیرایا
بیشک وہ گمراہی میں پڑ گیا "

یہ چند مقامات لکھنے کے بعد دکھانا یہ ہے کہ شرک کیا چیز ہے جس کے بعد ہر ایک نیک
عمل بیکار ہو جاتا ہے جس سے خدا نے اتنا ڈرایا ہے۔ یہانتک کہدیا کہ مشرک نجس ہیں

اب سے حرم میں داخل ہوتی - حالانکہ اسلام روشن خیالی ہے - آدمی کو ناپاک نہیں سمجھتا -
سب پر شفقت و رحمت کا حکم دیتا ہے - شرک ایسی کیا چیز ہے کہ کتنا نیا دیتا ہے ہر عمل خیر اکارت
ہو جاتا ہے - شرک ایسا معتوب و مغضوب ہے کہ جس کا ٹھور ٹھکانا نہیں - گویا مذہب میں
شرک سے بڑھ کر کوئی خطا نہیں - ہر ایک نیکی اس سے اجتناب کئے بغیر بے سود ہے -
دنیا میں کفر بہت کم رہا ہے - انکار کرنے والے ہر زمانے میں تھوڑے سے تھے - اکثریت
خدا کو مانتی رہی ہے - جس صورت میں بھی مانا ہو - مشرک اصل میں وہی تھے جو خدا کا اقرار
رکھتے تھے لیکن بزرگوں کو اس کا شریک گردانتے تھے - اس خصوص میں اہل کتاب اور
غیر اہل کتاب سب یکساں ہے - اور ہر مذہب کی اکثریت اس لعنت میں پھنسی رہی ہے -
شاذ و نادر ہی کوئی وسیع النظر صوفی اس سے منکر ہوتا ہوگا - کوئی کہتا تھا کہ خدا کے بیٹے بیٹیاں
ہیں اور چونکہ اولاد باپ کے کاموں کی حامل ہوتی ہے اس لئے حضرت عزیر حضرت
عیسیٰ اور دیگر بزرگ خدا کی خدائی میں دخل ہی نہیں رکھتے بلکہ انہیں کے انتظام سے
کاروبار چل رہے ہیں - بت پرست کہتے تھے کہ ہم ان پتھروں کو خدا تھوڑا ہی سمجھتے
ہیں یہ تو فلاں بزرگ کی یادگار ہیں - وہ خدا کے چہیتے ہیں ان کے تصور سے خدا کا تصور
بندھ جاتا ہے - یہی اس کے نزدیک ہمارے سفارشی بنیں گے - ہم ان پر نگاہ جما کر خدا کا
تصور باندھتے ہیں - ورنہ ہم جانتے ہیں کہ یہ پتھر ہیں اور پتھر خدا نہیں ہو سکتا - یہ فلسفے
سمجھدار سنبھلے ہوئے لوگ نکالتے تھے اور بحث میں سوال جواب کرتے تھے - ورنہ
عوام تو اس تاویل سے بھی بری تھے - حبیب بننے والے ہی کہتے تھے کہ محمدؐ! تم ہمارے
بتوں کو برا نہ کہو - ہمیں تکلیف ہوتی ہے ان کی ذلت گوارا نہیں - اگر تم ایسا کہو تو ہم
مسلمان ہونے کے لئے تیار ہیں - لیکن رسول نے کبھی یہ نہ کہا کہ اچھا میں ان سے چشم
پوشی کئے لیتا ہوں تم مسلمان ہو جاؤ - اس لئے کہ اسلام آخری مذہب تھا قرآن آخری کتاب

تھی - اس حجت آخر کے بعد دین کا دور نہیں یورپ کا دور آنے والا تھا - یعنی اصلاح کا نہیں الحاد ولے دینی کا دور جس میں انسان نے اپنے معاملات کو خود سنبھالنے کی جرأت کی -

رسول عربی نے کوشش کی انتہائی کوشش کہ غیر اللہ کو دلوں سے نکال کر خدا کا صحیح مفہوم دماغوں میں بٹھا دیا جائے تاکہ بعد میں جو کچھ بھی ہو خدا کو ماننے والے اس کو صحیح اور سچے طریقے پر مانتے رہیں - آپ کا سب سے بڑا مدعا یہی تھا اور اس میں کامیاب رہے - یہ بتایا کہ سوائے اس کے کسی کو نہ پوجو وہ ایسا اور ایسا ہے - صاف ظاہر ہے کہ مشرک جن کو شریک کرتے تھے ان کو مستقل علیحدہ خدا نہ مانتے تھے بلکہ یہی کہتے تھے کہ خدا تک رسائی کا وسیلہ ہیں - شفیع ہیں سفارشی ہیں روزی دلواتے ہیں - اولاد بخشتے ہیں زمین سنبھالتے ہیں - آسمان اٹھاتے ہیں خدائی کے دارومدار ہیں حاجت روائی انہی کے ذریعے سے ہو سکتی ہے - حکم ہوا کہ " وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ " جن لوگوں نے اس کے سوا حمایتی پکڑ رکھے ہیں اور کہتے ہیں ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں - یہ لوگ جو کچھ اختلافات کر رہے ہیں بیشک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا - اللہ ایسے ناحق شناس جھوٹوں کو ہدایت نہیں کرتا " اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ الخ " اللہ خوب جانتا ہے جس جس چیز کو وہ اس کے سوا پوجتے ہیں " وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ الخ " وہ معبود جنہیں وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں - مردے ہیں جن میں جان نہیں ہے - یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے - لوگو! تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں "

قرآن مجید میں شرک سے بچنے کے لئے ایسی کھلی وضاحتیں ہیں - یہی نہیں کہ رسول

کی زبان سے نکلیں اور دلوں سے غیر اللہ کو نکالتی چلی گئیں - یہی تعلیم تھی کہ مسلمان خدا کے دیوانے بن گئے تھے - شاید ہی کسی قوم نے اس کے لئے اتنی قربانیاں دکھائی ہوں جتنی مسلمانوں نے دیں - ہاں بنی اسرائیل اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ دے سکے - یہ وہ مقصد تھا کہ لاکھوں نبی اسکی تکمیل نہ کر سکے تھے رسول عربی نے انسان کو اللہ والا بنا دیا - اس طرح کہ اغیار بھی سن سن کر الٹ گئے - لوتھر نے شرک بت پرستی کے خلاف وعظ کیا - ہندوستان کے بتکدے میں ہل چل مچی - راما نج جی نے ایک خدا کی پوجا کا وعظ کیا - اور کہا کہ عبادت ہی مکتی کا ذریعہ ہے اُسی کی عبادت کرو وہ ایک ہے - کبیر بھگت اٹھے اور بت پرستی کے خلاف سمجھایا - شرک کو دور کرنے کی کوشش کی - ہندو مسلمان کو ملانے کی کوشش کی - ایک بزرگ گورو نانک ہیں جو وحدانیت کا وعظ کرکے ہندوؤں کو خدا پرست بننے کی "تلقین" کرتے رہے اور شرک سے بچاتے رہے -

جس قوم نے دنیا میں خدا کی پرستش کرائی - شرک کے رگ ریشے کاٹ پھینکے چھاتی کوٹنے کا مقام ہے کہ اُس میں اب سب سے زیادہ شرک ہے اور نہایت سختی سے نہ صرف اس کی حمایت کر رہی ہے بلکہ دلائل و براہین سے ثابت بھی کرتی ہے کہ حضرت سلیمان بھی تماثیل بنواتے تھے ہم بھی بزرگوں کی یادگاریں بنا بیٹھے ہیں تو کیا حرج ہے - عبرت پر عبرت ہے کہ جس رسول نے شرک کو مٹانے کے لئے اتنی صعوبتیں اٹھائیں اس کی اُمت اور اولاد شرک پر مصر ہے - اب اگر آنحضرت خود بھی آجائیں تو یہ لوگ ان لغویات اور خرافات سے باز نہ آئیں اور موحد نہ بنیں - آہ رسول نے تو آخری سانس تک سمجھانے اور بچانے کی کوشش کی - اتنا بڑا انوکھا کارنامہ کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو نور ظہور نہ بنایا - محض اس احتیاط پر کہ مسلمان پھر انسان پرست نہ ہو جائیں - اور جس ہزاروں سال کے شرک کو ہزار دقت و خرابی رگوں سے نکالا ہے وہ پھر لوٹ کر دل و دماغ پر نہ چھا جائے - آخری وقت بھی تاکید کی کہ "لعن اللہ الیہود والنصٰری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد" اے خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت

کرے انہوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ
ابن مریم فانما انا عبدہٗ فقولوا عبد اللہ و رسولہ۔ مسلمانو! میرے
متعلق مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ کے متعلق غلو کیا۔ میں تو خدا کا بندہ ہوں
اس لئے مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو یا یہ تو آپ کا کلام ہے۔ قرآن نے رسول کی حقیقت
بیان کرنے میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کر دی تھی۔ بار بار کہا کہ۔ قل انما انا بشر
مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ
وویل للمشرکین۔ اے رسول! ان سے کہدے کہ میں بھی تمہارے ہی مانند
ایک آدمی ہوں۔ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی خدا ہے تو تم سیدھے
اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے گناہ بخشواؤ اور مشرکوں کے لئے تو بہت ہی خرابی ہے۔
وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ افائن مات او قتل
انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً۔
اور محمد تو صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے اور بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ
مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں کفر کی طرف پھر جاؤ گے۔ تو پھر یہ ہے کہ جو کفر
کی طرف پھر جائے گا وہ اللہ کو ہرگز کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

مطلب یہ ہوا کہ اسلام کو رسول پر موقوف نہ سمجھو۔ خدا اور اس کے احکام پر
مضبوط ہو جاؤ۔ وہ تو پیغام بر ہے انسان ہے رسول ہے۔ ایک دن موت اس کو اپنی
آغوش میں لے لے گی۔ اس لئے کہ ہمیشہ کی زندگی کے لئے نہیں۔ وما جعلنا لبشر من
قبلک الخلد۔ اے رسول ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی۔ تم
دین خدا کو دلوں میں استوار کر لو۔ رسول کی بابت غلو نہ کرو۔ قل سبحان ربی ھل
کنت الا بشرا رسولا۔ اے رسول کہدے میرا رب پاک ہے توبہ توبہ میں
تو صرف ایک پیغامبر انسان ہوں۔ تمہارا پروردگار اللہ ہے جب اس کے سوا

کوئی معبود نہیں تو اسی کو پوجو۔ پھر تاکید کی کہ "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" اے لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں (کہ تم اس کی اولاد کو خدا کا شریک کرکے پوجنے لگو۔) وہ تو اللہ کا رسول ہے اور خاتم النبیین ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے وہ تم پر بہت ہی مہربان ہے۔" یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا مسلمانوں پر درود بھیجتا ہے وہ بھی اکیلا نہیں فرشتوں کو ساتھ ملاکر بھیجتا ہے۔

رسول جس کی محنت سے اسلام دین کامل بنا اور پھیلا خود خدا اس کے لئے یہ کچھ کہہ رہا ہے۔ صرف اس لئے کہ بعد میں کوئی رسول آنے والا نہیں جو بعد میں انسان کو شرک سے بچائے۔ آخری حجت میں سب حجتیں ختم کردیں۔ اس دین کو حقیقت میں روشن خیالی کا نمونہ بنا دیا۔ لوگ بڑے بڑے آدمیوں کو عرش پر اڑاتے ہیں پانی پر دوڑاتے ہیں ہوا میں اچھالتے ہیں لیکن رسول عربی کی فضیلت کو خدا کی گود میں بیٹھنے والے نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے کہ پیغمبروں کے روشن معجزات تھے وہ کام نہیں کیا جو اس رسول کی زبانی تلقین نے کر دکھایا۔ دوسرے رسول مردے جلاکر میٹھی میٹھی تلقین کرکے وہم پروری اور انسان پرستی کو نہ مٹا سکے بارہ بارہ پچاس پچاس سو سو آدمیوں سے زیادہ ہم خیال نہ بنا سکے اور خاتم النبیین نے بغیر کسی معجزے کے مذہب کی روشن خیالی دین کے فلسفے اور زندگی کی کشمکش پر تمام عرب کو موڑ کر رکھدیا۔ مسلمانوں کی جانیں قربان ہوں اس رسول پر جس نے اس وہم تودہ دنیا میں پہلی مرتبہ کہا کہ لوگو! میں تم ہی جیسا انسان ہوں مجھے خدا کے قاصد کی حیثیت سے آگے نہ نکالنا۔ اسی لئے اس رسول امی کے متعلق کہا گیا کہ "یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" یعنی مذہب کے نام پر جو تاریکیاں جاری وساری ہیں ہمارا رسول ان سے نکال کر لوگوں کو روشنی میں لاتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"

کافر کہتے ہیں کہ اس نبی پر پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔ اے رسول کہدے کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے بہتوں کو سمجھ نہیں ہے"
وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون" کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو ضرور کام کا فیصلہ ہو جاتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول فرشتے کو بناتے تو ضرور اسے بھی آدمی بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈالتے جس میں یہ اب پڑے ہوئے ہیں"
لوگ اصل میں پھر پھر کے یہی کہتے تھے کہ اے محمدؐ! کوئی معجزہ دکھاؤ۔ کوئی نشانی ظاہر کرو تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ تم خدا کی طرف سے مبعوث ہو۔ آخر ہم کس طرح پہچانیں۔ علامات تو ہونی چاہئیں۔ پچھلے انبیاء معجزے دکھاتے رہے۔ معجزات ہی پیغمبروں کے لئے امتیاز کا باعث رہے ہیں۔ اعجاز دیکھکر ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن ان کے مطالبوں کا ہر مرتبہ یہی جواب آیا کہ پچھلے انبیاء کو معجزے دیئے گئے تھے تو انہیں دیکھ کر کون ایمان لے آیا تھا جو تم ایمان لے آؤ گے یہ سب حیلے بہانے ہیں" یقول الذین کفروا لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ قل ان اللہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب" جو لوگ منکر ہیں کہتے ہیں کہ اس نبی پر پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوا۔ کہدے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ جو رجوع ہوتا ہے اسے اپنی طرف راہ دکھاتا ہے" یعنی یہ معجزے کی ہٹ کر کے گمراہ ہو رہے ہیں ان کے دل رجوع نہیں اللہ رجوع کرنیوالوں کو بغیر معجزوں کے ہدایت کر دیتا ہے" ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال الخ اگر قرآن ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین پھاڑ دی جاتی یا اس سے مردے بولنے لگتے تب بھی یہ کافر ایمان نہ لاتے" ویقول الذین کفروا الخ کافر کہتے ہیں کہ تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں ہے۔ یعنی انہیں نشانیاں نہیں دکھاتا تو کہدے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے" اے رسول! ان کافروں اور مشرکوں کو موڑنا تیرا کام نہیں۔ بس ہی

ان کے دلوں کو موڑوں گا۔ یہ یہودی اور نصرانی کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی نماز روزہ کرتے ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس کے ساتھ اے محمدؐ! ہم تمہیں بھی پوجنے لگیں۔ یہ غلط کہتے ہیں۔ ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن الخ۔ کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ اسے کتاب علم اور پیغمبری عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ اللہ کے ہو جاؤ۔ . . . وہ تمہیں یہ حکم نہ دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بنالو۔ کیا وہ تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر سکھائے گا۔"

افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے پیغمبر کے ادنیٰ متعلقات تک کو خدا بنالیا۔ ورنہ اس نے تو رسول تک کے لئے ذرا سا رخنہ نہ چھوڑا تھا کہ مسلمان غلط فہمیوں میں پڑ کر اس کو خدا کا شریک بنانے بزرگان دین کا تو ذکر کیا۔ پھر بھی اتنی احتیاطوں کے باوجود سب کچھ ہوا وہی جو پچھلی امتوں میں ہوتا رہا تھا۔ اور جس کے لئے قرآن کو اتنی سخت تہدیدیں لانی پڑیں یہاں تک کہہ دیا کہ "اے رسول! میں نے تجھے معجزے دکھانے کے لئے نہیں بھیجا تو لوگوں کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔" خدا پرستی پر جنت کی بشارت دے اور کفر و شرک پر کہہ دے کہ دوزخ کا عذاب اور خدا کی انتہائی ناراضگی ہے۔ جو کچھ کرو گے اس کا بدلہ پاؤ گے۔ کہہ دے کہ میں کھلے ثبوت پر ہوں اور اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان جھگڑا ہی نمٹ جاتا۔" اے رسول! یہ تجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی اور اس طرح پوچھتے ہیں جیسے تو قیامت کا کھوجی ہے۔ کہہ دے خدا ہی بہتر جانتا ہے کب آئے گی۔ اور کہہ دے "لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب الخ" میں تو خود اپنی جان کے لئے بھی نفع نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ چاہے۔ اور اگر میں غائب کی باتیں جانتا تو اپنے لئے بہت سی بھلائی

جمع کر لینا اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچی ہیں تو صرف ایمان نہ لانے والی قوم کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔" قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی" میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب جانتا ہوں۔ نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے قل انی نہیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ قل لا اتبع" اے رسول! ان سے کہدے مجھے اُن چیزوں کی پوجا سے منع کر دیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو۔ کہدے کہ میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلوں گا اور اگر چلوں تو بیشک میں گمراہ ہو گیا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہا۔"

کہاں تک سارا قرآن نقل کیا جائے۔ آخر یہ بار بار کی تنبیہیں کیوں ہیں۔ رسول اپنی پوزیشن کی اتنی وضاحت کیوں کر رہے ہیں۔ حاشا صرف اس لیے کہ جھکے ہوئے انسان کو انسان پرستی سے ہٹا کر ہمیشہ کے لیے حجت ختم کر دی جائے۔ یہاں تک فرما دیا کہ لوگو! تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ میں اس کام کی کوئی مزدوری چاہتا ہوں یا اس کے بدلے میں اپنی پوجا کا خیال ہے "لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھو الا ذکری للعلمین" میں تم سے اس کام کی مزدوری نہیں مانگتا یہ تو جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔ یعنی نصیحت اور ہدایت کی کیا مزدوری مانگوں" قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا" کہدے کہ میں تبلیغ قرآن کی مزدوری نہیں مانگتا جو اللہ پر ایمان لانا چاہے وہ ایمان لائے۔ یعنی اجر رسالت یہی ہے کہ تم خدا کو مان لو "قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ" کہدے ان سے کہ میں نے تم سے کوئی مزدوری تو نہیں مانگی۔ اگر مانگی ہو تو وہ تمہیں ہی مبارک رہے۔ میری مزدوری تو سوائے خدا کے اور کسی پر نہیں۔ قل ما اسئلکم علیہ من

اجر وما انا من المتکلفین ۔" ان سے کہدے کہ میں اس کام کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا اور میں بننے والوں میں سے نہیں ہوں ۔" یہ تاکید میں اس لئے کی کہ حیات فی کے بعد انسان شاخسانے نکال لیتا ہے کہ جس رسول نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں اسے کس طرح نہ پوجیں وہ تو ایسے ویسے تھے ۔ انسان کی ہدایت کے واسطے صعوبتیں جھیل کر چلے گئے ۔ اپنے آپکو بار بار انسان کہا اس لئے کہ بعد میں نور ظہور کی تاویلیں ہونے لگتی ہیں کہ وہ پیدا نہ ہوتے تو دنیا پیدا نہ ہوتی انہی کے لئے خدا نے اتنی زحمت اٹھائی ہے ۔ صاف کہدیا کہ میں بننے والوں میں سے نہیں ہوں گویا اجر رسالت بناوٹ اور تصنع ہے اور یہ بات شان رسالت سے بعید ہے ۔ افسوس اندھے لوگ ان باتوں کو دیکھ کر بھی کبھی توہم پرستی سے باز نہ رہے اور سب سے زیادہ حیرت مسلمانوں پر ہے کہ انہوں نے شرک لوٹا کر رسول ساری کی محنت اکارت کر دی ۔ اور اسلام کی ایسی بے مثل روشن خیالی کو شرک کی تاریکی سے بدل ڈالا ۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ دوسرے مذاہب کی لن ترانیاں سن کر مایوس ہو گئے اور بجائے اس کے کہ ان کے سامنے اسلام کی آزاد خیالی رکھتے مرعوب ہو کر جھٹ کہنے لگے کہ نہیں ہمارے بزرگ بھی ہوا میں اڑتے تھے پانی پر دوڑتے تھے بادلوں پر سواری گانٹھتے تھے ۔ آنکھ بند کرتے ہی زمین کے اس سرے پر جا کھڑے ہوتے تھے ۔ خدا رحمت نہ کرے ان توہم پرستوں پر یا ان خود غرضوں پر جنہوں نے اسلام کی روشنی کو تاریکی سے بدل کر جادوگری کی ہیرا پھیری اس میں داخل کر دی ۔

بار ہا انبیاء کو معجزے دے کر تجربہ ہو چکا تھا کہ نشانیاں دیکھ کر بھی کوئی ایمان نہیں لاتا ۔ جھٹ کہدیتے ہیں " ھذا سحر مبین " یہ تو کھلا جادو ہے ۔ اس لئے رسولِ عربی کو سمجھانے بتانے اور ڈرانے والی تبلیغ پر مقرر کیا ۔ جو وقت آپ معجزوں پر صرف کرتے وہ بھی سمجھانے ہی پر صرف کر دیا ۔ اس خشک محنت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مشرک اور کافر ایک خدا پر جھک گئے ۔ جو کام انبیاء معجزے دکھا کر نہ کر سکے تھے رسولِ آخر الزماں نے رات دن کی

لگاتار محنت اور ہر وقت کے خوف اور دہشت دلانے سے کر ڈالا۔ اس سے بڑھ کر آپ کی کیا فضیلت ہو سکتی پھر کیا ضرورت تھی کہ ہم مشرکوں کی طرح کمر کس کر بیٹھتے اور ان باتوں کا انبار لگاتے جن سے بچا نہ سکے سلئے آپ نے اپنی جان تک ہی برداشت کی۔ زحمتیں اٹھائیں ملامتیں جھیلیں۔ طعن تشنیع سنے۔ عزیزوں کی جدائی برداشت کی۔ جسم تیر و تبر اور تیغ و سناں کے حوالے کر دیا۔ جان عزیز کو جھوکوں میں ڈالا۔ سمجھانے بجھانے میں رنج جانی کو فتیں اٹھائیں۔ گھر چھوڑا وطن چھوڑا۔ ہر قسم کے لالچ کو ٹھکرا دیا۔ جنگوں کی زحمت برداشت کی۔ افلاس عسرت اور تنگی پر قناعت کر لی۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ خدا کا مقصد سمجھا دیں اور اس کے بندوں کو ماسوا کی ہر قسم کی ہلکی بھاری پوجا سے اکھاڑ کر اسی کی پرستش پر لگا دیں۔ لیکن بعد میں آنے والوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور سیکنڑ ہزار جیسا تک چشمۂ توحید میں نہ گھول سے دم نہ لیا۔ مسلمانوں کو ایسا بیگانہ بنا دیا کہ اب چاہے کتنا ہی قرآن کھول کھول کر دکھایا جائے وہ سب باتوں کو شرک کے سدے ٹھکراتے ہیں اور ہیولوں کے بہیدا سکئے ہوئے ضعیف الوقی خیالی توجیہیں کر کر کے اکتاد کا ہوش میں آجانے والے کو اپنی گمراہی کے جام پلانے کی سخت کوشش کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ایسی نکتہ چینی ان کے کانوں تک نہ پہنچنے چاہیے قرآن بیکار ہو یا رسول کی محنت بے فائدہ جائے۔ جب کوئی ہنوات سے جان چھڑا کر اللہ والے اسلام پر اصرار کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل ہی ملحد ہو گیا۔ اُن سے انکار کرتا ہے جن کے لئے اسلام آیا ہے۔ حدیثوں کے سیلاب میں آیات قرآنی کی کھلے بند مضحوں تاویلیں کرتے ہیں بلکہ اس میں شاعری سے بھی نہیں چوکتے اور کہتے ہیں کہ قرآن تو بزرگوں نے ہمیں ہی سمجھایا ہے اور کیا سمجھیں۔ اسلام کے آب زلال کو شرک کی غلاظت سے گدلا کر کر کے گھونٹے جا رہے ہیں اور مرتا ہیں کہ حقیقت اپنے کی پاس ہے۔

انسان کی فطرت عجیب واقع ہوئی ہے۔ اوّل تو مانتا نہیں۔ خلاف اعتقاد بات سن کر تڑ بیتا ہے دانت پیتا ہے بل کھاتا ہے دلیلوں کے انبار لگاتا ہے۔ ہینترے کاٹ کاٹ کر انگلیاں نچا نچا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتا ہے۔ پاؤں پٹختا ہے منہ سے جھاگ نکالتا ہے منہ

نئے مباحث تلاش کرتا ہے۔ اکیلا بھڑتا ہے پھر مددگاروں کو لاتا ہے جب کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا اور کہنے والا کہے ہی جاتا ہے تو کچھ خوف سے ڈر سے اور کچھ کہنے والے کے یقین و استقلال سے مرعوب ہو کر ڈگمگا سے ہی پڑتا ہے۔ منہ بند کر کے آنکھیں کھولتا ہے۔ سوچتا ہے دھچکا کھاتا ہے۔ بار بار سر ہلاتا ہے پھر بھویں اٹھا کر آدھی آدھی آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ ہاں! اس میں کچھ حقیقت ہے! آخر پسلنے پسلنے ایمان لے آتا ہے۔ پھر دوسروں کے پیچھے پکارتا پھرتا ہے کہ دوڑو دوڑو گیا۔ ہدایت کو لپیٹ جاؤ۔ ایک ایک کو پیٹتا پھرتا ہے۔ اس لئے کہ ہم خیال بنانے میں انسان کو راحت محسوس ہوتی ہے۔ یہ صرف مذہب ہی کی حالت میں نہیں ہر نئے خیال میں گری ہوتی ہے۔ فلسفہ ہو یا کوئی نظریہ۔ باطل ہو یا حق۔ تحقیق ہو یا محض قیاس و گمان۔ پھر باپ سے بیٹے کو میراث پہنچ جاتی ہے۔ ماحول صحبت اور نسل اثر انداز ہوتے ہیں۔ بیٹا کہتا ہے کہ ابا جان سے یہ بات پہنچی ہے وہ کیا کر سکتے تھے کہ یہ اعتقاد سب سے بہتر ہے۔ واقعی یہ خوش نصیبی ہے کہ ہم سچائی والے گھر میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے خیالات و نظریات سب حقیقت پر مبنی ہیں۔ کچھ ہم ہی سمجھے ہیں اور سب فرقے بالکل گمراہ ہیں۔ جنت ہمارے لئے ہے اس لئے کہ راہ نجات ہمارے پاس ہے۔ اسی حال کا قرآن نے نقشہ کھینچا ہے "وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون ۔ فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون" اور بیشک یہ اسلام تمہارا دین ہے۔ ایک ہی دین اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر انہوں نے دین کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ لیا۔ ہر فرقہ دین کے اس ٹکڑے سے خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ اسے نبی ایک خاص وقت تک ان کو غفلت میں چھوڑ دے "

یہ باتیں آنحضرت کے سامنے ہی کہدی گئیں۔ قدرت کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ اسلام جیسے تفصیلی و تشریحی دین کے ساتھ بھی وہی گذرے گی جو پہلے ادیان پر گذرتی رہی ہے۔ تفرقے بڑھ جائینگے ٹکڑے کر دئے جائیں گے۔ انسان پرستی راہیں نکال لے گی۔ دین کو ذہنی تفریح بنا یا جائے گا۔ قرآن کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ یہ بہت مشکل کتاب ہے۔ اس کو تو تیرہ سو سال پہلے جو بزرگان دین تھے وہی

سمجھتے تھے - ہمارے لئے وہی کافی ہے جو وہ بتا گئے ہیں - اس کے سمجھنے کا خیال باندھنا ہی غلطی ہے ہماری تکلیف یہ ہے کہ بنائی ہوئی باتوں کو مضبوط پکڑ لیں - قرآن نے اسی کا نقشہ کھینچا ہے :- وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا " اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا" یہ نقشہ ہمیشہ رہا ہے - آسمانی کتابوں کو یہی کہ کر چھوڑا جاتا رہا - پھر جن کے حوالے ہوئیں انہوں نے ان کے مطالب نفسانی اغراض کے پیچھے فرصت میں مسخ کیا اور کسی نے دفعہ جرم نہ لگائی بلکہ دیوانہ وار بیخود ہو ہو کر داد دی اور کہتے رہے کہ ہمارے رہبان واحبار اور مولوی ملا خوب سمجھتے ہیں مطالب کی تحقیق کو پہنچتے ہیں - انہوں نے شاعری الگ کی اور آیتیں الگ بیچیں اور جو سلوک کلام الٰہی سے کئے ان کی تفصیل قرآن مجید اس طرح بیان کرتا ہے :- فویل للذین یکتبون الکتاب الخ " پس خرابی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں " لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا " مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر نہ بیچو "

قرآن کی آیتیں بھی اسی طرح بکیں جیسے توریت اور انجیل کی بکی تھیں اور لوگ خوش ہو ہو کر خریدتے رہے جیسے اس وقت خریدتے رہے تھے - بلکہ اب کچھ زیادہ اصرار سے خرید رہے ہیں - داد بھی دیتے ہیں پیسے بھی دیتے ہیں اور پلاؤ بھی کھلاتے ہیں - یہ اس اطمینان پر ہو رہا ہے کہ کوئی پیغمبر آنے والا نہیں جو ان گمراہیوں پہ ٹوکے اور پیشواؤں کی زیادتیوں کی خبر دے کر رسوا کرے - قرآن کی طرح پھر کے ڈانٹ ڈپٹ کرے - اس شاعری اور بیع و فروخت کو انکار کر کے اپنا مقصد سمجھائے خدا پرستی پر لگائے - تاویلوں سے روک دے - یہ جو بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں چونک جائیں - خدا سے ڈریں کتاب الٰہی کو مضحکہ نہ بنائیں - توریت والوں کی طرح قرآن کے حصے بخرے کر کے نہ بانٹیں - خدا کی تہدید سے ڈریں " الذین جعلوا القرآن عضین - فوربک لنسئلنهم اجمعین - عما کانوا یعملون - جنہوں نے

نور بیت کو نیکا بوٹی کر دیا تھا۔ تیرے پروردگار کی قسم ہم ضرور ان سب سے باز پرس کریں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اے رسول! جن باتوں کا تجھے حکم دیا جاتا ہے انہیں کھول کر سنا دے اور مشرکوں سے الگ تھلگ رہ۔"

قرآن کی مشکل کے بارے میں بہت شور مچایا جاتا ہے تاکہ کوئی اس کے سمجھنے کی کوشش نہ کرے اور حقیقت نہ کھل جائے۔ اس میں یہ فائدہ ہوا کہ اب جو چاہتے ہیں بیان کر دیتے ہیں لوگوں کو اطمینان کہ یہی لوگ سمجھنے والے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کر رہے ہیں قرآن کے مقصود سے بالکل الگ ہے۔ محض خوش اعتقادیوں کی خیر منائی جاتی ہے۔ وانزلنا معکم نوراً الخ کو نور آنکھ آخری کر کے فرماتے ہیں کہ نور سے فلاں بزرگ مراد ہیں۔ یعنی اللہ و رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ۔ اس ثبوت کے لئے جو توڑ جوڑ لگاتے ہیں وہ سننے کے قابل ہیں۔ حالانکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا و رسول اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ یہ خدا کی کتاب ہے اور تمہارے لئے دستور العمل ہے۔ مشرک اس پر بضد تھے کہ تم رسول نہیں ہو اور یہ جو کلام سناتے رہتے ہو خدا کا کلام نہیں۔ اس ضد کو بار بار جھٹلایا ہے فاتوا بسورۃ مین مثلہ کہ کر اطمینان دلایا ہے کہ خدا کا ہی کلام ہے شک میں نہ پڑو۔ اتنا نہیں سوچتے کہ معمولی کتابوں میں بھی مشکل باتیں آجاتی ہیں۔ کتاب الٰہی میں بھی کوئی بات مشکل ہے تو اس کے پیچھے یہ ڈھول پیٹنا کہ یہ کتاب سمجھ بوجھ سے بہت بالا ہے یہ ظلم ہے کھلا ستم ہے کتاب خدا کے ساتھ انتہائی بدسلوکی ہے۔ اور مردنواہی قصص انبیا منکروں اور مشرکوں کی ڈانٹ ڈپٹ وقت کے حالات وغیرہ کا سمجھنا عقل سے بالا نہیں۔ آیات محکمات آسان ہیں متشابہات اگر کوئی نہ بھی سمجھے تو عمل سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ قرآن نے خود اس مشکل اور سہولت کا فیصلہ کیا ہے۔ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لکھے پڑھے ہیں وہ سمجھیں اور جاہلوں کو سمجھائیں کہ خدا کا کسی کو شریک نہ کریں اور اچھا عمل کریں۔ معاملات میں نیک نیتی رکھیں۔ ان کو قرآن کے احکام سمجھائیں اس لئے کہ قرآن آسان ہے۔ فانما یسرناہ بلسانک

"لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا" ۔ بس کس لئے کہ قرآن آسان ہے ۔ قرآن کو تیری زبان پر آسان کر دیا ہے ۔ تاکہ اس کی پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو قوم کو ڈرائے غضب خدا کا ہے اگر آسمان کی آخری کتاب کا سمجھنا مشکل ہے تو یہ بھیجی ہی کیوں گئی ہے ۔ اس کو خدا کے پاس ہی رہنا چاہیئے تھا ۔ باقی رہے پچھلے سمجھنے والے وہ ہرگز یہودیوں کا کام نہیں کر سکتے کہ قرآن کو اپنے لئے تصنیف ثابت کریں ۔

اصل میں اس بات کا لوگوں کو پتہ نہیں شرک کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے ۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ادیان کی تباہی میں کفر نے اتنا کام نہیں کیا جتنا شرک کرتا رہا ہے ۔ انکار کر دینے والے تو منہ پھیر کر ایک طرف ہو بیٹھتے ہیں ۔ تھوڑی سی تعداد ہوتی ہے ۔ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے خیالات کیا ہیں ۔ وہ بھی اکثر لئے نیاز ہوتے ہیں ۔ کسی سے نہیں کہتے کہ کبھی باتوں میں پھنسے ہوئے ہو ۔ مذہب زدوں کی حرکات سکنات افعال و اعمال کو دیکھ دیکھ کر ہنستے رہتے ہیں ۔ عوام ان باتوں سے دور کا بھی لگاؤ نہیں رکھتے ۔ سنی سنائی تقریروں پر کافر کافر کر دامن بچا لیتے ہیں ۔ کفر کے خیالات ذہنیت سے اتنے بعید ہوتے ہیں کہ وہ سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہ کیا بڑبڑا رہے ہیں ۔ دین کے لئے خطرناک طبقہ تو وہ ہے جو مذہب کی ہر بات پر سوراخ کر اس میں تنکے جوڑنے شروع کر دیتا ہے اور چپکے چپکے ان سوراخوں کے پتھروں کو ہٹاتا رہتا ہے جن کو شارع رحمتوں اور تاکیدوں سے بند کر کے گیا ہے وہم کی انگلیاں ڈال ڈال کر نہیں ہلاتا ہے یہاں تک کہ آخرکار توہم پرودی اور انسان پرستی کے منافذ کو آہستہ آہستہ سے کھول کر نکلنے لگتا ہے ۔ دیکھو بھئی ! اصل دین کو کوئی نہیں سمجھتا ۔ ان سوراخوں میں حقیقتوں سچائیوں اور نجات کے اصلی چشمے بند ہیں ۔ فلاں فلاں بزرگ دین کی بنیاد تھے ۔ راز کائنات انہی کی مٹھی میں تھا ۔ یہ صداقت میں تم پر ظاہر کئے دیتا ہوں ۔ یہ قدرت کے سربستہ راز ہیں ۔ انسان ان کا اہل نہیں سمجھ نہیں سکتا ۔ اور دیکھنا بھئی ! اگر تم ان باتوں کو سمجھ گئے تو نجات تمہارے قدموں پر لوٹے گی ۔ خدا کے خاص بندے ہو جاؤ گے ۔ نجات ان بزرگوں کے ماننے میں ہے یہ دین وین سب کچھ انہی کے لئے آیا تھا ۔ بنانے والا اصل کر نبانہ کا مقصود ساری تکلیف سے یہی ہیں ۔ یہ قدرت کے کام ہیں

کہ فلاں حضرت کی صورت عیاں ہوئی ذرا اس طرح بندوں کو ہدایت کرکے چلی گئی۔ اور دیکھونا! فلاں فلاں حضرت نے جو مصیبتیں برداشت کیں وہ خلقت کی نجات کے لئے کیں۔ پھر جنہوں نے تمہارے لئے صعوبتیں اٹھائی ہوں اور ذرا یہ بن کر نجات کا ذمہ لے لیا ہو کیا تمہارا فرض نہیں کہ اُن کے ذکر کو بلند کرکے دنیا کو ان کے قدموں پر جھکا دو۔ خدا کا ذکر ان کے ذکر کے بغیر نہ کرو۔ اس کی یاد میں اس کی یاد اس طرح آمیز کردو کہ علیحدگی نہ رہے۔ یہ ایک ہی تو ذات ہیں ایک ہی نور ہیں۔ سارا کارخانہ ان کا ہی ہے۔ اللہ میاں کے مظہر ہیں۔ یہ نہ ہوتے تو خدا کا ظہور نہ ہوتا۔ جہانوں کا نور ہیں۔ دنیا انہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ اوّل سے ایک ہی نور چلا آرہا ہے۔ مختلف ڈھانچوں اور مختلف جسموں میں ظہور کیا۔ جسم بھی کیا ہے نور ہی نور تھے۔ کوئی ہمارے ٹھوس جسموں کی طرح تھوڑا ہی تھے۔ بس جیسے روشنی میں آر پار دیکھ لیتے ہیں۔ وہ نور ازل رسولوں سے ہوتا ہوا ان بزرگوں میں آگیا۔ وہ کور و کم ہیں جو انہیں صرف بزرگ مانتے ہیں۔ ایسا محض حسد بغض کی وجہ سے کرتے ہیں۔ مخالفوں نے ان کی نورانی ہستیوں کو نیست نابود کرنے کی کوششیں کیں اور اپنے بزرگوں کے لئے راہیں صاف کرکے انہیں گھٹانے پر لگے رہے۔ لیکن نور الٰہی کہیں بجھ سکتا ہے؟ اور سچ ہیں کیا بتاؤں تمہاری نجات کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ساری عمر افلاس اور محتاجی میں گذار دیتے تھے۔ روٹی بھی پیٹ بھر کے نہ ملتی تھی۔ رونے کا مقام ہے۔ ان کے فیض سے دنیا روشن ہوگئی۔ یہ نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا۔ خدا کی امانت کس طرح دکھ جھیل کر خلقت تک پہنچائی ہے۔ واہ واہ سبحان اللہ! کیا ذواتِ قدسیہ تھیں! یہ رسول کے دین کو زندہ کرنے والے تھے۔ ہائے! کوئی سمجھتا نہیں۔ یہ اللہ میاں کا نمونہ ہیں۔ خدا نہیں ہیں توبہ توبہ! لیکن خدا سے جدا بھی نہیں۔ خدا نہ کہو اور جو کچھ ...

ہاں ... ہوں ... ہوں بہر صورت اسی کا جلوہ ہیں۔ بہت ہی مظلوم تھے فاقوں میں عمریں کاٹ دیں بڑے ہی دکھ جھیلے دین کے لئے جانیں دیدیں۔

قرآن ہی نہیں کہ ان کی تعریفوں سے بھرا ہوا ہے بلکہ تمام کا تمام انہیں کا قصیدہ ہے ایک ایک آیت ان کی شان میں ہے۔ بغض و حسد کی وجہ سے مسلمانوں نے سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ اُنکے

لیے جوہر بے علم دشمنوں کو بڑھاپا اور ان بزرگوں کو گھٹاتے رہے ۔ لوگ نا اہل ہیں سمجھتے نہیں ۔ آخرکار یہ تبلیغیں کارگر ہو جاتی ہیں ۔ ایمان اور شرک میں بال بھر کا فاصلہ ہے فوراً الٹے ہو جاتا ہے وہ جو خدا و رسول کی ہائے ہائے سے کام ذرا رکا ہوا معلوم ہوتا ہے خود غرضوں کی کوشش سے ایک جھٹکے میں رکاوٹ دور ہو جاتی ہے ۔ طبیعت کا فطری رجحان ذرا سے سوچ بچار میں تیز ہو کر سارے ڈر اور بے بالائے طاق رکھ دیتا ہے ۔ روشن خیالی اور مذہب کی مختصر حقیقت نوازی جھٹکے کھانے لگتی ہے ۔ شارع کی تہدیدیں خدا کی دھمکیاں بیکار ہو جاتی ہیں ۔ کمزور طبیعت بے دماغ نادان جاہل پہلے تو ذرا سا جھجکتے ہیں ۔ پھر بار بار سننے کی وجہ سے مرعوب ہو کر بیٹھ رہتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ واقعی یہ بزرگ نہ ہوتے تو دین الٰہی کیا چل سکتا تھا ۔ ان کے ہی ایثار و قربانی سے خدا پرستی کی رسم پڑی ہے واقعی انہیں کتنی نسبتیں ہیں ۔ جن کی تعریف خدا کرے وہ یقیناً اس کا نور ہیں ۔ وہ جو چند آیتیں سنی ہیں نمایاں دلیل ہیں ۔ سارا قرآن فضیلتوں پر گواہی دے رہا ہے ۔ یہ شکایت جو حضرت جی نے سمجھائے ہیں جان رکھتے ہیں ۔ وہ مطالب جو فلاں بزرگ نے بیان کئے ہیں شک شبہ سے بالا ہیں ۔ توبہ توبہ شک آہا ! ان تاویلوں میں شک کرنے ہی کی وجہ سے تو دوسرے گمراہ ہوئے ۔ اور حقیقت میں دکھ بھی تو بہت اٹھاتے ہیں ۔ صرف ہماری نجات کے لئے اتنی صعوبتیں جھیلی ہیں ۔ پھر یہ کہ بھلا ہم کیا جانیں قرآن کے مطالب کیا ہیں ۔ یہی ذوات مقدسہ ہیں جنہوں نے کلام الٰہی کو سمجھا اور سمجھایا ۔ ان کے ہی لئے آیا تھا ۔ یہی اس کے رموز سے واقف ہیں ۔ ہاں قرآن رموز کا مجموعہ ہے ۔ طلسم ہے طلسم ۔ الٓمٓ واہ وا کیا بات کہی ہے ! فلاں بزرگ مراد ہیں ۔ اعداد بھی تو ملتے ہیں ۔ یہی ثبوت کافی ہے ۔ ایسے ہی نکات نے تو اسے اتنا مشکل بنا دیا ہے ۔ بھلا اس کا مطلب ہم سمجھ سکتے ہیں ۔ اللہ اللہ ! خدا کے نکات استعارے اور تشبیہیں بھلا انسان سمجھ سکتا ہے ! اس نے یہ برگزیدہ مطہر ہستیاں پیدا کیں تاکہ اس کتاب کو چھوئیں اور سمجھیں ۔ لا یمسہ الا المطہرون ۔ ہم ناپاک لوگ تو چھو بھی نہیں سکتے ۔ ساری عمر ہی فقر و فاقے میں گذار دیں ۔ صرف دین کے لئے قیدیں جھیلیں دکھ برداشت کئے قتل ہوئے قیمتی جانیں ہمارے لئے دیدیں ۔ آہ آہ ! ہم احسان فراموش کتنے بے حس

اور بے خبر ہیں۔ جن کے بغیر خدا بیکار ہے ان سے غافل بیٹھے ہیں۔ یہ بدنصیبی اور بدبختی! انسان ملعون ہے تاریکی میں پڑا ہوا ہے دوست اور دشمن کو نہیں سمجھتا۔ واقعی یہ حضرات خدا کا نور ہیں۔ ذات کا غیر نہیں بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہی ہیں جن سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ اصل مقصود سے بے خبر انسان کو ہر قربانی منظور کر کے چونکا دینا چاہیئے۔

یہ غافل اور دین کے دشمن انگڑائیاں لے کر اٹھتے ہیں۔ باہر نکلتے ہیں تو طاقت دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ روش بدل لیتے ہیں۔ ایک ایک ذہنیت کا دبے پاؤں تعاقب کرتے ہیں۔ سلسلہ چل پڑتا ہے۔ شرک کے منافذ پیر بڑ ہونے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ تخیال نہ صرف بیٹھی ہو جاتی ہیں بلکہ رگوں میں اس طرح خون کی جگہ دوڑتی ہیں کہ ہزاروں سال چھٹکارا نہیں ہوتا۔ انسان پرستی کی طاقت فلسفے کے تاب و توان سے بہت زیادہ ہے وہ انسانی دماغ کو دبوچ بیٹھتی ہے انسانی فطرت امید و بیم اور نفع کشی سے بنی ہے۔ نجات اور تحصیل دین و دنیا کی سامنے نظر آنیوالی تحریصیں بڑی طرح دل و دماغ پکڑ لیتی ہیں۔ بنی اسرائیل نے سامنے کھڑے ہوئے بچھڑے کو اسی لئے پوجا تھا کہ خیالی اعتقاد امید کو موجود دیکھ کر ڈگمگا گیا تھا۔ غالب مرحوم نے نجات کی آس کو اسی لئے دھتکارا ہے:-

جائے ہے دل نجات کے غم میں
الہی جنت گئی جہنم میں!

طرز تبلیغ اور بیان کا ڈھب کمزور طبیعتوں پر چھاپا مارتا ہے۔ اگر تکلیف ہوتی ہے تو پہلی ہی نسل کو ہوتی ہے پھر تو خیالات میراث بن کر اگلی نسلوں کی نس نس رگ سے چمٹ جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ لاؤ دیکھیں تو سہی خدا کی کتاب میں کچھ اور بھی لکھا ہے یا نہیں۔ بیچارے تار پود کو اس طرح کلیجے سے لگائے پھرتے ہیں کہ ہوا نہیں لگنے دیتے۔ ان کو مضبوط کرنے کے لئے چوبیس گھنٹے دلیلیں گھڑتے ہیں۔ کوئی ادھر ادھر کی بات سن کر دونوں ہاتھوں سے دباتے ہیں کہ جھٹکا نہ کھا جائیں۔ سنبھال کے رکھتے ہیں سنبھال کر اٹھاتے ہیں اور مست رہتے ہیں۔

کہ خدا کی تعلیم ہمارے ہی پاس ہے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک جماعت ایسی بھی پیدا ہو جاتی ہے جو خدا سے ملنے کے لئے سرگرداں رہتی ہے۔ اس میں جذب ہونے اور خود کو گم کرکے اس کی ذات میں گھس جانے کو حاصل دین سمجھتی ہے۔ یہ عجیب گروہ ہے۔ یہ لوگ شریعت کے احکام کو ملمع سازی سمجھتے ہیں۔ کہتے پھرتے ہیں کہ خدا میں جذب ہونے کے لئے ریاضت عبادت اور محنت شاقہ کی ضرورت ہے فنا ہو کر انسان اس کے وجود میں مل جاتا ہے۔ پھر کوئی علیحدگی نہیں رہتی۔ ایک ذات ہو جاتے ہیں:۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

فنا کا درس پہلے پیر طریقت سے لیا جاتا ہے۔ جب وہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان رسول میں فنا ہوتا ہے پھر کود کو گم کرکے اللہ میاں کے اندر۔ کہتے ہیں کہ یہ وہ علم ہے جو رسول مقبول صلعم خاموشی اور تنہائی میں سکھایا کرتے تھے۔ اور اصحاب صفہ اسی حلقہ اللہ ھُو کے شیدا تھے۔ بعض اصحاب کبار کو بھی یہ فن سکھایا گیا اور ان سے درس الٰہی کی راہیں چلیں۔ بعض اصحاب کو آپ کملی یا چادر اڑھا کر اسی قسم کا علم ماکان و مایکون سکھایا کرتے تھے۔ یہی وہ علم تھا جس سے دوسرے صحابہ محروم تھے یا کمال تک نہ پہنچتے تھے۔ شریعت اور احکام شریعت عوام کے لئے ہیں۔ روحانیت ان سے برتر چیز ہے۔ اور وہی اصل حقیقت ہے۔ جسے نصیب ہو گئی اسے پھر کسی عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔ غرض ان کے یہاں بھی خدا کے نام پر عجیب عجیب سانگ ہیں۔ دوزخ جنت دونوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اس گندگی بھرے انسان کا روح۔ اللہ میں مل کر ایک ذات ہو جاتی ہے پھر وہ پانی پر چلتا ہے۔ آگ میں کودتا ہے شیروں پر سواری کا شغل کرتا ہے۔ دیواریں چلاتا ہے۔ دریا روک دیتا ہے۔ جانماز موجوں پر بچھا کر اڑا چلا جاتا ہے۔ مریدوں کو سیلاب اور طوفان میں دوسرے

ادے پر پہنچا دیتا ہے۔ ہاتھ بڑھا کر آفتاب سے مچھلی بھون لیتا ہے۔ کبھی انا الحق کہہ کر سولی پر
ب جاتا ہے۔ جوتی کا تعویذ مردے جلاتا ہے۔ بیماروں کو شفا بخشتا ہے۔ روزگار میں کشائش
تی ہے۔ حاکموں کی تند مزاجی سرد پڑ جاتی ہے۔ مقدمے جیت لئے جاتے ہیں۔ قیدی
رہا ہو جاتے ہیں۔ پہلوان بازو پر باندھ لیں تو کسی سے نہیں پچھڑتے۔ حضرت جی کی ایک ادرکش
ک ہزار بلاؤں کو دور کر دیتی ہے۔ دونی کا گنڈا بچے کی پیدائش کی تمام مشکلات حل
کر دیتا ہے اور انڈے کے چھلکے پر لکھی ہوئی آیت تو وہ اکسیر اعظم ہے کہ سالہا سال کے
ہجر رسیدہ وصال سے ہم آغوش ہو کر حضرت جی کو الٹی دعائیں دیتے ہیں۔ عشق کی مشکلات
ٹلتی چلی جاتی ہیں۔ میاں بیوی کا بگاڑ دائمی بناؤ اختیار کر لیتا ہے۔ گلے میں ایسی باہیں
ڈالتی ہیں کہ کھلنے میں نہیں آتیں۔ بعض آیتیں ایسی لکھ کر دے دیتے ہیں کہ بھوت پریت فوراً اتر
جاتے ہیں۔ اور اوندھے ہو ہو کر بھاگتے ہیں۔ کسی آیت کا چلّہ کھینچ لیا جائے اور حضرت
کی توجہ اس میں شریک کار ہو تو بس پھر تو آدمی خود ہی تمام فنون کا دانا بن جاتا ہے۔

یہ ساری باتیں علم باطن کے کرشمے اور قرآن کی آیات کے علم پنہانی کے واقف کار اس
لئے کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسی توہم پرستیوں کی جڑیں نکال دی گئی ہیں "قل اعوذ
برب الناس ... من شر الوسواس الخناس ... ومن شر
النفثت في العقد الخ" میں شیطان کے وسوسوں اور پھونک مارنے والیوں
کے شر سے خدا کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں "نبذ فریق من الذین اوتوا
الکتاب کتب اللہ وراء ظہورہم الخ" جن لوگوں کو توریت دی گئی تھی ان
میں سے ایک فریق نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اس طرح کہ گویا جانتے ہی نہیں
اور اس علم کے تابع ہو گئے جو سلیمان کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے" بلاشک
یہی تاریک علم تھا جس سے ان حضرات نے پناہ مانگی ہے۔ جو ہر قوم اور ہر مذہب
میں پہنچا اور تباہ کر گیا۔ یعنی جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ ٹونے ٹوٹکے وہم پرستی کمزوری

گمراہی جو خدا سے ہٹا کر اس کی کتاب سے غافل کر کے دنیا کی دوڑ دھوپ سے ہٹا کر زندگی کی ضرورتوں سے غافل کر کے آسان طلبی پہ لگا دیتی ہے۔ خدا سے ہٹا کر بندوں پہ جھکاتی ہے۔ جسم باقی رکھتی ہے روح نکال دیتی ہے۔ ذہنیت مسموم کر کے دماغ مار دیتی ہیں۔ سوچ بچار جاتا رہتا ہے۔ ذاتی شعور و فکر مٹ جاتا ہے۔ کندۂ ناتراش ہو جاتے ہیں۔ اندھوں کی طرح حضرت جی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ انہی کی آنکھوں اور انہی کے کانوں سے دیکھنے سننے لگتے ہیں۔ روشنی سے سربلند ہو کر پھر تاریکی میں جا پڑتے ہیں۔ اور اسلام کی روشنی اور آزاد خیالی بھی آخر کار شرک کی آلودگی سے پاک نہ رہی۔ وہ مذہب جس میں صرف خدا پرستی سکھائی گئی تھی نصرانیت اور یہودیت کی طرح سب کچھ بھول کر انسان پرستی پہ آٹپکا۔ خوش اعتقادی سے یا غرض سے بزرگوں کو ایمان میں داخل کر لیا گیا۔ بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ عوام بیچارے جاہل بے خبر تھے۔ ان تک جو کچھ پہنچتا تھا وہ پیشوایان دین کی زبانی پہنچتا تھا۔ پیشواؤں نے نکتہ آفرینی شروع کر دی۔ حدیثوں نے اس کام میں خاص مدد دی وہ خود عجیب مطالب اور تفسیروں میں لپٹ گئے۔ قرآن کے محکمات سے بھی علاقہ چھوڑ دیا گیا۔ کتاب الہیٰ کو جو مسلمانوں کا دستور العمل بن کر آئی تھی۔ محض جھاڑ پھونک اور مُردے بخشوانے کے لئے رکھ لیا گیا یا اس کی تاویلوں سے اپنے مقصد کو مضبوط کیا جانے لگا۔ نئے سوت پھوٹ نکلے تھے ان سے چشمے بن بن کر بہنے لگے۔ باخبر عالموں کو بھی خیال نہ آیا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں کیا کر رہے ہیں اور مسلمان کدھر چل پڑے ہیں عام و خاص سب ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔ یک جہتی اور اتفاق جس کی سخت تاکیدیں کی گئی تھیں۔ بھسم ہو گیا۔ ہر خیال پر جماعتیں بننے لگیں۔ ہر اضافے پہ فرقوں کے اضافے ہونے گئے۔ پھر شاخوں میں شاخیں پھوٹیں۔ بیلیں پر پھیلیں کہ تنہ خشک ہو گیا۔ لیکن ان کی رفتار تیز ہی ہوتی گئی اور ابھی تک کونپلیں پھوٹے جاتی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ کُنتُم اَعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناً۔ کا نزدہ

اور احسان نگاہوں سے اوجھل ہو کر بیکار ہو گیا تو بیجا نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اب ہمارے دلوں میں عام مسلمانوں کے لئے نہیں صرف اپنے فرقے کے لئے محبت ہے اور حقیقتہً اب ہم بھائی بھائی نہیں۔

ان چشموں میں سب سے نقصان دہ چشمہ روحانیت کا تھا۔ جس نے قوت عمل کو دبا کر اپنا دھارا بہا دیا۔ وہ سادہ احکام سرد کر دئے جنہوں نے یثرب کے دیہاتیوں کو خدا کے خوف اور حسن عمل پر مجبور کیا تھا۔ ایک عمدہ دستور کار تھا جس سے روزمرہ کے کام میں درستی اور باقاعدگی پیدا ہوتی تھی جو مسلمان کو ہر قدم پر روکتا تھا اور بدنیتی کے دامن کو پارہ پارہ کر دیتا تھا۔ خدا کی نیچہ قتنہ یاد تھی اور اچھے کام کا شوق تھا۔ زندگی کی کشمکش میں طریق کار سامنے رہتا تھا۔ یہ سیلاب اس طرح چھا گیا کہ عالم جاہل مومن مسلم فقیہ و ادیب مؤرخ و فلسفی محدث و متکلم امیر و غریب شاہ و وزیر سپاہی و قراول منصبدار و پیادہ سالار سب اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایسا بھی ہوا کہ کاروبار اور زندگی کی مصروفیت کو چھوڑ کر لوگ فیض توجہ پر ڈھل گئے۔ ڈھال تلوار بیچ کر حضرت جی کے سامنے زانو تہ کر کے بیٹھ گئے۔ اس میں ایسے ایسے طبقے پیدا ہوئے کہ اسلامی اصول سے انہیں کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ خانقاہیں بنیں۔ اسلامی راہب خانے تیار ہوئے۔ گیان گن شروع ہو گیا۔ مریدوں کے حلقوں کو توجہ کی آنچ دی جانے لگی۔ اللہ ہو کی ضربیں دل و دماغ کو تسکین دینے لگیں۔ اللہ میاں بائیں طرف دل کے اوپر آفتاب بن کر چمکنے لگے۔ توجہ کی برکت نے قیامت سے پہلے ہی دیدار کی نعمت سے سربلند کر دیا۔ قیامت کے دن پر تھا موقوف کر رکھی تھی دنیا ہی میں جیتے جاگتے نصیب ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ یہ مشغلہ اس طرح شریک مذہب بنایا گیا کہ فتوحات جب بلخ بخارا اور قندھار میں پہنچیں تو بدھ ازم کے بیکار لوگوں کو اس میں مصروف پایا گیا۔ چیز اچھی معلوم ہوئی یاران طریقت لے اڑے اور اسلامی قلندری میں ملا کر چاشنی پیدا کر لی گئی۔ تسبیح بھی وہیں کی یادگار ہے فرق اتنا ہی بڑا ہے کہ مسلمانوں نے دھاگے کی گرہوں کے بجائے

مٹی کے دانے بنا لئے ہیں۔ غرض یہ ہندوستان کے ویدانت کی یادگار اسلام میں جذب کر دی گئی۔ قومی تعبیر میں لگے ہوئے مخلصین دامن سمیٹ سمیٹ کر دوڑ پڑے اور فی بیوتٍ اذان اللہ ان ترفع " کی زندہ تفسیریں دیکھ کر دل کی دنیا میں الجھ گئے۔ رقص ایجاد ہوئے۔ خانقاہوں کے صحن میں درویشوں کے ناچ ہونے لگے۔ راگ رنگ کی تشنگی دین کے نام پر سیراب ہونے لگی۔ تانیں اڑنے لگیں الاپ جھومنے لگے۔ بھیرویں کے نغموں سے وصال کے جذبے کو حال آنے لگا۔ بڑے بڑے ثقہ تال پر ٹھمکا لگانے لگے۔ دادرے اور شام کلیان کے زیر و بم پر اللہ میاں بھی اپنے مجذوب بندوں کے شریک حال ہو گئے شیخ سعدی جیسے جہاندیدہ ہوشمند بھی اس لذتِ روحانی میں الجھ گئے۔ اور اگر مد آواز قوال سے سابقہ نہ پڑ جاتا تو اس جنجال سے علامہ اور دنیا بھی دے کر بھیجا نہ چھوٹتا۔ جلدی نمٹ گئے اور علامہ ابن جوزی کی خفگی نے جو کام نہ کیا تھا خود ایک قوال کر گیا۔ پھر مطرب خوش نوا کی تلاش نہ کی۔

اس طبقے نے عجیب عجیب خیالات بنائے۔ یہ کہا کہ تکالیف شرعیہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ جب انسان اس میں جذب ہو گیا یا اس کی نقاد دل کی آنکھوں سے حاصل کر لی تو فرائض شرعی کی پھر کیا ضرورت ہے۔ اپنے آپ کو اس طرح فنا کر دینا چاہیئے کہ من و تو کا امتیاز نہ رہے۔ ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو اپنی اس کامیابی کو چھپانے اور حاجتمندوں سے بچنے کے لئے منہیات شرعیہ کا ارتکاب جائز سمجھتا تھا۔ اور غالباً حضرتِ سرمد علیہ الرحمہ بے رنگ لقال کو زینتِ دوش جو کئے پھرتے تھے یہی وجہ تھی۔ مولانا روم جیسے خرد پژوہ اور نکتہ اس انسان نے دین کو دل اور عشق پر لا ٹکایا اور جواز میں کافی فلسفے بنائے۔ مجاہد قوم کے یہ روحانی پیشوا امور زندگی کو سنبھالنے کے بجائے استغراق و حال کے عالم میں جب ورق کوٹنے والوں کی دوکان سے گذرتے تھے تو ہتھوڑی کی تال سن کر بازار میں ہی رقص شروع کر دیتے تھے۔ رسول دشمنان اسلام

کو لپیٹ کرنے کے لئے میدان جنگ میں کمان سنبھالتے تھے اور یہ بزرگوار اتنا بھی نہ کرتے تھے کہ دو چار ورق کو رٹنے والوں کو گھر کے گوشے میں بلالیں اور ان کی تال سے فائدہ اٹھالیں - کہاں قرآن کا سیدھا سادہ روزمرہ کے معاملات کو نیک نیتی سے سنبھالنے والا اسلام کہاں خیالی فلسفے کی یہ روحانیت - کہاں وہ قوت عمل - کہاں یہ ذہنی الجھاؤ - اور حال یہ دیکھا ہے کہ جب وقت بگڑتا ہے فتنہ اٹھتا ہے تو روحانی سب سے آگے بھاگتے ہیں - چنگیز کی تلوار نے بلخ بخارا میں جو ان کے ساتھ کی تھی تاریخ اب تک دہرا رہی ہے۔

بس اتنا ہی فائدہ ہوا کہ نگاہیں خدا سے ہٹ کر قبروں اور مزاروں پر جم گئیں - شرک دین خالص معلوم ہونے لگا - یہ قبریں اور مزار آمدنی کا بہت آسان ذریعہ بن گئے - جہلا ہی نہیں علم والے بھی پیشانیاں رگڑتے ہیں سجدے کرتے ہیں اور جیب کے پیسے بھی دے آتے ہیں - روحانیت کے ٹھیکیداروں نے اسلامی عمل سے بالاتر ہو کر سجادے بچھالئے - زندہ عمل کی بے چینی سے یکسو ہو کر اللہ ہو کی سکون افروز اور راحت انگیز مشغولیت میں مسلمانوں کو لپیٹ لیا - مجاہد قوم کو بھیڑ بنایا - تپے ہوئے دل سرد کر دیئے - دماغ سوچنے کے قابل نہ رکھے - جانوروں کے گلے بنا کر ملکیت میں لے لئے - اس ملک کے جن خطوں میں پیری مریدی کا رواج ہے ان میں جا کر دیکھنا چاہیئے - انسانوں کو کیسا بے خبر کر دیا گیا ہے - اس کام کی قیمت مقرر کی ہے اور اسے کراماتوں میں لپیٹ کر خاموشی کے ساتھ جائدادیں بنائی ہیں - مریدوں کو سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں کہ حضرت جی بخشوائیں گے - بیچارے اتنا بھی نہیں دیکھ سکتے کہ حضرت جی دو وقت پلاؤ اور مرغے کے قورمے سے روحانیت کو سیراب کر رہے ہیں اور ہمیں مکئی باجرے کی بھی نصیب نہیں - یہ دنیا میں عیش کر کے سونوں پر بیٹھنے والے کاروں میں اڑتے پھرتے ہیں اور ہم گدھے کے تختوں پر جھٹکے کھا رہے ہیں - ٹوٹتے ہوئے جھلنگوں پر حقہ پی پی کر پسلیاں توڑتے ہیں - ہم سڑی جھونپڑیوں کی گندی فضا میں پڑے جنت کی امید اور حوروں کی آس پر تلخیاں جھیل رہے ہیں - یہ تعویذ کے پیسے بھی نہیں چھوڑتے

اور ہم اپنی خون پانی کی کمائی ان کے حوالے کر جاتے ہیں - یہ فربہ اندام نورانی چہرے ریاضت و عبادت کے نام پر پہلی نہیں چھوڑتے اور ہم رات دن جانکاہی میں لگے رہتے ہیں یہ بیچارے محنتی سلیے خبر انہیں خطاؤ نسیاں سے بالا سمجھ کر کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں بخشوائیں گے عذاب سے چھڑائیں گے قیامت میں شفیع بنیں گے -

یہ خیالات اس بنا پر پھلے پھولے کہ زندگی کی کشمکش میں لے جینی فتنہ فساد لڑائی جھگڑا رات دن کی آویزش ہر گھڑی کی نکافضیتی ہے - شور و غوغا دشمنی نفرت اور باہمی عناد ہے - روحانیت سے خدا بھی ملتا ہے اور ان جھگڑوں سے بھی چھٹکارا ہو جاتا ہے شانتی ملتی ہے افتراق مٹتا ہے - انسانی برادری میل ملاپ سے گذارہ کرتی ہے - نیت اور روح مطمئن ہو جاتی ہے - دنیا طلبی اور زرکشی کے قصے ختم ہو جاتے ہیں - اپنے پرائے کا امتیاز جاتا رہتا ہے اور یہ جو قومی ملکی سیاسی اور وطنی حد بندیاں ہیں ٹوٹ جاتی ہیں - لیکن ان سے پوچھنا چاہیئے کہ اس لٹیا کر دینے والی تعلیم سے کیا فرق پڑ گیا - کونسی قوم ذاتی مفاد کو بھول گئی - کونسا تفرقہ شانتی کی آرزو میں گھٹ گیا - کونسی زندہ قوم دست درازی رک گئی اور کس زمانے میں انسان نے بھائیوں کے گلے نہ کاٹے ؟ اس فن کے عروج میں بھی سخت تباہیاں آتی رہیں - اسی اصول کی اتنی ہی برکت ہوئی کہ ان حضرت کے فلسفے نے بگاڑ کر دوسروں کی ٹھوکروں کا نشانہ بنا دیا - اغیار کی چیرہ دستی سے نہ روحانی ضربیں بچا سکیں نہ تعویذ چھڑا سکے - نہ کسی گنڈے نے مدد کی - فنا کے شوق میں خود بھی فنا ہوئے اور قوم کو بھی مٹا دیا -

ایک صوفی صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ سلوک و طریقت کا اشارہ آپ نے کونسی آیت سے استنباط کیا ہے ؟ تن کر بیٹھ گئے اور دو آیتیں کے بعد دیگرے تلاوت فرما دیں - قد خسر الذین کذبوا بلقائنا - اللہ نور السموات ... کمشکوۃ ... فی بیوت اذن

بیت سے مراد قلب انسان ہے - اس کا نور دل میں ہے اور ہم اسے حاصل کر لیتے ہیں - بہت کچھ فریاد کی گئی کہ پہلی آیت قیامت میں پیشی کے بارے میں ہے اور دوسری آیت

ہیں اس نے اپنی مثال دی ہے - ان میں آپ کا مقصد نہیں ہے - جابیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ تم
سے بہت دور ہے - وہ تو سخت محنت سے حاصل ہوتی ہے وہ تو جہاں چھوڑنے بیٹھے ہیں -

ایک باصفا صوفی قوالی میں شریک تھے - مطرب خوش نوا بہت زور مارتا رہا مگر رنگ نہ جما -
آخر اس نے نہ معلوم کس خیال پر یہ چیز شروع کر دی - اگر یہی لوٹا مڑوڑی رہے گی تو
کاہے کو انگیا لنگوٹی رہے گی ۔ صوفی صاحب کی زلف دراز نے جھٹکے کے ساتھ بل کھایا ہو
کا ایک دل دہلا دینے والا نعرہ لگایا اور دوسرے لمحے سر دھن کر بیتابی و بے خودی کے جوش
میں کھڑے ہو گئے - کچھ جھومے کچھ ناچے کچھ ٹھمکا لگایا - پھر کیا تھا تمام محفل سر و قد کھڑی
ہو گئی اور وہ محفل در آتش ہو کر آتش بازی کے بھبھو کی طرح کودنے لگے - قوال کا منہ چومتے
تھے پاؤں پر گرتے تھے - تھوڑی دیر کے بعد سکون سے بیٹھے تو کسی شوخ آزاد طبع حقیقت شناس
نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت! حافظ اور جامی کی غزلوں پر حرکت پیدا نہ ہوئی اور ایسی ایک بازاری
چیز پر آپ نے جان ہلکان کر لی - ارشاد فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہے ہو - ظاہر بینوں کے لئے یہ
بازاری ہے - حقیقت شناسوں سے پوچھو ان کو اس میں معرفت کا سمندر متلاطم نظر آئے گا -
جناب! لوٹا مڑوڑی سے مراد ہیں علائق دنیوی جو خدا سے غافل کر کے مبدأ حقیقی سے دور پھینکتے
ہیں - اور انگیا سے مراد ہے روح جس کی لطافت اور خدا اسی مشاغل دنیوی سے فنا ہو جاتی
ہے - آدمی مبدأ فیاض سے دور ہو جاتا ہے - سوال کرنے والا دم بخود رہ گیا اس نے ہیبت پر
افسوس کیا جو دنیا کے کام نہیں چھوڑی یہ یاد کر کے اس نے کلام کا رخ پھیر دیا کہ یہ حضرات دیوان
حافظ کو اس علم کا الہام سمجھتے ہیں - بعید سے بعید بات کو بھی اپنے مطلب پر چپکا لیتے ہیں - چلو اس
مرفوع القلم طبقے سے کیا الجھنا ہے -

یہی نکتہ آفرینی تھی جس سے سراپا عمل اسلام میں ایک عجیب طرح کا ہوائی فلسفہ تیار ہوا - تاہم
یہ جستجو خدا کے نام پر تھی جو بعد میں قبروں پر آ ٹکی - گو یہ بھی ایک ذہنی مغالطے سے زیادہ نہیں -
ہندوستان کے ویدانتی بھی اس علم کی بہت دور تک منزلیں طے کر گئے تھے حالانکہ توحید الٰہی سے بالکل

" آشنا تھے - یہ ذہنی کاوش اس دین میں آئی جو سرتاپا عمل تھا سادہ خدا پرستی کا مجموعہ - مسلمانوں کے لئے اس کی رضا حاصل کرنے کے واسطے اتنا ہی کافی تھا کہ " فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون - تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور ناشکری نہ کرو میرا شکر کرتے رہو " ان میں غذب ہونے کی فکر کتنی غلط رہی -

وہ کونسی کتاب ہے جس نے خدا کے بارے میں قرآن سے زیادہ وضاحت کی ہو - بار بار کہا گیا ہے کہ تم مجھے پوجو مجھے مانو - میں ہوں تمہارا رب کسی کو شریک نہ کرو - اچھا عمل کرو اسی میں تمہارے لئے نجات ہے - جو برائیوں سے بچتے ہیں وہی میرے نزدیک مکرم و محترم ہیں - صوفیت نے کچھ اور سمجھا اور احکام و شریعت سے ہٹا کر نہ دین کا چھوڑا نہ دنیا کا - بعض نے دوسرے انسان پرستی ہی کو مطمح نظر بنا لیا - یہ خیال کیا کہ خدا کا کسی کو دست و بازو نہ ماننا چاہئے یا کلمہ ایمان میں شریک نہ کیا جائے تو ساری نیکیاں سارا عمل خیر اور سارے یقین بیکار ہیں - خدائی کا اقرار ان کے اقرار کے بغیر کوئی چیز نہیں - وہ نہ ہوں تو خدائی پھیکی اور بے کیف ہے - وہ تقریباً خدا کے ساتھ پیدا ہوئے جس وقت کچھ نہ تھا تو وہ تھے - لاکھوں سال تک ان کا نور عرش کے پائے کے پاس رکھا رہا - نہ کہاں کہاں پھرتا رہا - آدم علیہ السلام ابھی کیچڑ پانی ہی میں تھے کہ وہ خدائی درجے طے کر چکے تھے - گویا اللہ میاں ان کا نور ساتھ ساتھ لئے پھرتے تھے - اور نہ معلوم کیسے کیسے ارادے اور کیا کیا آرزوئیں اور ہوسیں اور حسرتیں اس سے وابستہ تھیں - ابھی اماں حوا نے نسل انسانی کی زحمت بھی نہ اٹھائی تھی کہ ذواتِ مقدسہ پہلے ہی موجود تھیں - آئے تو اپنے وقت پر لیکن نور انبیاء میں منتقل ہو رہا - پہنچے صلب انسانی کے ذریعے گو ان کی پیدائش عام طریق پر نہ تھی - ان کے جسم عام جسم نہ تھے یعنی وہ عناصر اربعہ کے سوا نور سے مرکب تھے - جب خدا نے اپنی نشانیاں دکھائی ہیں تو رسول نے سر وقتِ جلال میں بھی انہیں ہی دیکھا تھا - تمام پیغمبر ان کی مصیبتوں پر روئے - وحی و الہام منقطع نہیں ہوئے - ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں ورنہ یہ خدا کا کارخانہ شکستہ ہو کر فنا ہو جائے - لاکھوں پیغمبر ان کے آنے کی تمہید تھے - اولوالعزم پیغمبروں سے بزرگ

ہیں - قرآن جیسی گونگی کتاب کو انہوں نے ہی سمجھایا ورنہ ساکت و صامت پڑی رہتی - دنیا نہیں مٹے گی قیامت نہیں آئے گی جب تک یہ اس پر ایک بار حکومت نہ کرلیں -

ایک فرقہ تو ایسا آیا اس نے زندہ ہی کو جنت بنا کر دیدی - اور انتظار اب بھی بدستور ہے ایک شاخ قائم باللہ کا انتظار کر رہی ہے - دروزی کہتے ہیں کہ وہ خدا تھا اور آنے کا وعدہ کر گیا ہے آخری شاخوں میں سے تو ایک نے صاف ہی کہہ دیا کہ خدائے قدیر ہوں رسولوں کا بھیجنے والا - اس میں بھی وہی پرانی بات ہے کہ ہمیں مان لو دونوں جہاں حاصل ہو جائیں گے - توہم پرستی کا پشتارا ہے - مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے جو خرابیاں پیدا ہو سکتی تھیں اور جو اختلافات اور فرقہ بندی آسکتی تھی اس سے زیادہ آئی - نکتہ آفرینی اور تخیل بازی ہوئی کہ توبہ بھلی - مسلمان ٹھٹ بن گئے - پہلے تو ٹاپیں مارتے ہیں الف ہو ہو جاتے ہیں - پھر پہلے خیالات کی مشابہت دیکھ کر کان ڈال دیتے ہیں - کیسی ہی غلاظت لاد دی جائے سمجھتے ہیں کہ ہمیں اب صلہ ملا - آفتاب و مہتاب ہماری کمر پر لدے ہوئے ہیں - خوش ہوتے ہیں - فخر کرتے ہیں کہ راہ ہدایت پالی -

خدا سے ہٹانے اور شرک پر لگا دینے والے اسباب نہایت دردناک ہیں - فطرت انسانی تو وہم پرستی پر گرتی ہی رہی لیکن اُن پر بھی رحمت ہو جنہوں نے ایسے اضافے کرکے اسلام کے اصول سے بیگانہ کر دیا - سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ قرآن مجید کو یا تو جھاڑ پھونک کیلئے رکھ چھوڑا یا مولویوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے علم تو بہت پڑھا لیکن کتاب الٰہی کو بہت کم دیکھا اور دیکھا بھی تو اس سے اپنے وہم کی تائید کرائی - عوام تو عوام متوسط طبقے کو بھی معلوم نہیں کہ اس میں لکھا کیا ہے - جب تک عرب رہے وہ اپنی زبان کی چیز کو سمجھتے رہے اور ماسوا ہم نہ کرسے بعد میں سب نے اپنی ہی کہی - کیا اچھا ہوتا کہ جس ملک میں بھی پہنچا متن کے ساتھ اس زبان میں ترجمہ کر دیا جاتا - لکھے پڑھے تو کم سے کم اس کے اوامر و نواہی سے واقف ہو جایا کرتے - خدا نے حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن انسانوں نے حفاظت کی نیت

باندھ کر مطلب فوت کر دیا۔ متن کو قائم رکھ کر ترجمہ ہو جاتا کہ نا تو توریت و انجیل کی طرح یہ کتاب مسخ نہ ہوتی اور کوئی مطلب بھی سمجھتا۔ انجیل کے ترجمے سب پڑھتے ہیں اور اس کی آئتیں پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو موڑتے ہیں مسلمان بچاروں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ان کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔

اگر قرآن کی تہدیدوں پر نظر رہتی اور معلوم ہوتا کہ پچھلی قومیں کیا کرتی رہی ہیں جو انہیں لے دے کی گئی ہے تو مسلمان شرک کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔ جن خیالات سے شرک نے راہ پائی ان کا بیان ہو چکا اسباب لکھ دیئے گئے۔ کس طرح گنجائشیں نکالی گئیں۔ اور کس طرح ہر ایک نے اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر تفرقے کو پیدا کیا۔ اس دین کے ٹکڑے اڑا دیئے جس کا تجزیہ خدا و رسول نے نشیب و فراز دکھا کر ناممکن کر دیا تھا۔ گو وہ دین خالص اللہ والا اسلام اب بھی اس کی کتاب میں موجود ہے اس کو کیا کیجئے کہ اب ذہن اس اختصار پر نہیں آسکتے۔ خدا اور رسول اور اچھے عمل روز مرّہ کے معاملات کی درستی پر جھکنا ناممکن ہو گیا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اختلاف تو شرک نے ڈالا ہے۔ اس طرح کہ بزرگانِ دین کے گھٹا و بڑھاؤ میں لگ گئے۔ ورنہ اب بھی قرآن میں ہر جگہ پر دیکھ سکتے ہیں۔ ہر سورے میں "مِن دُونِ اللّٰہ" کی ضربیں آجاتی ہیں۔ وہ اس سے بالاتر ہے جسے وہ شریک کرتے ہیں "۔ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" لوگ پہلے ایک ہی فریق تھے۔ پھر باہم اختلاف کیا اور اے رسول! اگر تیرے رب کیطرف سے ایک بات پہلے ہی مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دیا جاتا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں "۔ "وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ الخ " یہ لوگ اللہ کے سوا ان کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان

پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے رسول! ان سے کہدے کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور اس سے بالاتر ہے جو وہ شریک کرتے رہیں۔"

ان آیتوں کے ہوتے مسلمان کو کس طرح جرأت ہوئی کہ وہ شرک کو اصل دین بنا بیٹھے ساری سفارشوں کی حقیقت ان سے کھل جاتی ہے جن کے سہارے پر ہم نے بزرگوں کو خدا کی خدائی میں شریک کر کے ان کو دیوی دیوتاؤں سے بھی آگے نکال دیا ہے۔ اگر خدا قرآن کے بیان کے مطابق اپنی خدائی کا مالک ہے۔ وزیروں امیروں اور خزانچیوں کی محتاجی نہیں رکھتا۔ ایسے انتظام کے لئے نہ کلرک درکار ہیں نہ معمار و مزدور۔ وہ سنتا ہے دیکھتا ہے بندوں کی ضرورتوں سے واقف ہے کروڑہا کروڑ عالموں کا انتظام کر رہا ہے تو ہماری مدد کے لئے مددگاروں کا کیوں محتاج ہے۔ کیا اس نے بھی محکمے بنا رکھے ہیں کہ نیچے سے عرضی پہ نوٹ لکھے ہوئے آئیں گے تو ان کے مطابق وہ حکم صادر کریگا۔ شاید اسی لئے ہم عریضے لکھ لکھ کر دریاؤں میں ڈال رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ وہ عالم الغیب ہے اور غیب سے کسی رسول کو بھی ضرورت کے مطابق ہی واقف کرتا ہے دلوں کی گہرائیوں سے واقف ہے۔ اسی لئے کہا ہے کہ میرے سوا جو کچھ پوجتے ہیں بیکار ہے وہ نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ افسوس اختلاف ایسی ہی وہمی باتوں سے پیدا ہوا ہے کہ کہ دوسروں کے بزرگ خدا رس نہیں ہمارے اس کی گود میں بیٹھے ہیں۔ دوسرے تو یونہی رہنے چلا ہے تھے۔

سفارشوں کے قائل اس بیان پر یہ کہتے ہیں کہ ہم کوئی شرک کرتے ہیں بزرگوں کو خدا کا محبوب مانتے ہیں۔ خدا کے یہ ارشادات تو اس زمانے کے مشرکوں عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں ہیں۔ ہم پر صادق نہیں ہم کوئی بت بنا کر پوجتے ہیں۔ ان عذروں کو خدا نے صاف کر دیا ہے "وَمَا اَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ اِلَّا نُوحِیْ اِلَیْهِ اَنَّہ

لا الٰہ الا انا فاعبدون ۔ وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدًا سبحٰنہ ۔ بل
عباد مکرمون ۔" اے محمد! ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف
یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے مجھی کو پوجو ۔ مشرک کہتے ہیں کہ خدا کے
بیٹا ہے ۔ میں اس سے پاک ہوں وہ تو معزز بندے ہیں کسی بات میں سبقت نہیں کر سکتے
بلکہ اس کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں ۔ جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے خدا جانتا ہے ۔ جس
سے خدا راضی ہو وہ اس کے سوا کسی کی سفارش نہیں کر سکتے " اس آیت سے انسان پرستوں
کی ساری عذر داریاں اور سارے اضافے باطل ہو جاتے ہیں ۔ انبیاء کی تعلیم صرف خدا
پرستی کی تعلیم تھی ۔ لوگوں نے تعلیم کو بدل کر معزز بندوں کو خدا بنایا ۔ ان کی شفاعت کی
آڑ لی ۔ ہم بھی یہی کر رہے ہیں کہ معزز بندوں کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں اور کن کو ؟
اور رسول کو نہیں بلکہ اس کے عزیزوں کو خدائی کا شریک ٹھہراتے ہیں ۔ رات دن انہی کو
جپتے رہتے ہیں ۔ جس طرح پچھلے اپنے بزرگوں کو پوجتے رہے وہی صورت ہماری ہے بلکہ
اس سے زیادہ ۔ حالانکہ وہ معزز بندے ہیں ہم پر ان کی عزت ہے ایمان میں شرکت نہیں
ایمان تو خدا اور رسول پر موقوف ہے پھر قرآن کے حکم اور روز مرہ کا اچھا عمل ۔ اگر
کوئی یہ کہے کہ پچھلے بت پرستی کرتے تھے اس لئے خدا نے لے دے کی ہے ۔ پچھلی آیت
عباد مکرمون بتا رہی ہے کہ وہ بھی ہماری طرح اپنے بزرگوں کو پوجنے لگے ۔ یہ
آیت بھی اسی کی وضاحت ہے " والذین یدعون من دون اللہ لا
یخلقون شیئًا وھم یخلقون ۔ اموات غیر احیاء وما یشعرون
ایان یبعثون ۔ الٰھکم الٰہ واحد " وہ معبود جنہیں یہ لوگ اللہ کے علاوہ
بلاتے ہیں کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں ۔ مردے ہیں جن میں
جان نہیں ۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کب اٹھائے جائیں گے ۔ لوگو! تمہارا معبود ایک
ہی معبود ہے ۔

مسلمانوں پر افسوس ہے چاہے وہ کسی فرقے کے ہوں شرک کی کس طرح گنجائش نکال لی۔ جنہیں ہم پوج رہے ہیں کیا یہ آیت اُن پر صادق نہیں آتی؟ بتوں کے بارے میں لفظ خلقت نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بھی ہماری طرح انسانوں کو پوجتے تھے۔ موت اور زندگی بتوں کے لئے نہیں۔ یہ انسان پرستی کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ بت قیامت کے دن کیا اٹھائے جائیں گے حشر ونشر تو انسان کے ساتھ ہے۔ قیامت کے دن لات دہیل میں جان نہیں ڈالی جائے گی بلکہ جن کے نام پر وہ پوجے گئے ان کو زندہ کرکے پوچھا جائے گا۔ ان سے ہی پوچھا جائے گا جن کی یادگاریں بناکر ہم پوج رہے ہیں۔ جن کی قبروں کی خاک چہرے پر مل رہے ہیں سجدے کر رہے ہیں ان سے ہی سوال ہوگا۔ جس طرح حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا " وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـہَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ قَالَ سُبْحٰنَکَ الخ " اور جب اللہ نے کہا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا لوگوں سے تو نے کہدیا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنالو۔ اس نے کہا تو پاک ہے۔ مجھے کب لائق ہے کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ بات کہی تو تو اسے ضرور جانتا ہوگا۔ اس لئے کہ تو میرے دل کی جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات سے واقف نہیں۔ تو عالم الغیب ہے۔ میں نے تو وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی " اگر ہمارے شرک کی یہی حالت رہی تو ہم بھی اپنے بزرگوں کی بیٹنی کرا کے چھوڑیں گے۔ ہم بھی تو یہی کر رہے ہیں۔

مسلمان رسول کی ہی پوجا پر لگے ہوئے نہیں ہیں ایک بڑا فرقہ تو سب کے بزرگوں کو ملاکر پوج لیتا ہے پھر اگر کہیں اینٹ بھی دبا دی جائے تو جھٹ قبر بناکر سبز چادر ڈال کر مورچھل ہلانے بیٹھ جاتا ہے۔ اوروں کے خدا تو مقرر و معین ہیں۔ اس کے خداؤں کا شمار سناتن دھرم سے بھی زیادہ ہے۔ حالانکہ قرآن اب بھی چلا چلا کر کہہ رہا ہے " اتخذوا احبارہم

وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۔ وَمَا اُمِرُوْا
اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ الخ
اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنایا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ شریک بنانے سے پاک ہے۔ اللہ کے دین کو پھونکیں مار کر بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اس سے کم پر راضی نہیں کہ دین اسلام اسکے نور کو پورا کرے۔ چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ اسی نے اپنے رسول کو سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے " اس آیت میں احبار و رہبان کا ذکر ہے۔ ہم بھی تو آغاز کے علماء و مبلغین اسلام کو پوجتے ہیں۔ چاہے ان کا اصطلاحی نام کچھ ہی رکھ چھوڑا ہے۔ درویشوں اور اور ولیوں کو پوجتے ہیں حالانکہ وہ بھی رہبان احبار ہیں درویش ہیں۔ لیکن دوسرے پوجیں تو کافر ہیں اور ہم مومن پوجیں تو پکے دیندار ہیں۔ بلکہ جو ان باتوں کو شرک کہیں وہ ہمارے نزدیک گردن زدنی ملحد بے دین ملعون و مردود ہیں۔ ان کو قاضی الحاجات بنائے بیٹھے ہیں جو ہم سے بھی زیادہ مجبور و معذور تھے۔ اس لئے کہ وہ خدا تھے اور ان پر بھی وہی حالات گذرے جو ہم پر گذرتے ہیں۔ خدا ہی مسلمانوں کا قاضی الحاجات ہے " اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ " کوئی سمجھدار اس آیت پر نظر ڈالے کیسی حسرت ٹپک رہی ہے کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں " ایسی آیتوں کے ہوتے ہم غیر اللہ کو لپٹے ہوئے ہیں؟ خدا کو کافی نہ سمجھ کر انوار مقدسۂ قائمہ کو پوج رہے ہیں!

حاشا کلا انہیں پرستشوں نے ہمارے ٹکڑے اڑائے ہیں فرقہ بندی پیدا کی ہے۔ اب ہم خدا پر بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ گروہ بر گروہ اور شاخوں پر شاخیں ہیں سب ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ کاہے سے؟ غیر اللہ کو پوجنے سے! قرآن نے تو سب کچھ کہہ دیا تھا اس کی کس نے پرواہ کی " اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا

شیعًا لست منھم فی شئی۔ انما امرھم الی اللّٰہ۔ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون" بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ بن گئے۔ تجھے ان سے کیا مطلب۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہ انہیں جتائے گا جو کچھ کرتے تھے"

وَاعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ فاذکروا نعمۃ اللّٰہ الخ"

مسلمانو! سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے" افسوس ہم نے اس کی رسّی کو چھوڑ کر سنکیڑوں طنابیں پکڑ لیں اور اس کے فضل سے محروم ہو گئے ورنہ ان حالوں کو نہ پہنچتے" ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات۔ واولئک لھم عذاب عظیم" مسلمانو! ان کی طرح نہ ہو جن کے پاس کھلے کھلے احکام آ چکے تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور پھوٹ ڈالی۔ انہی لوگوں کو تو بھاری عذاب ہوگا" یہ کہنا کہ فلاں فلاں نے پھوٹ ڈالی کوئی عذر نہیں۔ ان کے بعد ہمیں اکٹھا ہو جانا چاہیئے تھا۔ وہ تو غرض کے اندھے تھے دوسروں کو خیال کر کے " تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم" بیچ میں کھڑے ہو کر پڑھ دینی چاہیئے تھی۔ الگ دین بنانے کی کیا بات تھی؟ اب حال یہ ہے کہ کافر و مشرک سب اکٹھے ہیں اور ہم ایک خدا والے نہ اکٹھے ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ حضرت جی کی برکت سے۔ سب مسلمان ہیں۔ اور اچھوتوں کی طرح الگ حقوق مانگتے ہیں۔

قصّہ سارا بزرگوں کے پیچھے ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان پر دین کو موقوف نہ سمجھ کر ذاتی رائے کے مطابق اُن میں سے اپنی اپنی پسند کے چن لیتے یا ہمی کھنڈت سے تو بچتے۔ قرآن کے کھلے احکام کے بعد اختلاف تو نہ ڈالتے اور عذاب عظیم کے مستحق تو نہ بنتے۔ یہ کہنا کفایت نہ کرے گا کہ ہم نے تھوڑا ہی اختلاف ڈالا ہے۔ کوئی فرقہ بھی اس عذاب سے باہر نہیں۔ اس لئے کہ خدا پرستی سے اختلاف تھوڑا ہی ہوا ہے۔ اپنی رائے سے بزرگوں کے انتخاب پر جو تی

چکا ہے۔ پھر قرآن نے اختلاف کا جو نتیجہ بتایا تھا کیا وہ ابھی نکلا نہیں ؟ "لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ان الله مع الصابرين" "اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو۔ اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ اور صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" بیشک بزدلی آگئی وہ جوش اور سچی دلیری نہ رہی جو اتفاق اور یکجہتی میں ہوتی ہے پھر ہوا کیا جمی رہتی۔ یہ اس لئے کہ ہم نے صبر و تحمل سے کام نہ لیا اور آپس میں خلیجیں حائل کر کے تفرقیں شروع کر دیں۔

کاش مسلمان ان مقامات کو دیکھیں اور مسلم ہو جائیں۔ اللہ والے اسلام کو مضبوط پکڑ لیں اور بزرگوں پر رحمت بھیجیں ان کی عزت کریں۔ اور بیشک اپنے اپنے انتخاب کی آزادی ہونی چاہیئے اتنی آیتیں لکھی ہیں۔ کوئی غور سے پڑھے اور حقیقت پر نگاہ ڈالے تو ناممکن ہے کہ خالص اسلام اس کے سامنے نہ آئے۔ باقی دھکنے والا اور چونکانے والا وہ تو محض اسلام کی ہمدردی میں کر رہا ہے جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کام کے لئے وہ کافر ملحد مرتد کے الفاظ کو دعاؤں کے برابر سمجھتا ہے۔ گو سمجھنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کی پوجا ہوتی رہے اللہ میاں آپ راضی ہو جائیں گے۔ ہمیں مرتدوں کی بات کیا سننی ہے "فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

کیا درد تھا کہ ضبط سے دل میں نہ رک رکا
حق بات کہہ کے مفت میں سیفی نے جان دی

آٹھواں عکس

نئی کروٹ

دنیا کی دار و گیر میں مغرب تھا محوِ خواب

کروٹ جو لی جہاں کا دفتر الٹ دیا!

پیغام الٰہی کی جو روح رسولِ تہامی نے ذریت اسماعیل کے ساتھ اہل عرب کے دلوں میں بھر دی تھی وہ مشرق و مغرب کی وسعتوں میں پھیلی۔ ادھر اللہ اکبر کی آواز دیوار چین سے ٹکرائی اُدھر شمالی افریقہ اور اسپین سے ہوتی ہوئی فرانس کے میدانوں میں گونجنے لگی۔ دنیا میں ایک عالمگیر انقلاب آیا۔ نیا نظامِ معیشت دیکھتے دیکھتے مہذب ممالک پر چھا گیا۔ توحید پرستی کی روشنی نے قوموں کی طرز خیالی کو آزادی سے بدل دیا۔ عربوں کی تہذیب و ترقی یورپ سے راہب خانوں پر منڈلائی۔ عمامہ پوش تیز ہوش گندمی رنگ کے آزاد مردوں سے ان کا سابقہ پڑا۔ سمجھ کی باتیں ستھری عادتیں جیت بھرے نیلے جسم روشن خیالی ہنر پرستی علمی مذاق جدت پسند ذہنیت ایک خدا کا نظریہ ترقی پسند تعمیری دوڑ دھوپ دیکھی تو انگڑائی لی۔ اپنی فضا پر نظر ڈالی۔ ان کے قصر و ایوان اور رہائش کے عمدہ طور طریقے دیکھے۔ تقشف اور ترک دنیا کی وجہ سے وہ نہانے کو معیوب سمجھتے تھے۔ صحت کے اصول سے بے بہرہ گی تھی۔ عمل کا کوئی معیار نہ تھا۔ گناہ پادریوں سے معاف کرا لیتے تھے۔ لاکھوں مرد اور عورتیں خیالی نیکی میں ڈوب کر اپنی عزیز عمریں گرجاؤں اور راہب خانوں میں ضائع کر رہی تھیں۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے بتوں کے سامنے بیٹھا نیاں رگڑ رگڑ کر نجات کی راہ ڈھونڈی جا رہی تھی۔ پوپ کا اقتدار ادب و فلسفے کی جہالت میں دنیا تھا۔

صحرا نشینوں کی آزاد روی کو دیکھ کر احساس میں بیداری آئی ۔ علمی شوق نے گدگدایا۔ بائبل کے نسخے گرجاؤں کی میزوں پر چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے قرطبہ کی تلاش میں کوہ پائرنیز عبور کر گئے ۔ دوسرے راستوں سے پہنچے اور یونیورسٹی میں داخل ہو کر عربوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن کو وہ کافر سمجھتے تھے ۔ دیگر علوم کے ساتھ ابن رشد کا فلسفہ لے کر گھر لوٹے ۔ انسانی ترقی کے حالات بیان کئے ۔ مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو سراہا ۔ اسپینی شہروں کی شان و شوکت کے نقشے کھینچے ۔ عمارات و تصویر کے دماغی خاکے بنا کر دکھائے ۔ صنعت و حرفت تجارت و امارت کا حال کہا ۔ عربوں کی شہادت و بسالت فنون سپہ گری و شجاعت کی تصویریں کھینچیں ۔ یورپ میں ہر طرف شوق بڑھا تانتا بندھ گیا ۔ دوسری طرف سلرنو میں پہنچ کر طبی کالج سے فیض حاصل کیا ۔ علاج و مداوا سیکھ کر اصولِ صحت و طبابت کی خوبیوں سے آگاہ ہوئے ۔ شفاخانوں کے طریقے بیماروں کی تیمارداری علاج معالجے کا سلیقہ دیکھ کر آنکھیں کھلیں ۔ قرطبہ کے کتب خانے عیسائیوں کے لئے کفر و شرک اور شیطانی تعلیم کے ذخیرے تھے ۔ جب نظر پڑی تو معلوم کر کے حیران ہوئے کہ جن علوم کو وہ گمراہی خیال کرتے تھے وہ علم و اخلاق کا سرمایہ ہیں ۔ علم ہیئت کو عربوں کی عقابی نگاہ نے چار چاند لگائے تھے ۔ اٹلی کے ساحل پر ان کی بستیاں تھیں جن میں پہنچ کر صاحبان بصیرت نے ستاروں اور سیاروں کی نقل و حرکت کا ذکر سنا تھا اور سسلی اور پلرمو کی یونیورسٹی میں تحصیل علم کے لئے پہنچے تھے انہیں فیوض نے ان کو بیداری کا پیغام دیدیا ۔

یورپ جہالت کی تاریکی کو محسوس کر چکا تھا کہ اتنے میں ایک اور انقلاب آیا ۔ ترکوں نے چھ سو ہجری میں قسطنطنیہ فتح کر لیا وہ قسطنطنیہ جس کی بد عہدیوں نے مسلمانوں کو چھ سو سال ستایا تھا ۔ ترک عیسائیوں کو دھکیلتے دھکیلتے جوش انتقام میں وی آنا کی دیواروں پر جا کھڑے ہوئے ۔ یورپ میں کہرام مچ گیا ۔ گرجوں میں فریادی گھنٹے بجنے لگے لیکن تیمور کی ناعاقبت اندیشی نے ان کو ناکام کر کے لوٹا دیا ۔ اس دار و گیر میں جو اہلِ علم

یونانی الاصل اپنے بزرگوں کے ذخیرے سینے کے نیچے دبائے بیٹھے تھے قسطنطنیہ سے نکل کر یورپ کے مختلف ممالک میں پھیل گئے - جو لوگ عربوں کی صحبت میں علم کی چاشنی چکھ چکے تھے یہ علمی ذخیرے ان کے ہاتھوں میں پہنچے - چرچا شروع ہوگئی - بیداری میں شرارے پیدا ہو گئے - لیکن مذہبی طبقے کی گرفت نے کھلا پلٹا نہ کھانے دیا - ارسطو افلاطون اور دیگر حکمائے یونان کے علمی نشتر مذہبی "تار پود" میں اپنا کام کرنے لگے - اندر ہی اندر مواد پکتا رہا - اور چونکہ اس عام جہالت میں مذہبی طبقہ ہی لکھنے پڑھنے سے روشناس تھا - انہیں میں تحقیق و تفتیش کی آگ سلگتی رہی - قدرت نے ہر قوم کی ایک مدت مقرر و معین کر دی ہے "وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ" - عرب کچھ نا اتفاقی کچھ رفتار کی تھکن اور کچھ سوئے تدبیر سے کمزور ہو گئے - وہ مذہبی و سیاسی جوش اور قومی یکجہتی نہ رہی - اغیار میں دیگر خصوصیات کھو بیٹھے - اسپین سواحلِ بحیرہ روم اور اندرونی علاقوں میں سوئٹزرلینڈ تک جا بسے تھے اہلِ یورپ کی بیداری اور جوش سے اکھڑنے لگے - اور رفتہ رفتہ ہٹ کر ساحلِ افریقہ پر آ ٹکے - پھر سمٹ سمٹا کر بحیرہ روم کے مشرقی کنارے پر ٹھہر گئے -

بڑی وجہ یہ ہوئی کہ گریگری پادری کے پروپیگنڈے نے تمام یورپ کو بھڑکا دیا قومیں کونے کونے سے کھنچ کر بیت المقدس کی رہائی کے لئے فلسطین پر آ پڑیں - تاہم ابھی ایسی حالت نہ تھی کہ ان وحشیوں کی روک تھام نہ ہو سکتی - ابھی زنگی جیسا مدبر موجود تھا - عربوں اور ترکوں کی مشترکہ تلواروں نے تین تین لاکھ کے لشکر کاٹ کر کشتوں کے پشتے لگا دئے - بعد میں صلاح الدین نے اس سیلاب کو پامردی استقامت اور تدبر سے روکا اور ایسا سبق دیا کہ دھارے کا رُخ پھر گیا - جب یہاں کامیابی نہ دیکھی تو یہ لوگ کھسیانے ہو کر اسپین پر جا پڑے جہاں عربوں کی نااتفاقی اور سوئے تدبیر نے فرڈیننڈ اور ازابلا کو پہلے ہی کامیابی کی اُمید دلا دی تھی اور ان دونوں نے اتنا جنگ سے نہیں جتنا توڑ جوڑ اور چالوں سے غرناطہ کی بچی کھچی تہذیب کو ادھ موا کر رکھا تھا - ادھر سے یہ مدد پہنچ گئی تو زیادہ جری ہو کر ضربیں لگانے لگے - پھر بھی مسلمانوں نے چپے چپے اور بالشت بالشت زمین کے

لئے خون کی ندیاں بہائیں۔ عورتوں تک نے مردانہ جرأت کی وہ داد دی کہ تاریخ کے ورق ابتک سنہرے ہیں۔ آخر کار موسیٰ الثراجل کی شمشیر زنی کے بعد تین لاکھ مسلمان وہاں سے نکل کر الجیریا، مراکش اور ساحلی علاقوں میں بس گئے۔

گو ابھی تک ترک یورپ کے ایک حصے پر قابض تھے لیکن اسپین کی رکاوٹ ہٹنے کے بعد اہلِ یورپ نے ہاتھ دکھانے شروع کئے۔ ادھر سے فرصت ملی اطمینان ہوا تو دوسرے مشاغل کی طرف جھکے۔ اسپین والے عربوں کے شاگرد تھے کچھ دنوں ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ ترکوں کی وجہ سے خشکی کا راستہ مخدوش ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے سلسلے دولت اور تجارت کے لالچ میں بحری راستے کی تلاش ہونے لگی۔ کولمبس اس تگ و دو میں امریکہ جا پہنچا۔ اس براعظم کے معلوم ہونے سے اہل مغرب کو آگے بڑھنے کا موقع ملا ایک نیا میدان ہاتھ آگیا۔ آپس کے مذہبی جھگڑوں یا اصلاح کنندوں کے اختلاف سے جو مضطرب جماعتیں تھیں وہ خود یا بجبر امریکہ جانے لگیں ہمت والے دلیر پہنچے اور سونا سمیٹ سمیٹ کر لانے لگے۔ قافلے کے قافلے آبادکاروں کے جا بسے۔ ادھر البرقوق اور واسکوڈے گاما نے ایک عرب جہاز ران کی مدد سے بحری راستہ تلاش کر لیا۔ جس کے پیچھے اتنی سرگردانی ہوئی تھی۔ اب یورپ کے ہر ملک کے حوصلے بڑھ گئے پرتگال اسپین ہالینڈ کے بعد انگریزوں نے بھی ہاتھ پیر نکالے۔ مشرقی ممالک پر جو اب مغرب کی گھڑ دوڑ کا میدان بن گیا تھا آہستہ آہستہ دست درازی کرنے لگے۔

ڈریک پہلا انگریزی سیاح ہے جس نے دنیا کے گرد چکر لگایا۔ اس کی کہانی بھی کولمبس کی طرح دلیری اور جستجو کا بہترین نمونہ ہے۔ دو دو مہینے پانی میں چلتے رہے اور مستقل مزاجی سے کنارے پکڑے باد و باراں کے طوفانوں سے لڑتے۔ ساحلی علاقوں کی قوموں سے لڑتے مرتے رہے۔ طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ کئی بار جہاز غرق ہو گئے۔ بھوک اور فاقوں نے الگ ہلکان کیا۔ اسی سفر میں ڈریک کی سینہ زوری نے اسپین والوں سے مخالفت مول لی۔ کہیں ان کو مارا کہیں مال و اسباب کے ساتھ سونا لوٹا۔ یوں مصائب جھیلتا رقیبوں سے

لڑتا اور سونا چاندی جمع کرتا ہوا ۱۵۸۰ء میں ۲۵ ستمبر کو انگلینڈ پہنچ گیا اور اپنی انوکھی معلومات سے ملکہ الزبتھ کو حیران کر دیا۔ یہ سفر یورپ والوں کے لئے اور بھی ہمت افترا ثابت ہوئے دنیا کو ناپنے لگے۔

مشرق میں کیا دم تھا عرب تھے سو ایسا کمزور ہو گئے تھے۔ یورپ کا اقتدار بڑھ گیا۔ دولت کا الگ اضافہ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ ذہنی دماغی تبدیلی خوخاموشی سے ہو رہی تھی لوتھر کی اصلاح سے تیز ہو گئی۔ اس نے عیسائیت کو سخت پلٹا دیا۔ تنگ نظری دور ہوئی۔ روشن خیالی نے دماغوں میں بغاوت پیدا کر دی۔ ہزار سال سے پاپائے روم کا اقتدار ممالک کی باگ ڈور سنبھالے بیٹھا تھا ڈھیلا پڑ گیا۔ سیاسی اختیارات سمٹ کر وٹیکن کے اندر محصور ہو گئے فرانس میں والٹیئر اور روسو شہنشاہیت اور امرا کے جبر و تشدد کے خلاف جو آگ مدت سے سلگا رہے تھے انقلاب فرانس کی صورت میں بھڑک کر یورپ کے ممالک کو روشن کر گئی۔ آزادی کی ہر طرف بنیادیں پڑ گئیں۔ عیسائیت کے محکمہ احتساب کے پھندے ڈھیلے ہو گئے پادریوں کے فتوؤں سے جان چھوٹی۔ مذہب کے نام پر اہلِ علم اور صاحبانِ تحقیق نے ان کے ہاتھوں دو سو سال صعوبتیں جھیلی تھیں۔ ان سے چھٹکارا ہو گیا۔ حال یہ رہا کہ پادریوں کے خیال کے خلاف کسی نے ایک حرف بھی زبان سے نکالا تو فوراً شکنجے میں کس دیا گیا۔ ایسی دردناک سزائیں ملتی تھیں کہ ڈاکوؤں کو بھی نہیں دی جاتیں۔ کتنے تنوروں میں جھونک دئے گئے۔ چتاؤں میں جلا دئیے گئے اور نہ معلوم کتنے قید و بند کی سختیاں جھیل کر مر گئے۔

گلیلیو پر صرف یہ دعویٰ کرنے کے سبب دو مرتبہ مقدمہ چلایا گیا کہ زمین گول ہے۔ سورج کے گرد حرکت کرتی ہے۔ بہت سے زور دار ثبوت دئے لیکن پادریوں کی بلا جانے یہی کہتے رہے کہ انجیل کے خلاف ہے۔ آخر بیچارہ کسی قدر شناس کی سفارش سے رہائی پاکر زبان بند کر کے گھر میں بیٹھ رہا۔ اپنی ایجاد کردہ دنیا کی پہلی دوربین لے کر چھت پر ستاروں

اور ستاروں کا معائنہ کرتا رہتا تھا - وہ علم ہیئت کا پیغمبر کیسی بے بسی اور بے کسی میں رہا دیکھ کر جگہ پھٹتا ہے - یہ ناشناس دنیا شہیدانِ علم پر کتنا ظلم کرتی رہی ہے - تاہم اس نے کئی مرتبہ چاہا کہ مذہبی رکاوٹوں کا طلسم توڑ دے لیکن یہ کام اگلوں کے مقدر میں تھا - آخر اس مشہورِ آفاق عالم نے اسی کس مپرسی لعنتوں اور پھٹکاروں میں دم توڑ کر جہلا کی ٹھوکروں سے نجات پائی - کام بدستور جاری رہا - کلیسا کا جبر اسے نہ روک سکا - جو بیداری پیدا ہو چکی تھی آنے والے قائم رکھنے کے لیئے قربانیاں دیتے رہے - آخر کار اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں روک باگیں بالکل ڈھیلی ہو گئیں - اہل علم کامیاب ہوئے - مخالفوں کے زور ٹوٹ گئے اور تحریر و تقریر کی آزادی کا میدان ہاتھ آگیا -

ان رکاوٹوں اور دشمنوں نے مذہب سے رہا سہا بیزار کر دیا تھا - پہلے اسی پر ضربیں لگائیں - اس کے سارے نظریے توڑ پھینکے - پھر تو تیز نظر اور انوکھے دماغ نئی نئی خبر لانے لگے - ڈیڑھ ہزار سال پہلے یورپ کے ایک کونے اور کنارے نے کروٹ لے کر منتر کی ٹمٹماتے نور کو سورج بنا دیا تھا - اس دوسری کروٹ میں دنیا ہی نئی بنا ڈالی - غور و فکر کی برکت سے وہ انقلاب پیدا کیا کہ پچھلی دنیا کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا - عرب استادوں سے اختراعاتِ علوم و فنون اور کلوں کی ایجاد نے ہزاروں میل آگے نکال دیا - انسانی خیالات کے ہر شعبے کو پرکھنے والے آ گئے - والٹیر، ہیگل، پوپ، ہیوم، ہربرٹ اسپنسر، ڈرائیڈن، بیکن، آیلے، ورڈسورتھ، میکالے، ہکسلے، سیموئیل کالرج، براؤننگ، کیٹس، ڈکنز، شیلے، نطشے، رسلو، یورپ میں اٹلی فرانس جرمنی اور خاص کر انگلینڈ نے تیز نظر انسان پیدا کر کے ہر علم اور ہر فن پر احسان کیا - جنہوں نے خیالات کی کایا پلٹ دی ہر خیال کو سرے سے پرکھ ڈالا - پھر روایت کا ہے کی تھی نہ زمین کو بخشا نہ آسمان کو -

کوئی تبدیلی دفعتہً واقع نہیں ہوتی - تغیرات رفتہ رفتہ بروئے کار آتے ہیں - یورپ کے انقلاب میں بھی صدیاں خرچ ہوئی ہیں - آغاز کے لوگوں میں تشکیک کا بڑا درجہ ہے

اس نے خیالات کو پرکھنے کے بجائے فطرت انسانی کی تحلیل کی۔ اصل یہ ہے کہ اس کے روزمرہ کے افعال و اعمال کو جانچ کر نفسیات کی بنیاد رکھدی جو آنے والوں کے لئے ایک زبردست تحریک ثابت ہوئی۔ اُس وقت علمی جستجو کا آغاز تھا۔ راجر بیکن نے نئی تحقیق کی بنیاد رکھدی تھی۔ پھر بھی ذرائع و وسائل بہت محدود تھے جبکہ تیز نظر اور کھلے شکسپیر نے انسانی دل و دماغ کو کھنگالنا شروع کیا۔ اُس کی باریک بین دوراس نگاہ نے گوشت پوست کے پردوں کو خیال کے نشتر سے ہٹاکر فطرت کے نقش و نگار کو عریاں کر دیا۔ بچے بوڑھے جوان اور ادھیڑ عورت مرد غریب امیر شہری دیہاتی عالم جاہل بازاری درباری سب کے قول و فعل کو جانچ لیا۔ رگوں اور نسوں کی گہرائیوں تک پہنچ کر اُن مرکزوں کو معلوم کر لیا جن سے نیتیں اور خیالات بن بن کر نکلتے ہیں۔ جو ہر موڑ پر ڈھلے جاتے ہیں۔ ہر موقع پر بصارت اور بصیرت سے چھپائے جاتے ہیں اور سخت احتیاط کے ساتھ الفاظ کے غلافوں میں لپیٹے جاتے ہیں۔

محبت کے پرستاروں سے ایسی باتیں کہلائیں جو حقیقت میں واقع ہوتی ہیں۔ افسانوں کے پیرایے میں پیش آنے والے واقعات بیان کئے۔ دوسروں کی زبان سے وہ صداقتیں بیان کیں۔ جو رات دن پیش آتی ہیں۔ لیکن تیز نگاہیں بھی اُن تک نہیں پہنچتیں۔ اپنے یہاں چیزیں بہت شاذ ہیں۔ مقاماتِ حریری کے مصنف نے لفظی صنعتوں کے ڈھیر لگا دیئے جیسا کہ ایشیا کا خاصہ ہے مطالب و خیالات کی بہت کمی رہ گئی۔ مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو مشرق و مغرب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہاں لباس کی ٹیپ ٹاپ اور ظاہری ملمع سازی تک دماغ پہنچتا رہا ہے مطالب و معانی کی خوبی سے بہت کم سروکار تھا۔ وصاف اور درّہ نادرہ اس خصوصیت کی بہترین مثالیں ہیں۔

شکسپیر کی یہ ایک بات کتنی حقیقتوں پر مبنی ہے کہ "دنیا میں کوئی بات بھی اچھی بُری نہیں انسان کا دماغ اُس کو اچھا بُرا بناتا ہے" یہی صورت ہے جو تمام خیالات اور پسند ناپسند کے فلسفے پر حاوی ہے۔ جن باتوں کو ایک جماعت حقارت سے ٹھکراتی ہے دوسرا

طبقہ اس کو نور اور تازہ روح سمجھ کر سینے سے لگا لیتا ہے۔ لوگ ہر خیال اور ہر نظریے سے محبت و نفرت کرتے ہیں۔ اسی اصول پر بہتر بدتر ہے اور بدتر بہتر سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کے عقلا کی باتوں کی مثال ہمارے ادب میں کم ہے لیکن ہمارے عقلا نے بھی غور و فکر سے اقوال میں حقیقتیں بیان کی ہیں۔ عربوں کے اقوال ان کے مقابلے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ اردو میں بھی چیدہ چیدہ باتیں ملتی ہیں۔ خدائے سخن میر تقی میرؔ کی نگاہ شکسپیر کے اس نکتے پر پہنچی ہے بلکہ کچھ آگے نکل گئی ہے۔ اُن کی ایک غزل ہے جس کا مقطع ہے :-

سخت کافر تھا جس نے پہلے میرؔ
مذہب عشق اختیار کیا۔

اسی میں فرماتے ہیں :-

یہ توہّم کا کارخانہ ہے
یہاں وہی ہے جو اعتبار کیا

اس اختصار میں بڑی وسعتیں ہیں۔ جو خیال بھی مان لیا جائے اس سے باہر نہیں۔ خیالات و معتقدات کی ساری دنیا ان دو مصرعوں میں سمو دی ہے۔ اپنی اسی تیز نظری پر افسوس کر کے اور ناقدر شناسی کا گلہ کر کے ایک جگہ فرمایا ہے :-

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ میرؔ سوداؔ اور غالبؔ جیسے استادوں کو اگر ماحول اور فضا یورپ کی ملتی تو پردوں سے حقیقتوں کے موتی نکالتے۔ ہندوستان کی فضا ہی کیا اور پھر وہ بھی گراوٹ کے زمانے میں۔ پھر بھی انہوں نے چیدہ چیدہ جو کچھ کہہ دیا ہے موجودہ اہل نظر کو دکھایا جا سکتا ہے۔

شکسپیر کی باتیں دیکھ کر "الشعراءُ تلامیذُ الرحمٰن" پر نظر جاتی ہے

اس کا زمانہ انگریزوں کی تاریخ میں بڑا اہم زمانہ تھا۔ بیکن، رسکن، کرلائل، اس کے ہمعصر ہیں جنھوں نے انسان کو یونان کے بعد الفاظ کی ملاحت سے نکال کر معانی و مطالب کے حسن پر جھکا دیا۔ اگر شکسپیر نے اپنی نگاہ کی باریکیاں نظم اور ڈراموں میں دکھائیں تو ان لوگوں نے مضمون نویسی کا ایک عجیب میدان ایجاد کر کے نثر نگاری کو عروج پر پہنچایا۔ خیالات نظریات حقیقت نگاری اور تنقید کا ایک انوکھا طرز نکالا۔ انہی کی رہنمائی سے ڈرائیڈن اور پوپ وغیرہ جیسے مفکر بعد میں پیدا ہوئے جن کی ذہنی بغاوتوں نے یورپ کو ہی نہیں تمام دنیا کو بدل دیا اور باریک بینی سے نہ کی کوڑیاں نکال لیں۔ وہ تحریر قابلیت وہ اسلوب زندگی وہ اولوالعزمی اور استقلال جس کے سہارے قدم بڑھتے ہیں جس سے دماغوں میں تفوق پیدا ہوتا ہے۔ حکومت کی قابلیت آتی ہے وہ ان اولین و متوسطین کی تحریروں میں موجود ہے۔ یورپ میں بیشک نئی روح پیدا ہو رہی تھی اور بلاشک وہ قدرتی اثر تھا۔ لیکن ادبی انقلاب بھی اثر ڈالنے میں اور اسباب سے کم نہیں رہا۔ گوئٹے کی قوم پرستی کے انقلاب نے اٹلی پر برابر اثر ڈالا ہے۔ المانی دل و دماغ اس کی صداؤں کی گونج سے کبھی خالی نہیں رہے۔ انہی لوگوں نے وطن پرستی کی بنیادیں مضبوط کی تھیں جو اصول بن کر چلیں۔

ہمارا یہ خاصہ رہا ہے کہ بےخبری کو آگاہی اور آگاہی کو بےخبری سے بڑھانے گھٹانے رہے ہیں۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ اچھی بات کو نکال کر اختیار کرتے اور برے خیالات کو جو ہمارے مناسب نہ تھے رد کر دیا کرتے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ ہمارے یہاں سب کچھ تھا۔ اس لئے کہ ہمارے ذخیرے میں حقیقت نگاری بہت ہی کم ہے۔ عرب اگر فخر کرتے تھے دوسروں کو گونگا کہتے تھے تو حق بجانب تھے ان کی جاہلیت کی فصاحت و بلاغت اور حقیقت نگاری کو بھی خدا ہی نے إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ الخ کہہ کر ہلکا کیا تھا۔ ہم محض تخیل بازی کو سب سے بہتر نہیں کہہ سکتے یورپ نے حقیقت نگاری کو علم ادب کا

مقصود قرار دیا۔ زندگی بید اکی۔ تاہم اگر ان پھیکے مبالغوں اور بعید از حقیقت ذخیروں میں سے انتخاب کیا جائے تو ایسے جواہر ریزے نکل سکتے ہیں جو مقابلے میں رکھ سکیں۔ مشرق بعید کو چھوڑ کر صرف سنسکرت اور قدرے فارسی کے ادبی انباروں میں سے چناؤ کیا جائے تو کچھ اقوال نکل آئیں گے جو مغرب کے معترضین کی تسلی کر سکیں۔

اہلِ عرب نے دنیا کو غور و فکر سے دیکھ کر ایسی باتیں بہت کہی ہیں جو قدرتی صداقت پر مبنی ہیں۔ ایک بنیادی مقولہ یاد آگیا ہے جو حقیقت نمائی سے خالی نہیں "دُر مع الدّھر کیفَ مَا دَارَ" زمانے کے ساتھ پھر و جدھر کو بھی وہ پھرے۔ اس قول کی صداقت کا خود مسلمانوں کی حالت سے اندازہ لگ سکتا ہے۔ یورپ نے دنیا کو بدل دیا تھا۔ اس قول پر عمل کر کے زندگی سنبھالنے کے لئے بدلنا ضروری تھا۔ کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور ہوا تو صرف ان کی وہ برائیاں اختیار کر لیں جو یہاں ہمارے سیکھنے والی نہ تھیں۔ خوبیوں پر نظر بھی نہ ڈالی۔ انگریز کے لائے ہوئے انقلاب سے ہندو مع اپنی فرسودہ قباحتوں کے منقلب ہو گیا۔ مسلمان جہاں پہنچ چکے تھے وہیں رہے۔ اس لئے پھسڈی رہ گئے "النَّاسُ علیٰ دِینِ ملوکِھِم" لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ سر سید مرحوم نے اس قول کی صداقت سے انکار کیا ہے۔ کاش وہ اس وقت موجود ہوتے اور دیکھتے کہ ہندوستان کی ذہنیت پر انگریز کے اصول کس طرح بلا تبلیغ مسلط ہو گئے۔ روزمرہ کی زندگی ان کے سانچے میں کیسی ڈھل گئی حالانکہ وہ اپنی کوٹھی میں بیٹھا رہا۔ دیسیوں کے میل ملاپ سے بہت دور رہا۔ چاروں طرف سے شور بھی مچتا رہا کہ بہت کافر ہیں، دور رہو۔ پھر بھی عورت مرد بچے بوڑھے جوان ادھر نامعلوم طریقے پر بدل گئے اور اب جو قوم بھی سیاسی تفوق حاصل کرے گی ادھر ڈھل جائیں گے۔ یہی ہوتا رہا یہی ہوتا رہے گا۔ ایران جیسا مہذب ملک عربوں کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔ پھر خاندانِ صفویہ کی نقل کرنے لگا۔ پہلوی طرز پر پہلو بدل لئے "سیّدُ القومِ خادِمُھُم" ان کا آزاد جمہوریت پسند طبیعت کا آئینہ ہے۔ یعنی قوم کا سردار اس کا

خادم ہوتا ہے - یہ وہ فقرہ ہے جو قوموں کے ادب میں کمیاب ہے - بہت اقوال ہیں اس مضمون میں گنجایش نہیں جو لکھے جائیں -

غرض اہلِ یورپ اور خاص کر اہلِ برطانیہ نے ادب کی کایا پلٹ دی - مذہب کی چھو چھو سے نجات حاصل کر ہی لی تھی - بندشیں کھلتے ہی چاروں طرف کو پھیل گئے - زمین پر دوڑے آسمان پر اُڑے مشرق و مغرب چھان ڈالے - میدان کھود ڈالے پہاڑ اکھاڑے خیالات پر کھنے کے بعد مظاہر قدرت کے اسباب تحقیق کئے جن کے آئے دن کے ظہور سے انسان لاکھوں سال کا نیتا رہا ہے - یہی تحقیقیں تھیں جن سے نئے علوم و فنون ایجاد ہو گئے - زمین چھاننے کی وجہ سے جغرافیہ مرتب ہوا علاقوں اور منبع ہائے دور دراز معلوم کرنے میں بلند ہمت انسانوں نے اپنی عمریں ختم کر دیں - تاریک افریقہ کے اندرونی علاقوں میں جا گھسے جہاں اُس سے پہلے کبھی مہذب دنیا کا کوئی انسان داخل نہ ہوا تھا - دریاؤں کی صحیح گذر گاہیں معلوم کیں - امریکہ کا چپّہ چپّہ چھان ڈالا - ڈریک جیسا انڈرنہ زمین کا چکر لگا چکا تھا متجسوں نے اس سے آگے قدم مارے - ناقابلِ گذر مقامات میں تاب نول کی - لیونگ سٹون کو نئی دریافت کا شوق چرّایا - جب وہ افریقہ کے بڑے دریا زمبیزی کے کنارے پہنچا تو دہانے سے لے کر منبع تک تحقیق کرنے کی نیت باندھی - پھر جیسی جیسی صعوبتیں اٹھائیں وہ سفر کیا حضر میں بھی اٹھنی مشکل ہیں - کہیں بخار کہیں مہلک بیماری لگتی کہیں دلدلیں کہیں آبشاروں اور گردابوں کی تباہی - قبائل کا قہر و غضب اس تگ و دو میں عزیز عمر کے تیس سال صرف کئے اور معلومات بہم پہنچا کر آخر کار اسی کام میں جان دیدی - ہم اٹھ کر ان دریاؤں کی گذرگاہیں اور منبع دیوار سے لٹکے ہوئے نقشوں پر کیسی آسانی سے معلوم کر لیتے ہیں - ذرا بھی اندازہ نہیں کرتے کہ یہ معلومات کتنی قربانیوں سے حاصل ہوئی ہیں - ہم اپنے ملک کی موٹی چیزوں پر بھی نظر نہیں ڈالتے - کہیں جائیں بھی تو عورتوں کے حسن و قبح کی داستانیں کر کر لذت لیتے ہیں - نہیں دیکھ سکتے کہ

آدمی کیسے ہیں ملک کیسا ہے معیشت کیا ہے۔ گھر میں آکر اپنے ہی وطن کی خوبیاں اور ترجیحیں بیان کرتے ہیں۔

امریکہ کے ابتدائی حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ پیسے اور شہرت کے طالبوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ یہ بڑا عظم اسپین والوں کی محنت سے معلوم ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ یورپ کی تمام قومیں ڈھل پڑیں اور تلاش و جستجو کے کارنامے تاریخ میں چھوڑ گئیں۔ اسپین کا ایک افسر پیرو تک پہنچ چکا تھا اور ملک کو اس کے سونے اور پیداوار سے مالدار کر دیا تھا۔ اس افسر کا نام بل بوا تھا اور اس کے نائب کا نام پیزارو۔ جس نے تلاش کا بقیہ کام ختم کیا اور ۱۵۲۴ء تک اپنا ارادہ پورا کر لیا۔ کا دیٹر فرانسیسی نے انہی دنوں کینیڈا کے تین سفر کئے نئے علاقے اور نئے جزیرے معلوم کر کے لوٹا۔ وحشیوں کو رام کیا۔ وہاں بڑے مصائب جھیلے لیکن انسان کے لئے ایک نئی دنیا لیا گیا۔ منگو پارک نے افریقہ میں دریائے نائیجر کے منبع کی جستجو میں ایسی ایسی ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھائیں کہ پڑھو تو یقین نہیں آتا۔ کیسے کیسے معمولی کاموں کے لئے ان لوگوں نے جانیں کھپائی ہیں۔ اسی دور میں اس بہادر نے وحشیوں کے ہاتھوں زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

۱۷۶۵ء میں کپتان کک انگریزی بحری سیاح نے دوبارہ دنیا کے گرد چکر لگایا۔ محض ایک علم نجوم کی معمولی سی معمولی بات کے لئے نکلا تھا اور اتنا بڑا کام کر گیا۔ نیوزی لینڈ کی تفصیل معلوم کی۔ آسٹریلیا کے مقامات دیکھے ان کے نام رکھے۔ اس بہادر سیاح نے تین سفر کئے۔ اور آخر میں قطب جنوبی تک پہنچ گیا۔ ان سمندروں میں سینکڑوں جزیرے معلوم کئے اور ان ممالک میں اپنے آدمی بھی چھوڑے جو وحشیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ خود بھی آخری سفر میں ہوائی جزیرے کے وحشیوں کے ہاتھوں بے رحمی سے مارا گیا۔ یہ وہ بڑا سیاح ہے جس نے معلومات کے

ڈھیر لگا دیئے۔ جزیرے اور ہزاروں میل لمبے ساحل جو کسی نے پہلے نہ دیکھے تھے دریافت کر ڈالے اور اپنے ان کارناموں سے شہرت دوام حاصل کر لی۔

بدمعاشوں لفنگوں اور سزا یافتوں نے بھی تو اس زمانے میں بڑے بڑے کام ہائے نمایاں کئے۔ آسٹریلیا کی اندرونی معلومات میں بہت سی جانیں نئے آباد کاروں کی ضائع ہوئیں۔ پہلے سٹرٹ کی مہم نے حالات کا کھوج لگایا اور دردناک عذاب سہے۔ سخت مصیبتیں اٹھا کر معلومات بہم پہنچائیں۔ برک اور ولز نے بعد میں وہ مصائب جھیلے کہ پڑھ کر پیغمبروں کی تکلیفیں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کر ڈالا اور آخر کار نہایت دردناک مصیبتیں جھیل کر دنیا کو خیرباد کہہ دیا۔ یہ وہ حالات ہیں جو اہلِ نظر کو ضرور پڑھنے چاہئیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہلِ یورپ نے محض معلومات کے لئے کیسی کیسی عزیز جانیں کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا کر قربان کی ہیں اور یہ علوم و فنون کتنی قربانیوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ ان سب کی کہانیاں تفصیل سے پڑھنی چاہئیں۔

قطب شمالی کی "تلاش انیسویں صدی کے شروع ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں ایک ناروے کے سیاح نینسن نے آخری نقطے تک سفر کر ڈالا اور گرین لینڈ کے اندرونی علاقے۔ اس نے گرین لینڈ کے بعد کا سفر جو تیرہ ساتھیوں کے ساتھ کیا پڑھنے کے قابل ہے۔ کئی سال قطب کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اور ۱۸۹۵ء کے شروع میں ۔ ا درجہ شمالی تک پہنچ گئے۔ وہاں سے واپسی پر زندہ سلامت ناروے پہنچے۔ یہ کام اصل میں پیری ہنسین کے عزم راسخ نے ۱۹۰۹ء میں تکمیل کو پہنچایا اس طرح کہ قطب کے آخری نقطے پر پہنچ کر امریکہ کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ کئی مرتبہ جانکاہ کوشش کے بعد یہ مستقل مزاج انسان کامیاب ہوا۔ راس بارک سے سخت ترین راستہ شروع ہوتا تھا جو تین سو پچاس میل تک برف سے گھرا ہوا تھا اور جہاز اس میں ایک سیاہ دھبہ معلوم ہوتا تھا۔ کئی جگہ برفانی تودوں سے ٹکرایا۔ برف میں جم گیا لیکن یہ جری سیاح اور اس کے ساتھی

برف سے لڑتے رہے۔ پھر برفانی گاڑیاں لیں جن میں کتے جوتے جاتے ہیں۔ برف کے گھر بنا کر چار پانچ مہینے کی صبر آزما قطبی راتیں ان میں بیٹھ کر گذاریں۔ اس طرف کی آخری بندرگاہ سے سیدھے قطب کی طرف چلے یہ چار سو میل کا راستہ تھا۔ اس سفر میں ایثار و قربانی کی بے مثل مثالیں ان سے وقوع میں آئیں۔ جتنے قطب سے قریب ہو جاتے جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ آخر میں تو ایسی سخت آئی کہ چہروں میں رخنے پڑ گئے اور آخر کار قطب شمالی پر جھنڈا جا گاڑا۔ یہ اتنی محنت مشقت تھی کہ قیاس میں نہیں آ سکتی۔ بعد میں امینڈسن اور سکاٹ نے قطب جنوبی کو فتح کیا۔ ان کا حال بھی اولوالعزمی عزم راسخ اور فرض شناسی کی ایک لرزا دینے والی داستان ہے۔ ہولناک خطروں سے نکلے۔ کئی سرد موسم بیچ میں گذارے اور آخر کار قطب جنوبی میں پہنچ کر واپسی میں یکے بعد دیگرے سب موت کے گھاٹ اتر گئے برف کے تودوں میں دب کر انسان کو دعوت عمل دے گئے غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انسانیت سے بالاتر تھے ان کے عزم راسخ کے سامنے انسانی کمزوری ہیچ ہو جاتی ہے۔ موت کا یقین رکھتے ہوئے قدم مارے اور فرض میں ذرا سی بھی کوتاہی نہ کی۔ ان کی قومیں ان کی قربانیوں پر جتنا چاہیں فخر کریں حق بجانب ہیں۔ ہم ان کے پاس ہوتے تو دیوانہ کہہ کر مذاق اڑاتے کہ ہوا کیسے احمق ہیں قطبوں میں جان دینے جا رہے ہیں۔

انسان میں شعور پیدا ہوا تو اجرام سماوی کو دیکھ کر حیران ہوتا رہا کہ یہ ہماری زمین کی ہر چیز سے مختلف کیا چیزیں ہیں؟ یہ ان کی نقل و حرکت کیا ہے کیوں ہے؟ مختلف زمانوں میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں۔ کسی نے کہا دیوی دیوتا ہیں کسی نے اڑائی کہ ہماری زندگی میں ان کو بہت دخل ہے۔ کسی نے قیاس لڑایا کہ دیوتا سورج کو دن بھر چلاتے ہیں اور رات کو سمندر میں ڈبو کر پھر مشرق سے نکال دیتے ہیں۔ دیہاتی بغیر کسی قیاس کے اپنے رات کے کاموں میں ان کے طلوع و غروب سے وقت کی تعیین کرتے رہے۔ بابل یونان اور عرب

کے نیز نگاہوں نے بہت سی تحقیقیں کیں۔ سبعہ سیارہ معلوم کئے۔ کبھی اندازہ لگا کہ زمین مرکز ہے کبھی یہ خیال ہوا کہ سورج منبع ہے لیکن یونان کے بعد عربوں نے بہت سے اندازے صحیح لگائے۔ سیاروں سے گذر کر ستاروں پر نگاہیں جمائیں۔ شکل صورت کا تعین کیا۔ شخصی ستاروں کے نام رکھے۔ ظہر الدب۔ مراق۔ فخذ۔ مفرد کو کہا کہ ہل کی شکل ہے اور اس کا مجموعہ دبّ اکبر کہلاتا ہے۔ ستاروں کے وہ بے شمار جھرمٹ جو آسمان پر بھرے پڑے ہیں قدماء نے اکثر معلوم کر لئے تھے اور نام بھی رکھ لئے تھے۔ سیف الجبار ان میں سب سے بڑا اور خوبصورت پُراسرار جھرمٹ ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ انسانی آنکھ کے لئے کوئی آلہ نکل آئے جو سامانِ جستجو بن کر مزید تحقیقات کا سبب ہو جائے۔ یورپ کی باری آئی۔ ہالینڈ والوں نے دوربین کے شیشے معلوم کئے لیکن وہ خام بھی تھے اور وہ لوگ پوری طرح ان سے کام بھی نہ لے سکے۔ اتنے میں اٹلی کے گلیلو نے دوربین ایجاد کر کے علم ہیئت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور اس عظمت کا سہرا اپنے سر پر بندھوالیا۔ دوربین سنبھال کر اس نے آسمان کو ٹٹولنا شروع کیا۔ پہلے چاند کی چھان بین کی۔ اس کی وادیوں اور پہاڑیوں کا خاکہ کھینچا۔ سورج کے داغ معلوم کئے ان کی اہمیت بتائی۔ مشتری کے نائب ٹٹول ڈالے یہ کہہ کر سورج اپنے محور پر گھومتا ہے نظامِ کاپرنیکس کی تصدیق کر دی۔ علمِ ہیئت والے اور پادری اس کی تحقیقوں سے دونوں چیخ پڑے۔ خلاف تحقیق اور خلاف عقائد باتوں نے بیچارے کو کلیسا کا مغضوب بنا کر عمر بھر مصیبت میں رکھا۔ مذہب اس بات کو کہاں گوارا کر سکتا تھا کہ زمین گول ہے گردش کرتی ہے۔ اب دوربین میں بہترین ترقیاں ہوتی گئیں۔ ہائگنز نے اپنی طاقتور دوربین سے زحل کے گرد گھومنے والے روشن ترین سیارے کو معلوم کیا پھر زحل کے حلقوں کی اٹل تحقیق کر ڈالی۔

اتنے میں علمِ ہیئت کا بڑا محقق اسحاق نیوٹن دنیا میں آیا اور عکسی دوربین تیار کر کے

ایک اور انقلاب پیدا کر دیا۔ ہال اور ڈولینڈ نے جدّت کر کے عدیم اللون دوربینیں بنائیں۔ ہرشل جو جرمنی کا رہنے والا تھا اس نے انگلینڈ میں رہکر ایک حد تک دوربین کی اصولی تکمیل کر دی بعد میں بہت بڑی بڑی کلیں بنائی گئیں۔ کیلیفورنیا میں مونٹ ولسن کی رصدگاہ کی دوربین کے شیشے کا وزن ساڑھے چار ٹن ہے۔ یہ شعاع کو دو لاکھ پچاس ہزار دکھاتا ہے۔ اس دوربین نے چاند کو صرف چار پانچ ہزار میل کے فاصلے پر لا کھڑا کیا ہے جو زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ پہلے انسانی آنکھ صرف پانچ ہزار ستارے دیکھ سکتی تھی لیکن لیکن اس دوربین نے ان کی تعداد دس لاکھ کر دی ہے۔ اور ان اندازہ ایک ارب لگایا گیا ہے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ زمین نظام شمسی میں تمام سیاروں سے چھوٹی اور صرف عطارد سے بڑی ہے۔ ستارے اور جھنڈ تمام کے تمام ایک نظام کے ماتحت ہیں۔ ہر نظام میں ایک یا ایک سے زیادہ سورج ہیں۔ آپس میں ان کا فاصلہ اتنا ہے کہ ارب کھرب اور ملین بلین ان کے مقابلے میں اکائیاں ہیں۔ گو موسم کی تبدیلی کی وجوہات یقینی نہیں لیکن اس میں دوسرے اجرام کی اثر اندازی مسلّم ہے۔ زمین سورج سے الگ ہوئی ہے جو جیمز جینیز نے ریاضی کے اصول سے معلوم کیا ہے۔ وجہ علیحدگی کی یہ بیان کی ہے کہ کوئی بڑا جسم حرکت کرتا ہوا سورج کے قریب آیا جس کی حدّت سے سورج کا ایک حصہ ابھر کر الگ ہو گیا۔ اور بخارات کی صورت میں اس کے گرد چکر کھانے لگا۔ تیز گردش میں غیر ثابت ہو کر مادّے کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے۔ زمین اور دیگر سیاروں کی پیدائش کی صورت یہ ہوئی۔ ان میں مشتری اور زحل سب سے بڑے اور زہرہ عطارد مریخ اور زمین چھوٹے کروں میں آ گئے۔ یہ بھی نظریہ ہے کہ بڑے سیارے تیز گھومنے والے مادّے کے درمیانی حصّے سے اور چھوٹے آخر سے نکلے۔

اس نظریے کی تقویت یوں ہوتی ہے کہ ان سب کی حرکت ایک طرح کی ہے۔ بلکہ رخ بھی سب کا ایک ہے۔ ایک ہی طرح کے مادّے ہیں۔ علمِ ہیئت قیامت کے امکانات

ثابت کرتا ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی ستارہ گردش کرتا ہوا زمین سے ٹکرا سکے ۔ گو نظم و ضبط اور بے شمار خلا کی موجودگی اس امکان کو بعید ٹھیراتی ہے ۔ قیامت کا ایک امکان یہ بھی ہے کہ سورج کی گرمی کبھی زائل ہو جائے اور وہ مقررہ جگہ نہ ٹھہر سکے ۔ ہیئت دان تحقیق کر چکے ہیں کہ سورج کی حرارت خفیف مقدار میں گھٹ رہی ہے ۔ ہر گیارہ سال کے بعد تیزی سے چمکتا ہے اور رفتہ رفتہ گھٹنے لگتا ہے ۔ یہ بھی امکان ہے کہ خود زمین بھی چاند کی طرح ٹھنڈی ہو جائے ۔ اس لئے کہ زمین کے بعض حصے اس طرح تباہ ہوتے رہے ہیں ۔ یا مثلاً خشکی سمندروں میں ڈوب جائے اور ایسا ہوتا رہا ہے جہاں اب پانی ہے وہاں کبھی خشکی تھی کبھی بحرِ شمالی خشک زمین تھا ۔ یہ ثبوت مختلف مشاہدات سے مل چکے ہیں ۔

نیوٹن نے کشش ثقل کا قانون ایسا نکالا کہ علمِ ہیئت کے اندازوں میں جان پڑ گئی بنیادیں مضبوط ہو گئیں ۔ ورنہ قیاس آرائی سمجھی جاتی تھی ۔ اس مردِ بزرگ نے انسان کو بہت معلومات دیں ۔ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ سورج ستارے سیارے جو گردش کر رہے ہیں اس کا ثبوت اسی کے قانون سے ثابت ہوا ہے ۔ جتنے بھی اجرامی نظام ہیں اسی سے ان کے ثبوت ملتے ہیں ورنہ گردش اور راستوں کی توضیح بہت مشکل تھی ۔ حال یہ ہے کہ صرف مقناطیسی کی کشش سے جہلا کو حیرانی ہوتی ہے ۔ وہ خیال نہیں کرتے کہ اوپر سے گرنے والی ہر چیز زمین کی طرف کیوں آتی ہے ۔ یہاں تک ثبوت ہو چکا ہے کہ ہوا نہ ہو تو پر اور دوسری زمین پر اکٹھے گریں ۔ یہ اجرام کی تیز گردش ہی ہے جو ان کو تصادم تباہی سے بچا رہی ہے کیپلر کے نظریئے نیوٹن نے ہی ثابت کر کے دکھائے اور انہیں مسلمات بنا دیا ۔ وہ قانون اٹل ہو گئے جن کا کیپلر نے محض اندازہ لگایا تھا گو ان کے اندازے بھی ہمارے مسلمات سے زیادہ صحیح ہوتے ہیں ۔ نیوٹن ہی کی تحقیق ہے کہ سورج میں کشش کی طاقت ہے جس کی وجہ سے تمام سیارے اس کے گرد مستطیل مثلث کے راستوں میں گردش کرتے ہیں ۔ یہ مستطیل کی گولائی میں جو حرکت ہے کسی بیرونی طاقت کا اثر ہے ۔ زمین کی عام گردشیں

دو ہیں ۔ اپنے محور پر گھومتی ہے اور ساتھ ہی سورج کے گرد لمبی گردش کرتی ہے ۔ ان دو بڑی گردشوں کے علاوہ دو تین گردشیں اور بھی ہیں ۔ ہلتی ہوئی چلتی ہے آگے پیچھے ہٹتی بڑھتی چلتی ہے جو کسی بیرونی کشش کا اثر ہے ۔ یہ نظریہ بھی ہے کہ زمین کے قطر میں کوئی قطبین کے سروں کو ملانے والی چیز ہے جو خط کی صورت میں ایک قطب سے دوسرے قطب تک ملی ہوئی ہے اور کشش کا کام کر رہی ہے ۔ یہ معلوم کیا گیا ہے کہ دوسری جیسے باٹ کو جب خط استواء میں تولا گیا تو وزن ٹھیک تھا لیکن جب قطبین میں اس کا وزن کیا تو بہت بڑھ گیا ۔ یہ اس خط کشش کا اثر ہے ۔ شاید اسی وجہ سے قطب شمالی اٹھا ہوا اور جنوبی دبا ہوا ہے ۔ زمین اپنی لمبی رفتار میں ناک کی سیدھ نہیں چلتی بلکہ عرضاً اِدھر اُدھر ہٹتی بڑھتی چلتی ہے ۔ یہ ثبوت ہے کہ کوئی جرم سورج کے علاوہ اس کو کھینچ رہا ہے ۔

سورج کی عنایت سے زمین پر زندگی ہے ۔ یہی زمین کو کھینچتا ہے ورنہ کسی اور جسم سے جا ٹکراتی ۔ زمین اٹھارہ میل فی سیکنڈ کے حساب سے ایک مقررہ راستے پر دوڑ رہی ہے ۔ سورج کی حرارت خفیف سی گھٹتی ہے مگر وہ اپنے مدوجزر کے ذریعے پھر حاصل کر لیتا ہے ۔ سورج چمکدار مادوں سے بنا ہوا ہے ۔ گیسوں کے درمیان کوئی روشن مادہ تیر رہا ہے ۔ اتنا بڑا ہونے کے باوجود زمین یا چاند کی طرح ٹھوس اور سخت نہیں بلکہ زمین اور دیگر سیاروں سے وزن میں بہت ہلکا ہے اس لئے کہ گیسوں کا مجموعہ ہے ۔

اور گیس ہلکی چیز ہے ۔ پھر بھی اس میں زمین کے نصف سے زائد مفردات موجود ہیں ۔ لوہا جس طرح اور اجسام میں کثرت سے ہے اس میں بھی زیادہ ہے ۔ گیسوں میں سے ہائیڈروجن بہت زیادہ مقدار میں ہے ۔ آکسیجن اور ہیلیم کی بھی ملاوٹ ہے ۔ دھاتوں کے ابخرات بھی موجود ہیں ۔ لوہے کے ساتھ میگنیشیم کافی مقدار میں ہے ۔ کیلسیم ۔ پوٹاشیم ۔ سلیکان ۔ سوڈیم اور دوسری سب دھاتیں اس میں موجود ہیں ۔ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ اس میں طبقے ہیں اور ہوا کی طرح نہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ اس کا

قطر آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل اور زمین سے فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ سورج کی ایک عجیب بات گلیلیو ہی نے معلوم کر لی تھی کہ اس میں داغ ہیں جو ایک ہی سمت میں گردش کرتے ہیں۔ بعد شائنر نے ان کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ اس کی سطح کا سفر چودہ دن میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ داغ کنارے پر آکر غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر اتنی ہی مدت کے بعد دوسری طرف ظاہر ہوتے ہیں۔ دونوں سمتوں کی گردش کا اندازہ ان داغوں ہی سے معلوم ہوا یہ کہ سورج اپنے محور پر اٹھائیس دن میں گھومتا ہے۔ انہیں داغوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ یہ ٹھوس کرہ نہیں ہے۔ اس کی حرکت کی مدت مختلف مقامات سے مختلف اندازے میں ہے۔ ایک اور تماشا دیکھا گیا کہ یہ داغ تقسیم ہو جاتے ہیں اور اتنی تیزی سے بکھرتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے کی مدت اس کے آگے ہیچ ہے۔ یہ داغ زمین پر بھی اثر انداز ہیں۔ اس لئے کہ جب زیادہ ہوتے ہیں تو مقناطیسی سوئی میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ بعض کا قطر پچاس ہزار میل اندازہ کیا گیا ہے۔

شعراب نے یہ معلوم کیا کہ سورج میں جو جوار بھاٹا آتا ہے جس کا چڑھاؤ چار سال اور اتار ساڑھے چھ سال میں ہوتا ہے۔ گھٹاؤ میں داغ مٹ جاتے ہیں اور بڑھاؤ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس مدوجزر کی مدت گیارہ سال ایک مہینہ ہے۔ سورج کی سطح خاتم کاری فرش کی طرح ہے لیکن جو شعلے اس سے بلند ہوتے ہیں وہ دو دو اور تین تین لاکھ میل تک لمبے ہو جاتے ہیں۔ ان تغیرات اور سورج کی اس شان و شوکت پر غور کر کے سوچنے والا چار موجۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ قدرت کے یہاں حجم اور عظمت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کتنے کتنے بڑے اجسام ہمارے سروں پر گھوم رہے ہیں!

چاند بذات خود روشن نہیں سورج کی ہی روشنی سے روشن ہوتا ہے اور ہم سے تمام اجرام کی بہ نسبت قریب تر ہے۔ صرف دو لاکھ چالیس ہزار میل کا فاصلہ ہے قطر دو ہزار ایک سو ساٹھ میل ہے۔ زمین کا رقبہ چاند کے رقبے سے تیرہ گنا زیادہ

ہے۔ یہ سورج اور زمین دونو کے گرد گھومتا ہے۔ زمین سورج کے گرد تین سو پینسٹھ دن میں گھومتی ہے اور چاند صرف ستائیس دن میں چکر کاٹ جاتا ہے۔ کبھی اپنی گردش میں زمین سے صرف دو لاکھ تیرہ ہزار میل رہ جاتا ہے۔ جب سے بہت طاقتور دوربینیں ایجاد ہو گئی ہیں اس کا چپہ چپہ مشاہدے میں آ چکا ہے۔ بہت صاف ستھرے فوٹو لیے گئے ہیں اس کی سطح گنجے کے سر کی سی ہے۔ گول گول دائروں کا سلسلہ ہے جن کی شکل بجھے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں کی سی ہے۔ ان پہاڑوں کی احتیاط کے ساتھ پیمائش ہو چکی ہے۔ بعض دہانوں کے قطر بیس بیس اور چالیس چالیس میل کے ہیں۔ بار بار کے مشاہدات سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ بھی کبھی لاکھوں سال پہلے سورج کی طرح روشن تھا اور زمین بھی روشن تھی دونو چمکتے ہوں گے۔ لیکن چاند چھوٹا ہونے کی وجہ سے جلد سرد ہو گیا اور زمین اپنی جسامت کے لحاظ سے ابھی گرم ہے۔ سطح ٹھنڈی ہو گئی ہے تو جگہ ہنوز دہکتی ہوئی آگ ہے۔ جیسے یہ ٹھنڈے ہوئے ہیں سورج کی گرمی بھی اسی طرح گھٹ رہی ہے۔

چاند میں بے شمار پہاڑ ہیں۔ بعض بہت بڑے ہیں۔ نہریں ہیں جو پہاڑوں اور میدانوں میں گزر رہی ہیں۔ بعض دس میل اور بعض پچاس میل تک لمبی ہیں اور چوڑائی کسی کی دو میل سے زیادہ نہیں۔ یہ اصل میں شگاف ہیں جو سو سے چالیس گز تک گہرے ہیں۔ یہ چاند کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ چاند کے گرد فضا بالکل نہیں۔ مردہ جسم ہے اور اگر کچھ جان ہے تو بس اتنی کہ خفیف سی کچھ گھاس اُگ آتی ہے جو لمبی راتوں کی سردی میں فوراً فنا بھی ہو جاتی ہے۔ اس پر کچھ معمولی سے تغیرات محسوس ہوتے ہیں جو کرہ کے لحاظ سے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ جو آتش فشاں پہاڑوں کے سے دہانے ہیں اندازہ کیا گیا ہے کہ کبھی جیتے جاگتے آتش فشاں پہاڑ تھے لاوا اگلتے تھے۔ ان میں سے اکثر کے منہ پر بڑی بڑی فصیلیں ہیں جن کا قطر چالیس اور پچاس میل کے درمیان ہے۔ بیچ میں

چٹانیں ہیں جو دوسرے ہیجان کی علامت ہیں۔ ان میں سے ایک چٹان کا قطر چھبیس میل کے قریب ہے۔ نباتات معدوم ہے اس لئے کہ اس کرہ میں پانی کا نام نشان نہیں۔ کہر اور اوس بھی نہیں ہے۔ تیز سے تیز دوربین کو بھی تین سو سال کے عرصے میں کوئی بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آیا۔ زمین کے گرد تین سو میل ہوائی فضا ہے اور زمین کی عبادت پر اثر انداز ہے۔ چاند اس سے خالی ہے اور تغیرات سے محفوظ اسی طرح جیسے چاند اور سیارہ ہوتے ہیں اور پتھروں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ سورج اور چاند مل کر سمندر کے جوار بھاٹے پر اثر انداز ہیں۔ عورتوں کے علم ہیئت میں چاند میں بڑھیا بیٹھی چرخہ کات رہی ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ وہاں سرے سے جاندار ہی نہیں اور یہ کالے داغ جو اس کے حسین چہرے کو داغدار کر رہے ہیں اصل میں پہاڑ اور غار ہیں جن کی وجہ سے حسن میں خامی آگئی ہے۔

پہلے صرف اتنا معلوم تھا کہ سورج میں سیارے ہیں ستارے چمک رہے ہیں لیکن اب یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ درمیانی فاصلوں میں سیاروں کے بھی چھوٹے سیارے ہیں اور مریخ و مشتری کے درمیان متحرک ستارے بھی ہیں بہت زیادہ تعداد میں جن میں سے بعض پچاس میل کے قطر کے بھی ہیں۔ ان ستاروں اور سیاروں کے علاوہ ہمارے سورج کے نظام میں دمدار ستارے ہیں جو زمین کے قریب آجاتے ہیں اور پھر نہایت تیزی سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ یہ سیارے جن حلقوں میں سورج کے گرد گردش کرتے ہیں ان کو ناپا جاتا ہے تو حیرت سے سانس رک جاتا ہے بہت ہی زیادہ فاصلہ ہے۔ صرف زمین کے چکر کا قطر یعنی وہ حلقہ جس پر زمین سورج کے گرد حرکت کر رہی ہے جب اسے ناپا جاتا ہے تو اس کا قطر سولہ کروڑ پچاس لاکھ میل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے دور دراز فاصلے کو طے کرنے کے لئے زمین فی سیکنڈ اٹھارہ میل دوڑ رہی ہے۔ یہ رفتار اتنی تیز ہے کہ رائفل کی گولی کی رفتار اس کے سامنے ہیچ ہے۔ زمین اس سے سو گنا تیز دوڑ رہی ہے۔ مشتری بڑے سیاروں کے درمیان دوڑ کر سورج کے گرد بارہ سال میں چکر پورا کرتا ہے۔ یورینس چوراسی

سال میں اور پنجوان ایک سو چھپن سال میں اپنا سفر ختم کرتا ہے۔ ستارے جو بے شمار فاصلے کے سبب اتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں ہمارے سورج سے بہت بڑے ہیں اور ان کے نظام سورج کے نظام سے بہت وسیع ہیں بلکہ شہر اور گاؤں کی نسبت ہے۔

اجرام سماوی میں دمدار ستارے سب سے ہلکے اور کم اثر ہیں بعض چمکدار ہیں اور بعض تاریک۔ اب تک نہیں معلوم ہو چکے ہیں۔ ڈونٹی کا مشہور دمدار ستارہ چھ مہینے تک سامنے رہکر چمکتا رہا۔ اس کی دم خنجر کی طرح تھی۔ اتنا بڑا تھا کہ دم اور سر میں پانسو لاکھ میل کا فاصلہ تھا۔ اس کا خول باریک لفافے جیسا اور دم شعاعوں سے مشابہ تھی۔ دمدار ستارے عجیب عجیب کرتب کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج کی طرف آتے ہوئے دم پیچھے اور لوٹتے ہوئے آگے کر لیتے ہیں۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کا کوئی مقررہ راستہ نہیں کوشش ثقل کے تابع ہیں یہ تعجب خیز بات ہے۔ جب یہ کسی سیارے کے پاس سے گذرتے ہیں تو رفتار میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہیلی نے جو اپنے دمدار ستارے کی آمد کے بارے میں پیش گوئی کی تھی پوری ہوئی۔ ١٦٠٧ء میں کہا تھا کہ ١٧٥٨ء میں وہ ستارہ ظاہر ہوگا۔ ایسا ہی ہوا۔ پھر کہنے کے مطابق ١٨٣٥ء میں سامنے آیا۔ یوں بھی ہوتا ہے۔ کہ سیارے انہیں کھینچ کر غائب کر دیتے ہیں۔ یہ ٹوٹ پھوٹ کر بھی فنا ہو جاتے ہیں۔

عطارد اور زہرہ کے بارے میں خیال ہے کہ یہ سیارے آبادی کے قابل ہیں ان میں زندگی کا امکان ہے۔ زہرہ کا ایک ہی حصہ سورج کے سامنے رہتا ہے حالانکہ اس کا فاصلہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل ہے۔ مشتری تمام سیاروں سے بڑا ہے۔ سورج سے اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ میل ہے۔ رفتار صرف آٹھ میل فی سیکنڈ ہے۔ بارہ سال میں دورہ پورا کرتا ہے۔ اتنا بڑا ہونے کے باوجود زمین سے وزن میں صرف تین سو دس گنا زیادہ ہے۔ اس کے چار چاند ہیں جو تابع ہو کر چلتے ہیں۔ یہ زمین کی طرح زیادہ ٹھوس نہیں۔ بہت گرم ہے اور ابھی تک سرد ہونے کا عمل جاری نہیں ہوا۔ سورج کی طرح

اس پر بھی دھبے پڑتے ہیں۔ یہ ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ یہ سیارہ گیس کے بادلوں کا خول پہنے ہوئے ہے اور انہی خول پر دھبے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس پر سخت طوفان آتے رہتے ہیں جو اندرونی تغیرات کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے کہ سورج کی حرارت اس پر بھی بہت کم پہنچتی ہے۔ مگر روشنی سے مستفید ہے۔ چاند سفر میں اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جو کشش اور حالت سورج کے نظام میں ہے مشتری کے تابعین کے نظام میں وہی نمونہ ہے مگر چھوٹے پیمانے پر۔

مریخ زمین کا نمونہ ہے اور زندگی کا اس میں یقین ہے۔ یہ زمین سے بہت قریب آجاتا ہے۔ پھر بھی چار کروڑ میل کا فاصلہ رہتا ہے۔ ہیئت دان اس کے بارے میں سب سے زیادہ باتیں جانتے ہیں۔ اس کی تمام سطح کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ قطر چار ہزار دو سو ساٹھ میل ہے۔ زمین اس سے دس گنی بڑی ہے۔ یہاں تک اندازہ لگ چکا ہے کہ اگر اس میں زندگی ہے تو انسان یہاں سے طاقت ور اور چست ہے۔ یہاں کا آدھ سیر وزن اس میں صرف تین چھٹانک ہے۔ اس کا دن چالیس منٹ زیادہ ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ مریخ کا کرہ ہوائی آبی کے بخارات اور آکسیجن سے مرکب ہے اور بارش کا زبردست امکان ہے۔ قیاس ہے کہ اس کے بادلوں سے برف بھی گرتی ہوگی۔ اس کے قطبین زمین کی طرف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ سطح پر نباتات کے آثار ہیں۔ جنگلات اور چراگاہیں ہیں۔ اس پر کالی دھاریاں نظر آتی ہیں۔ جو نہایت اصولی شکل پر ہیں اور چونکہ سیدھی ہیں اس لئے نہریں قیاس کی جاتی ہیں۔ موسم سرما کے شروع میں پانی نظر آتا ہے۔ اس کے بعد پانی مفقود ہے۔ بہت سی سطح غبر آلود ہے اور سرخ ریت کی ہے جو اس کو قدیم زمانے میں خونی مشہور کر چکی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ نہروں میں پانی ہے۔ اور نشانات تاریک نباتات کے ہیں جو ان نہروں کے کنارے پر اگی ہوئی ہے۔ آب و ہوا انگلینڈ سے زیادہ سرد ہے لیکن اتنی حرارت موجود ہے جس میں ذی روح گذارہ کر سکتا ہے۔ اس کا دن چھ سو ستاسی دن کا ہے۔ سورج کی گرمی کم پہنچتی ہے۔ فوٹو میں اس کے روشن اور تاریک خطے آتے ہیں۔ خیال ہے کہ روشن خطے براعظم ہیں اور تاریک خطے سمندر ہیں۔ ایک خطہ بہت

بڑا براعظم ہے جو آبنائے کے ذریعے دوسرے براعظم سے جدا ہوتا ہے۔ تحقیق ہو چکا ہے کہ اس کی سطح پر تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور خود کسی ہلکی سی روشنی کے نقاب میں چھپا ہوا ہے۔ اسی کی وجہ سے معائنے میں مغالطہ لگ جاتا ہے۔ بعض اوقات گہرے بادلوں میں چھپ جاتا ہے اور حالات کا معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی فضا سال میں صرف دو مہینے معائنے کے قابل صاف ستھری رہتی ہے۔ ہوائیں اور رویں بھی تحقیق ہوئی ہیں۔ اب موجودہ دوربینوں سے زیادہ طاقتور دوربینیں بنائی جا رہی ہیں جن سے مریخ دلچسپ ترین کرہ بن جائے گا۔ پروفیسر ایزف ہال نے ایک موقع پر جب وہ زمین سے نسبتاً قریب تر آگیا تھا اس کے دو تابعوں کا پتہ لگا لیا۔ اندرونی تابع ان میں سے اس کے گرد سات گھنٹے چالیس منٹ میں دورہ پورا کر لیتا ہے۔ دوسرا بیرونی چاند چالیس گھنٹے میں گھومتا ہے۔ اس کی معلومات میں اضافے کی ابھی بہت کچھ امیدیں ہیں۔ خاص کر وہ لکیریں جو ہندسی شکلوں میں فوٹو میں صاف آ چکی ہیں نگاہ کو دلچسپی سے کھینچتی ہیں۔ دل بیتاب ہو جاتا ہے کہ ان کو قریب سے دیکھ کر کسی طرح حقیقت حال معلوم کی جائے۔ یہ بھی خیال ہے کہ یہ آبادیاں ہیں شہر ہیں۔ پھر یہ کہ ان کا انقطاع ہوتا ہے اور وہاں سیاہی گہری ہو جاتی ہے۔

زحل جسامت میں مشتری سے دوسرے نمبر پر ہے۔ تیس سال میں سورج کے گرد دورہ پورا کرتا ہے۔ اس کے گرد عجیب قسم کے چکر ہیں اور یہ سورج سے آٹھ سو چوراسی ملین دور ہے پانچ ہزار چھیانوے میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتا ہے۔ قطر اکہتر ہزار میل ہے۔ وزن میں حجم کے لحاظ سے بہت ہلکا ہے۔ اندازہ کیا ہے کہ اس کی کثافت پانی کی کثافت سے بھی کم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ٹھوس نہیں ہے۔ اس پر عجیب طرح کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اس کا جگر ابھی تک دہک رہا ہے۔ خیال ہے کہ مشتری اور زحل بھی ابھی تک سرد نہیں ہوئے ہیں۔ جب یہ تینوں سرد ہو جائیں گے تو جسامت میں دوسرے سیاروں سے بھی گھٹ جائیں گے۔ پہلی مرتبہ گلیلو نے زحل کے حلقوں کا معائنہ کیا اور بتایا کہ یہ

اصل میں تین ستاروں کے مجموعے سے مرکب ہے جو آپس میں ملے ہوئے ہیں - یہ گول نہیں ہے مستطیل نما لمبوترا سا ہے - اس کے بعد حقیقت کھلی کہ وہ دو بیرونی اجسام ستارے نہیں بلکہ اس کے حلقے کے دو حصے ہیں - ہائیجنس نے یہ تحقیق کی کہ زحل کے چکروں کی ترکیب ننگ ہالوں سے ہوئی ہے اور عجب تر یہ کہ جب وہ چکر اس کے ساتھ حرکت کرتے ہیں تو مختلف زاویوں میں پھرتے ہیں - پھر بھی ہر وقت اس کے استواء سے چمٹے رہتے ہیں حلقے کا کنارہ بعض اوقات اتنا باریک ہو جاتا ہے کہ نگاہ اسے دیکھ نہیں سکتی - اگرچہ اس وقت بھی اس کی چوڑائی چار سو میل سے کم نہیں ہوتی - زحل اور اس کے یہ حلقے سورج کی ہی روشنی سے روشن ہوتے ہیں - گویہ حلقے ٹھوس نہیں پھر بھی زحل پر ان کا سایہ پڑتا ہے - بعض مبصرین کا خیال ہے کہ یہ حلقے ذرات اور غبار سے بنے ہوئے ہیں - اس سیارے کے دس نائب ہیں - ان میں سے ایک بالکل مختلف سمت میں گھومتا ہے جس کی حرکات سکنات کا پروفیسر پکرنگ نے بغور معائنہ کیا تھا اور فوٹو بھی اتارا تھا - بعد میں اور تحقیق ہوئی تو صرف دو چکر ثابت ہوئے جن کے درمیان ایک تاریک سی لکیر ہے اور حقیقت میں وہ بھی چکر ہی ہے - یہ ان کی پیٹی باندھے ہوئے فوٹو میں بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے -

زہرہ اکیلا سیارہ ہے اس کا کوئی نائب نہیں - بہت نورانی اور خوبصورت ہے اسی وجہ سے اس کی پرستش ہوتی رہی ہے - یہ کبھی دو دو مہینے غائب ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت اچانک چمکنے لگتا ہے - اصل میں اتنا غائب نہیں ہوتا حرکت کی مجبوری ہے اس لئے کہ شام کو غائب ہو جاتا ہے تو صبح کو مشرق میں نمودار ہو جاتا ہے - بلکہ بعض مرتبہ دن میں بھی چمکتا ہوا آسمان پر نظر آ جاتا ہے - یہ دیکھ کر غم ہوتا ہے کہ یہ نورانی چمکدار سیارہ اصل میں چاند کی طرح سیاہ ہے اور سورج سے منور ہوتا ہے - جسامت میں زمین سے کچھ کم ہے - زمین کی طرح اس کے گرد بھی کرہ ہوائی ہے - یہ عجیب بات ہے کہ جب کبھی کوئی سیارہ اتفاقاً دوسرے سیارے کے گرد گھومتا ہے

تو ہیئت دانوں کے لئے ایک عجیب موقع ہوتا ہے اس لئے کہ زہرہ کے گذرنے سے انہوں نے نظام شمسی کی پیمائش کی ہے - یہ پیمائش کئی مرتبہ ہو چکی ہے - اس کا قطر سات ہزار چھ سو ساٹھ میل ہے - سورج سے چھیاسٹھ ملین میل دور ہے - زمین سے بہت گرم ہے حالات زمین کے سے ہیں - موسم اسی طرح بدلتے ہیں - نائبین کی ابھی پوری تحقیق نہیں ہوئی - خیال ہے کہ اس کے ساتھ چاہیں - دوربینیں انہیں عنقریب تلاش کر لیں گی -

یورینس اور نیپچون خالص اس زمانے کی تلاش سے معلوم ہوکر سیاروں کی تعداد بڑھا رہے ہیں - پہلے لوگ زحل کو نظام شمسی کا آخری سیارہ سمجھتے تھے - ان کو معلوم نہ تھا کہ یورپ کے متلاشی دو اور بھی نکال کھڑے کریں گے اور پھر نیپچون نظام کا آخری سیارہ مقرر ہوگا - یہ دونو آخری کنارے پر متحرک ہیں اور اتنی دور ہیں کہ ان کی سطح کا ڈھونڈنا مشکل ہے یورینس کا قطر تینتیس ہزار دو سو پچاس میل اور نیپچون کا سینتیس ہزار دو سو پچاس میل ہے - پہلا زمین سے چھتیس گنا بڑا ہے اور دوسرا ایک سو پچاس گنا - دونو سورج سے اتنی دور ہیں کہ سورج کا اثر بہت کم پہنچتا ہے - یورینس کے چار اور نیپچون کا صرف ایک نائب ہے - یورینس چوراسی سال میں سورج کے گرد گھومتا ہے - اس میں تینتیس سال کا دن اور اتنی ہی رات ہے یہ حالت حیات کے منافی ہے - نیپچون سورج کے گرد ایک سو پینسٹھ سال میں گھومتا ہے -

یورینس ہرشل کی محنت سے برآمد ہوا جو علم ہیئت کا سب سے ذہین ماہر تھا - اس کی بہن کیرولائن رات بھر پاس بیٹھی اس کے نتائج نگاہ نوٹ کرتی رہتی تھی ایسی محنتی بہن کسی کو نصیب نہیں ہوئی - یورینس اسی مرد فرزانہ کی محنت سے معلوم ہوا - اس سے پہلے کے ہیئت دان اسے ستارہ سمجھتے رہے تھے - اتنا البتہ کہتے تھے کہ یہ جو ایک طرف کو کھنچا ہوا ہے ضرور کوئی بڑا جسم اپنی طرف کھینچ رہا ہے - جرمنی کا ڈاکٹر لی ویرے مکمل حساب لگا کر نیپچون کی موجودگی اور سیارہ ہونے کے بارے میں یقین واثق پیدا کر چکا تھا - رصد گاہ کی مدد کے بغیر اسی حساب سے نیپچون تلاش کر لیا اور دنیا کو حیران کر دیا - کیا عجیب ہے جو اس سے بھی

پرے کوئی سیارہ ہو۔ ممکن ہے کہ بہت دور اس دوربینیں ایجاد ہو جائیں اور کوئی اور سیارہ سات پر اضافہ ہو جائے۔

روشنی کے بارے میں پہلے بہت مختلف نظریے تھے۔ بعض چاند سورج اور ستاروں کو روشنی کا منبع سمجھتے تھے۔ بعض انسانی آنکھ کو مرکز بتاتے تھے کہ ڈھیلے سے نگاہ نکل کر دوسری اشیاء کو محسوس کرتی ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ روشن چیزیں ذرات پھینکتی ہیں اور وہ بینائی سے ٹکرا کر روشنی پیدا کر دیتی ہیں۔ سائنس اور خاص کر لاسلکی کی ایجاد نے معلوم کیا ہے کہ روشنی چلتی ہے اور اس کی رفتار حیرت انگیز ہے۔ اس تحقیق کی بنیاد رومر نے رکھی ۱۶۷۶ء میں اس نے قانون بنایا کہ روشنی سفر کرتی ہے۔ اس ایجاد میں علم ہیئت کا ہی احسان تھا۔ اس کا اندازہ عطارد کے چاندوں کے غائب و حاضر ہونے سے لگایا گیا کہ روشنی سفر کرتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی چاند کی روشنی زمین پر فوراً نہیں پہنچتی۔ پھر بعد میں تحقیق ہوا کہ روشنی سے زیادہ تیز رفتار دنیا میں اور کوئی چیز نہیں۔ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل دوڑ جاتی ہے۔ سیکنڈ کے آٹھویں حصے میں دنیا کے گرد چکر لگا سکتی ہے۔ آئن سٹائن نے کہا ہے کہ اس کی رفتار کی حد ہے اور یہ کہ تیز رفتار پتلے پن کی وجہ سے ہے۔ روشنی کی شعاعیں بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ لاسلکی کی لہریں لمبی ہیں اور رفتار میں روشنی کے برابر ہیں۔ نیوٹن نے بتایا تھا کہ روشنی بہت سے رنگوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ روشنی پیدا کرنے والی گرمی ہی کے قانون سے اشیاء کے اجزائے ترکیبی معلوم ہوئے ہیں یہاں تک کہ روشنی کا بھی تجزیہ کر لیا گیا بلکہ اسی سے ستاروں اور سیاروں کا بھی تجزیہ ہوا ہے درجۂ حرارت تک معلوم کر لیا گیا ہے۔ سب سے عجیب بات یہ کہ روشنی ہی کی رفتار سے ستاروں سیاروں زمین اور سورج وغیرہ کا باہمی فاصلہ معلوم ہوا ہے۔ یہ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ جو اجسام زمین سے قریب ہیں ان کی روشنی یہاں آٹھ سال میں پہنچتی ہے اور جو دور ہیں ان میں سے تو بعض کی روشنی ایک لاکھ پچاس ہزار سال میں پہنچی

ہے ۔

روشنی فریب بھی دیتی ہے مثلاً بھوت اور آسیب پیدا کرتی ہے ۔ براکن کا بھوت جو ہارٹز پہاڑ دیوں میں نظر آتا رہا وہ روشنی ہی کا کرشمہ تھا ۔ ۱۷۹۷ء میں ایم ہائے نے اس کی تحقیق کی ۔ جب نظر ڈالی اور ساتھ ہی اپنی ٹوپی کو اٹھایا تو بھوت کے سائے میں بھی ویسی ہی حرکت پیدا ہوئی ۔ جب دوسرے آدمی کو لے آیا تو بھوت بھی دو ہو گئے ۔ یعنی آدمیوں کے سائے سورج دھند بادل اور روشنی کے مرکب سے بنے تھے اور بھوت معلوم ہوتے تھے ۔

ٹوٹنے والے تارے ہمیشہ عجوبہ رہے ہیں ۔ ان کی ہر ملک اور ہر قوم میں مختلف تاویلیں تھیں ۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ زمین پر ان کا کوئی جز گرا اور لوگوں نے اس پر مندر بنا کر پوجا شروع کر دی ۔ انیسویں صدی میں دیکھا گیا کہ نارمنڈی کے ایک گاؤں پر دوپہر کے بعد آگ کا ایک شعلہ منڈلا رہا ہے ۔ جب پھٹا تو کافی دور تک اس کے ٹکڑے گرے اور کسان دہشت زدہ ہو گئے ۔ تجربہ گاہ میں معلوم ہوا کہ ٹکڑوں میں پتھر اور لوہا ہے ۔ اب ہیئت داں بتاتے ہیں کہ اس قسم کے بیس ٹن ٹکڑے روزانہ زمین پر گرتے ہیں لیکن کرۂ ہوائی انہیں گرما کر سرخ کر دیتا ہے اور وہ جل کر خاک ہو جاتے ہیں ۔ شاذو نادر ہی کبھی زمین پر پہنچتے ہیں ۔ اس قسم کے گرے ہوئے پتھر کافی مقدار میں اب عجائب خانوں میں موجود ہیں ۔ کچھ مدت ہوئی جب شمالی سائبیریا میں ایک بہت بڑا ٹکڑا گرا تھا اور سخت تباہی پیدا کر دی تھی ۔ شمالی امریکہ میں ایک خشک جھیل کی تہ میں اس قسم کا بہت بڑا ٹکڑا دفن ہے جو باہر نکالا جا رہا ہے یہ آدھ میل سے زیادہ چوڑا ہے ۔ تین سو فٹ کی گہرائی میں ملا ہے ۔ سیاح رابرٹ پیری جینس کیپ یارک سے ایک بہت بڑا ٹکڑا لایا تھا جو خالص نکل اور لوہے کا ہے ۔

علم ہیئت نہایت دلچسپ علم ہے ۔ بعض پہلے نظریئے اب مسلمات بن چکے ہیں اور جو اب حساب اور تحقیق سے قائم کئے ہیں وہ آئندہ تحقیق ہو کر مسلمات بن جائیں گے ۔ دنیا سیاسی بے چینی میں تڑپ رہی ہے لیکن یہ طبقہ اب بھی بدستور آسمان کو چھیڑتا ہوا ہے ۔ یہ

علم توہم پرستی کا بہت اچھا علاج ہے گو ہم اب بھی یہی کہے جاتے ہیں کہ اوہو! یہ کیا ڈھکوسلے ہیں مفت کی قیاس آرائیاں ہیں ہمارے حضرت جی کو سب معلوم تھا جنہ بروں میں اڑے پھرا کرتے تھے۔ خیر وہم کا علاج تو رسولوں کی محنت سے بھی پوری طرح نہ ہوا لیکن جب یہ بات سامنے آتی ہے کہ خود سورج مع اپنے اتنے وسیع نظام کے بارہ میل فی منٹ کی رفتار سے کسی دوسرے نظام کے تابع چل رہا ہے۔ ہم کہیں جا رہے ہیں کچھ معلوم نہیں کہاں جا رہے ہیں یہ سوچتے ہیں پھر خلا کی وسعت پر خیال دوڑتا ہے تو دماغ شل ہو جاتا ہے سینہ پھول جاتا ہے سانس رک کر الجھنے لگتا ہے۔ کیا ہے یہ جہان اور کیا ہے یہ راز! یہ وسعتیں اور یہ پہنائیاں! پھر اکبر مرحوم کے اس مصرعہ پر نظر جا ٹکتی ہے اور تسکین ہو جاتی ہے۔

جو کچھ بھی ہے یہ خدا کا ہے ہمارا کیا ہے۔

یورپ کے دماغوں نے ایک ایسا انوکھا علم نکالا جس نے انسان کی دنیا پلٹ دی۔ یعنی سائنس کا اختراع کیا۔ اشیاء کی حقیقت علمی طور پر تجزیے اور تحلیل کے ذریعے معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ در اصل دوا سازی اس علم کی ماں ہے۔ خود یورپ کے زمانۂ وسطیٰ میں جب ہر طرف جہالت کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں تو اکثر یہودی زہر تیار کرنے میں پھونکا پھانکی کر کے کیمیاوی طریقے نکالتے رہتے تھے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں دشمنوں کو راز داری کے ساتھ مارنے میں زہروں کی ضرورت پیش آتی تھی۔ یہاں تک کہ خود کلیسا بھی اس آسانی سے فائدہ اٹھا لیتا تھا۔ علم آنے پر ادھر توجہ بڑھتی گئی نئے باب کھلتے گئے۔ پرانے نظریے جو قدیم بزرگوں نے قیاس اور اٹکل سے لکھ دئے تھے نئے دماغوں نے ان کو عملی طور پر آزمانے کی ٹھانی۔ گلیلو مغرب کا پہلا آدمی ہے جس نے ارسطو کے قول کو جھٹلایا کہ دو مختلف وزنوں کے پتھر زمین پر مختلف وقتوں میں گرتے ہیں بھاری پہلے اور ہلکا بعد میں جو خیالات تھے سب کی تردید کر دی تھی۔ مثلاً یہ کہ زمین ساکن ہے دنیا کا مرکز ہے ستارے

قدرت نے ہماری دنیا کو سجانے کے لئے بنائے ہیں۔ یا یہ یقین کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک ستارہ نیا نمودار ہو جاتا ہے جو اس کی قسمت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جنم پتری اسی بنا پر بنا لیتے تھے اور دس باتوں میں سے کوئی وقوع میں آ جاتی تھی تو ایمان لے آتے تھے۔ یہ سب باتیں اس نے جھوٹی ثابت کیں غرض اسی زمانے سے سائنس کی جستجو تیز ہو گئی اور اب نتائج ہمارے سامنے ہیں ایسے کہ اگر قدما کو اٹھا کر دکھا دئے جائیں تو چھاتی کوٹ لیں کہ دنیا جادو کی بن گئی ہے۔

ڈاکٹر ہاروے نے انسانی جسم کے بارے میں قابل قدر معلومات حاصل کیں جو انگلینڈ کا سامنے والا تھا لیکن ہالینڈ کے ایک نوجوان فان لیون ہک نے سائنس کے آغاز ہی میں ایک عجیب اضافہ کیا۔ ایک خوردبین ایجاد کر کے گدلے میلے کچیلے پانی کو غور سے دیکھا اور تحقیق کی کہ اس میں بہت چھوٹے چھوٹے عجیب الخلقت باریک کیڑے مختلف شکلوں اور صورتوں کے موجود ہیں اور نہایت عجیب و غریب ہیں۔ یہاں تک معلوم کر لیا کہ ان میں سلسلۂ توالد و تناسل بھی ہے۔ ایک یہ بات کہ پانی میں ڈال دئے جائیں تو جاندار ہو کر سلسلۂ تناسل میں لگ جاتے ہیں۔ اس نے ہر جگہ اور ہر چیز میں ان کی تلاش شروع کر دی۔ ان کو دانتوں کے پھنسے ہوئے ذرات میں بھی ڈھونڈ نکالا۔ خون اور بوسیدہ گوشت میں بھی ملے۔ یہ بھی معلوم کیا کہ بارش کے پانی میں چھوٹے چھوٹے کیڑے گھاس اور پودے ہوتے ہیں جو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آ سکتے۔ ان میں بھی توالد و تناسل کا سلسلہ ہے۔ بعد کی تحقیقوں نے ثابت کر دیا کہ یہ جراثیم یا بکٹیریا میں جو بڑی چیزوں کو نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ بیماریوں کا سبب ہیں۔ یہ نوجوان سترھویں صدی میں ان حقائق پر پہنچ گیا تھا۔ سائنس میں ایک نئے باب کا اضافہ کر گیا اور بعد میں اس سے بہت معلومات ہوئیں۔

سب سے پہلے کاؤنٹ والٹا نے بجلی کی رَو معلوم کی تھی۔ فیراڈے نے جو انگلینڈ

کا رہنے والا تھا تار کے گچھوں اور مقناطیس سے بجلی کا نکالنا معلوم کیا۔ ڈیوی جو اس کا ایک طرح استاد تھا وہ بھی ان تحقیقوں میں حصے دار رہا۔ اس نے ملکر یہ معلوم کیا کہ بجلی کی رَو ایک دھات کو دوسری دھات پر ملمع کی صورت میں چڑھا دیتی ہے۔ یہ دونو ابتدائی موجد تھے۔ بجلی ایجاد کرکے انسان کو سب سے بڑا خادم دے گئے۔ فیراڈے نے یہ بھی تحقیق کیا کہ گیس کو ذفیق صورت میں اور ذفیق شدہ کو پھر گیس میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ پانی کی بھاپ بھی اس کی نظر پہنچ چکی تھی۔ یہ اسی کا قول ہے کہ کسی چیز کو بغیر دیکھے نہ مانو اور نہ منواؤ۔ اس کے بہت سے تجربے اب تک کام آتے ہیں۔ ان دونو نے یہ بھی معلوم کیا تھا کہ نائٹرس آکسائڈ اور ایتھر کو سانس کے ذریعے اندر کھینچنے سے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ جیمز سمپسن نے آگے چل کر کلوروفارم اسی اصول پر ایجاد کیا۔ سائنس دانوں نے ہوا کو مرکب ثابت کیا یہ بتایا کہ آکسیجن نائٹروجن کاربن ڈائی اور بخارات آبی سے مرکب ہے۔ طاقت تو مسلم تھی لیکن یہ ثابت کیا کہ ہوا میں وزن ہے۔ زمین پر اسکا دباؤ ہے۔ ہر جسم پر دباؤ ہے۔ آدمی کے جسم پر ایک انچ میں ڈیڑھ سیر ہوا ہے یہ دباؤ نہ ہو تو جسم پھٹ جائے۔

اربعۂ عناصر جو مفرد و مجرّد چلے آ رہے تھے مرکب ثابت کر دیے اور ان سے عجیب کام لئے۔ زندگی پیدا ہوتے ہی انگلینڈ میں کارخانے جاری ہو گئے۔ مزدور اور کاریگر ٹک کے کونے کونے سے کھینچ کر کام سنبھالنے لگے۔ جس پر ورڈ سورتھ جیسے شعرا نے حیاتی کوئی ہے کہ وہ جنگل نہ رہے وہ فضائیں نہ رہیں۔ گاؤں کے پر فضا مقامات پر اب دھواں اگلنے والی چمنیاں کھڑی ہیں۔ لوگوں میں وہ بے فکری اور سادگی نہیں سب پیسے کی دھن میں لگ گئے ہیں۔ ان کارخانوں میں انجن بھی استعمال ہونے لگے تھے جو پہلے پانی کی طاقت سے چلائے گئے۔ پھر پتھر کا کوئلہ نکال لیا گیا جو لاکھوں سال سے زیر زمین دبا پڑا تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ کتنی قیمتی کیمیا ہے۔ فرانس کے پاپن نامی ایک شخص نے سب سے پہلے ایک معمولی سا انجن بنایا۔ بعد میں جیمس واٹ نے جو انگریز تھا اسٹیم انجن ایجاد کیا جو بھاپ کی زبردست

طاقت کا راز تھا جس سے کاروبار میں انقلاب عظیم پیدا ہوگیا۔ دیگر قسم کے انجن بھی اسی مرد دانا نے نکالے اور پرزوں پر قابو پالیا۔ کارخانوں اور کوئلے کی کانوں میں یہ انجن کامیابی سے چلنے لگے۔ اب باربرداری کی مشکلات کو حل کرنے کی فکر ہوئی۔ رچرڈ ٹریوتھک نے ۱۸۰۲ء میں ایک دخانی گاڑی ایجاد کی جس کا انجن معمولی اور بڑا تھا۔ جب لندن میں اس کو سڑک پر چلایا گیا تو سڑک رفتار اور اس کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکی۔ آخر یہ خیال ملتوی کر دیا گیا۔ اب اسٹیفن سن کی باری آئی جو ایک معمولی انجن کی مدد سے کوئلے کے چھکڑے کان سے پہاڑ پر پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے بلوچر نام انجن تیار کیا جو لوہے کی پٹڑی پر چلتا تھا اور ایک سو بیس من کی آٹھ گاڑیاں چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لے جاتا تھا۔ لیکن اتنے دھکے کھاتا تھا کہ پٹڑی اور کل پرزے دونوں خراب ہو جاتے تھے۔ بھاپ سے سیٹی کی آواز نکلتی تھی جس سے جانور بھڑکتے تھے اور حادثات پیش آتے تھے۔ بہرصورت اس نے ۱۸۱۵ء میں ایک انجن بنالیا جو وزن میں ہلکا بیکار پرزوں سے بری اور بھاپ سے بہت طاقت پیدا کرتا تھا۔ کانوں کی باربرداری اسی سے ہونے لگی۔ آخر میں سفری گاڑیاں جاری ہوگئیں گو لوگوں نے مخالفت اور اعتراضات سے سخت رکاوٹ ڈالی۔ پہلی گاڑی نے ایک گھنٹے پانچ منٹ میں نو میل کا سفر طے کیا۔ خود اسٹیفن سن نے انجن چلایا۔ عوام اور امرا مدتوں ریل گاڑی سے نفرت کرتے رہے۔ جب تک ۱۸۴۲ء میں ملکہ وکٹوریہ نے خود لندن سے ونڈسر تک سفر نہ کیا نفرت اور تعصب دور نہ ہوا۔ پھر سب عام و خاص ریل کے سفر سے مانوس ہوگئے۔ اسٹیفن سن کی محنت سے دنیا بھر میں ریلیں چل پڑیں اور اس کے ہی انجن کی بدولت دخانی جہاز سمندر میں دوڑنے لگے۔

یوں تو بجلی کے بارے میں کافی دنوں سے تحقیق ہو رہی تھی معلوم ہو چکا تھا کہ کن چیزوں کی رگڑ سے بجلی پیدا ہوتی ہے لیکن بنجمن فرینکلن امریکی نے تجربے کر کے ثابت کیا کہ وہ صرف رگڑ کا نتیجہ نہیں بلکہ مستقل طور پر ایک علیحدہ طاقت ہے۔ برقِ مثبت و منفی اسی نے نام رکھا۔ مثبت شیشے کی رگڑ سے اور منفی لاکھ کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ بادل کی بجلی سے تجربے کئے

وہ تجربہ بہت مشہور ہے جو اس نے پتنگ اڑا کر ڈور اور چابی کے ذریعے کیا تھا۔ ثابت کر دیا تھا کہ کہربا اور بادل کی بجلی ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس طاقت کو کام میں لانے کی تدبیریں نکل آئیں۔ آج کب جانتے ہیں کہ اس دریافت نے انسانی تہذیب کو کتنی ترقی دی ہے۔ جان ایرکسن نے جو سوئٹن کا رہنے والا تھا انگلینڈ میں آ کر انجنوں اور جہازوں کے بارے میں عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ اسی کا پہلا دخانی جہاز تھا جو بحر اوقیانوس کو طے کر کے نیویارک پہنچا۔ اسی نے [illegible] میں جنگی جہاز بنائے اور ڈریڈناٹ کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانے میں مفکروں نے ہر کام کی مشینیں ایجاد کیں۔ سامانِ حرب وہ مہیا کیا کہ مشرق اس کے سامنے تلوار بغل میں دبا کر بے دست و پا ہو گیا۔ جب گوروں کی پلٹنیں چلتی تھیں تو ہندوستانی دلیر توڑے دار بندوقیں پھینک کر بھاگ جاتے تھے۔ یہاں انگریزوں کی کامیابی زیادہ تر ہتھیاروں اور آلاتِ حرب کی ہی جدت پر موقوف رہی ہے۔ اگر برابر کے ہتھیار ہوتے تو اتنی آسانی نہ ہوتی۔

مشینوں کی ایجاد نے دنیا بدل دی بوائی جتائی کٹائی گہائی ہر ایک کام مشینوں سے ہونے لگا۔ ہمارے یہاں اب بھی حضرت آدم کے زمانے کے آلات و اوزار چل رہے ہیں وہی جو ہزاروں سال پہلے انسان نے اتفاقیہ طور پر نکال لیے تھے۔ ہم چاقو کا دستہ بھی بدلنے کے لیے تیار نہیں۔ وہاں ایک مشین سیکڑوں گز کپڑا ایک دن میں نکال دیتی ہے۔ یہ جو سلائی والے گھروں میں مشینیں فٹا فٹ کپڑے سی رہی ہیں امریکہ کے الیاس کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ جس نے ناکامیاں اور مصائب اٹھا کر یہ سادہ سی کارآمد فائدہ بخش اور دیدہ ریزی سے چھڑا دینے والی مشین ایجاد کر کے روزمرہ کی زندگی میں اتنی سہولت پیدا کر دی ۱۸۶۰ء میں لی نوئر نے فرانس میں گیس کا انجن تیار کر لیا۔ پٹرول سے انجن میں مدد لی اور موٹر میں دوڑانے لگا۔ مٹی کا تیل بھی کوئلے کی طرح زمین میں دوڑ رہا تھا اور دنیا اس سے بے خبر دین کے تیل سے چراغ ٹمٹما رہی تھی یورپ نے اس کو نکال کر پٹرول جیسی چیز ایجاد کی اور مفید کام لیے۔ ربڑ کی ایجاد نے ایک انقلاب پیدا کیا اور ٹیوب ٹائر نے گاڑیوں کو ہوا بنا دیا۔ موٹر کار بہت

سے دماغوں کے غور و فکر کا نتیجہ ہے رفتہ رفتہ اس شکل وصورت پر پہنچی ہے ۔

ہوا میں اڑنے کی آرزو انسان کو مدت سے تھی ۔ قدیم یونان کا ایک نوجوان آئی کیرس موم سے چپکے ہوئے پروں پر ہوا میں اڑا بادلوں تک پہنچا لیکن موم پگھل جانے کی وجہ سے زمین پر آ پڑا تھا ۔ یورپ نے اس خیال کو ذہن میں رکھ کر کوشش شروع کی ۔ رائٹ برادران نے اس میں کامیابی حاصل کی اور امریکہ کو اطلاع دے کر مقابلے میں کامیاب ہوئے ۔ پھر جنگ عظیم کے بعد بہت ترقی ہوئی ۔ آج کل جو اہمیت ہوائی طاقت کو حاصل ہے سب پر روشن ہے ۔ آبدوز کشتیاں نکالی گئیں یو بوٹ اسی کی شاخیں ہیں ۔ امریکہ نے ایسے آوازگیر بنا ڈالے جو یو بوٹ کا پتہ لگا لیتے ہیں کہ پانی کے کس حصے میں ہے کتنی گہرائی میں ہے ۔ پریس کی ایجاد پر اتنے مضامین لکھے جاتے ہیں یہ جان گٹن برگ نے جرمنی میں ایجاد کیا تھا ۔ پھر یہاں تک ترقی ہوئی کہ حروف بیک وقت ڈھلتے کمپوز ہوتے اور مشین پر پہنچ کر چھپائی کر دیتے ہیں ۔ مرگیں تھالر کی تیس سالہ محنت نے پریس کو طلسم خانہ بنا دیا ۔ مورس نے جو امریکن تھا مصوری سے نکل کر ٹیلیگراف ایجاد کیا اور اس سے لوگوں کو روشناس کرنے کے لئے جو صدمے اور روحانی کوفت اٹھائی وہ الگ ہے ۔ ۱۹۴۵ء میں اس عاقل آدمی کی یہ ایجاد عام ہو گئی ۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر آناً فاناً خبریں پہنچنے لگیں ۔ اس کے بعد گراہم بیل سکاٹش نے ٹیلی فون ایجاد کر کے لوگوں کو گھر بیٹھے باتیں کرنے کی سہولت دیدی یہ ٹیلیگراف سے بھی زیادہ اچنبھے کی چیز ہے ۔ ساری دنیا میں اس کا جال پھیلا ہوا ہے ۔ ایڈیسن وہ موجد تھا امریکہ کا رہنے والا جس نے سب سے زیادہ ایجادات کیں اور بھولے سے بھی ولی ہونے کا دعوے نہ کیا حالانکہ ولیوں سے زیادہ مفید کام کئے ۔ بجلی کی تقسیم بلب اور آلات و اوزار اسی نے نکالے ڈائنمو اور سفری بتی ایجاد کئے ۔ بیٹری اسی کا احسان ہے ۔ اس نے عمر میں پچاس ہزار سے زیادہ تجربے کئے ۔ سیمنٹ اسی کی اختراع ہے ۔ وائرلس اسی نے بنایا ۔ وہ تین ہزار میل سے ریڈیو کی آواز سننے والا آلہ اسی کی فکر ہے ۔ سینما فلم اسی نے نکالی تھی جس کا مسٹر پال نے ترقی کر کے

۱۸۶۲ء میں لندن میں منظم صورت میں مظاہرہ کیا - پھر تو اتنی ترقی ہوئی کہ اب ہر ملک میں زندگی کا جز ہے - ایسا مشغلہ ہے کہ ہماری رگوں میں اتر گیا ہے - اور کہیں نہیں تو فلم میں ہی کچھ دیکھ لیتے ہیں -

اٹلی کے باشندے مارکونی نے لاسلکی ٹیلیگراف ایجاد کیا جس میں نہ بجلی ہے نہ تار ہیں نہ کھمبے نہ سلسلہ محض ہوا کی لہروں سے پیغام رسانی ہوتی ہے - ہوا میں جو لہریں ہیں وہ اتنی تیز رفتار ہیں کہ ایک سیکنڈ میں زمین کے گرد آٹھ مرتبہ گردش کر سکتی ہیں - اس مرد دانا نے دو بانس کھڑے کر کے کسی طرح یہ بات معلوم کر لی تھی - فرانس میں ایک شخص جوزف نیپ سے نے فوٹو گرافی دریافت کی - شیشے کی پلیٹ پر تصویر آنے لگی - تاہم اس میں نقائص تھے جلد اڑ جاتی تھی - تصویریں دھندلی اور پھیکی آتی تھیں - اتفاقاً ایک رات تصویر کی پلیٹ کو الماری میں رکھا - جب صبح دھونے کے لئے نکالا تو یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا کہ تصویر بالکل صاف ابھری ہوئی تھی - جو بات محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی یوں آپ ہی آپ ہو گئی - آخر اس نے معلوم کر لیا کہ یہ کام پارے کے اثر سے ہوا ہے پھر کیا تھا ایک سیکنڈ میں تصویریں کھنچنے لگیں - یہ کامیابی ۱۸۴۷ء میں ہوئی - فوٹو کی آسانی اور اہمیت ظاہر ہے سب سے بڑی بات یہ کہ فوٹو گرافی سینما ٹوگراف کے لئے تمہید بن گئی -

پولینڈ کی رہنے والی ایک خاتون میڈم کیوری نامی نے عجیب قسم کی ایک دھات معلوم کی جو خواص اور طاقت کے لحاظ سے اب تک سائنس دانوں کی توجہ کا مرکز ہے - اس کا باپ سائنس کا پروفیسر تھا - کیوری باپ کے ساتھ تجربوں میں مددگار رہتی تھی - پولینڈ میں سیاسی تباہی آئی تو وہ فرانس میں پہنچ گئی جہاں بیکریل نامی ایک شخص یورنیم دھات کی تحقیق کر رہا تھا - یہ عجیب دھات کول تار جیسی ہوتی ہے جو روشن اور تیز ہے - اسی کے توڑ جوڑ سے ڈاکٹر رانجن نے عکس ریز نکالا تھا جو آپ انسانی جسم کا اندرونی فوٹو لیتا ہے - میڈم کیوری نے کول تار یعنی پچ بلینڈ میں وہ ذرے دریافت کئے جو روشنی اور طاقت کا سبب ہیں - پچ بلینڈ کی بہت سی مقدار مہیا کر کے تلاش شروع کر دی اور پولونیم معلوم کر لی - اس کے بعد پھر تلاش کی اور دنیا میں وہ چیز زیادہ کر دی جس کا کسی کو علم نہ تھا - یہ ریڈیم دھات تھی جس نے سائنس دانوں کو حیران کر دیا - عجیب تر

بات یہ ہے کہ یہ دھات ہر وقت متحرک رہتی ہے - اس ایجاد نے تحقیق کا ایک نیا باب کھولدیا معلوم ہوا کہ یہ جو حرکت کرتی رہتی ہے اس کا باعث اس کی انتہائی گرمی ہے - یونان میں ذیمقراطیس نے ہزاروں سال پہلے بتایا تھا کہ مادہ اور اجسام باریک ذرّات سے مل کر بنتے ہیں - بعض کہتے تھے کہ وہ تقسیم ہو سکتے ہیں بعض زور دیتے تھے کہ ان کی ذہنی اور خیالی تقسیم بھی نہیں ہو سکتی - ریڈیم اور اس کی بہنوں کی دریافت سے تحقیق ہو گیا کہ ہر ذرہ ایک نظام ہے - ان کا ایک مرکز ہے اور بجلی کے باریک ذرّے اس مرکز کے گرد اسی طرح گھومتے ہیں جیسے سورج کے گرد سیارے - ایڈیم میں یہ مرکز ہر وقت بھٹتا رہتا ہے اور آواز بھی نکلتی ہے - یہ معلوم کر لیا گیا کہ اگر چند اجزاء توڑ لئے جائیں تو ان کی طاقت تمام کارخانے چلانے کے لئے کافی ہے - رتھر فورڈ نے ان کو پھاڑ کر دکھا دیا لیکن اس کام کے لئے بہت طاقت کی ضرورت تھی تکمیل نہ ہو سکی - اسی سے سورج کی مسلسل روشنی اور چمک کا راز معلوم ہو گیا - یہی دھاتیں اس میں عمل پیرا ہیں - ۱۹۲۸ء میں جرمنی کے سائنس دانوں نے آسمانی بجلی سے ایک کروڑ وولٹ کی طاقت حاصل کرنے کی ٹھان لی - ایک کی جان اسی میں گئی باقی مصروف کار رہے - بعد کی کارروائی پردہ راز میں ہے -

تاہم اتنا سب جانتے ہیں کہ ۱۹۳۹ء کی جنگ میں ہٹلر کے دعاوی اسی امید پر مبنی تھے کہ کوئی ایسی ہی طاقت اس کے سائنس داں نکال لیں گے جو دشمن کی تباہی کے لئے تیر بہدف ہوگی مکمل کامیابی نہ ہوئی اور یہ سعادت اس کی مٹھی سے امریکہ کے ہاتھ میں چلی گئی - انہوں نے بہت جلد قابو حاصل کر لیا اور جاپان میں مظاہرہ کر کے ایٹم بم کی دھاک دنیا کے دلوں پر بٹھا دی - اب نئی تحقیقوں سے اور بھی فروغ دے لیا ہے - طاقت کا یہ سرچشمہ نہ معلوم انسان کو کس درجے پر پہنچائے گا - بڑے بڑے سربستہ راز کھل جائیں گے دنیا کی اور سخ پر چل پڑے گی - سیاسی فتنے ختم ہو جائیں تو یورپ ابھی نہ معلوم کہاں پہنچ کر دم لے -

اس انقلاب میں ایک تازہ تحقیق ہوئی جس نے دین اور دنیا کے معتقدات میں سخت تبدیلی پیدا کر دی - ڈاروِن جو انگلینڈ کے ایک ڈاکٹر کا لڑکا تھا بڑا ہو کر کیمبرج میں داخل ہوا

اسے بچپن سے ہی قدرتی تحقیق کا دلی شغف تھا۔ علمِ طبقات الارض کا اس وقت بہت چرچا تھا۔ بائبل کے اس خیال سے لوگ اکھڑ چکے تھے کہ دنیا چھ دن میں بنائی گئی ہے۔ ڈارون کا خیال تھا کہ یہ پہاڑ اور وادیاں ہزاروں سال میں اس شکل صورت کو پہنچی ہیں۔ اس نے پرندوں اور حیوانوں کا علم حاصل کیا۔ طالب علمی سے نمٹ کر جغرافیے کی تحقیق کے لیے جو جہاز جنوبی امریکہ کی طرف جا رہا تھا اس میں ماہر علمِ حیات کی حیثیت سے روانہ ہو کر جنوبی امریکہ میں کیڑوں تتلیوں اور جیونٹیوں کا معائنہ کیا۔ معدوم شدہ جانوروں کے پنجر نکالے اور اندازہ لگایا کہ یہ براعظم کبھی بڑے بڑے ہیبتناک جانوروں کا مرکز رہا ہے۔ ان پانچ سال کی عجیب سیاحت میں اسے یہ تحقیق ہو گیا کہ تمام جاندار باہم گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ یہ سفر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے راستے ختم کر کے اور عجیب عجیب تحقیقیں لے کر انگلستان پہنچا۔ ہزاروں قسم کے جانور کیڑے مکوڑے معدوم و موجود حیوانات کچھ پہلے بھیجدیے تھے کچھ اپنے ساتھ لایا۔ ان کو ترتیب سے رکھ کر پندرہ سال تک یہ تحقیق کی کہ چاہے دنیا میں کروڑہا کروڑ قسم کی مخلوق ہے لیکن پیدائش میں ایک ہی اصول کام کر رہا ہے۔ اس نے یہ ثابت کیا کہ کسی نوع کی پیدائش براہِ راست عمل میں نہیں آئی۔ جانوروں کی تمام انواع سادہ انواع سے ترقی کر کے ماحول کی موافقت سے موجودہ صورت کو پہنچی ہیں۔ ہر جاندار کے لیے غذا ضروری ہے۔ دوسروں کے لیے بھی غذا بن جاتا ہے۔ نسل کے لیے جوڑا ڈھونڈتا ہے۔ یہ تین باتیں جانداروں کے تنوع کا باعث ہوئی ہیں۔ اس نادر مسئلے کا نام اس نے اصل الانواع رکھا۔ یہ بتایا کہ اپنی حفاظت کے لیے ہر چیز نے اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنایا ہے۔ یہاں ہر چیز دوسری کو کھاتی ہے۔ اس لیے کشمکش حیات میں وہی کامیاب رہے ہیں جو زیادہ پھرتیلے سمجھدار اور دور اندیش تھے اور مکر و فریب یا دوڑ دھوپ سے اپنے آپ کو بچا سکتے تھے۔ ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اور جانداروں سے زیادہ دانا اور سیانا ہے۔ یہاں تک بتایا کہ جس طرح حیوانوں کی انواع الگ الگ پیدا

نہیں ہوئیں بلکہ ایک نوع دوسری سے ترقی کر کے بنی ہے اسی طرح انسان بھی باقی صورتوں سے ترقی کر کے موجودہ شکل تک پہنچا ہے۔ اُس نے چھبیس سال تک کیچوؤں کا تجربہ کیا۔ انسان کے ارتقاء کی کہانی مضبوط ثبوتوں کے ساتھ لکھدی۔ آج تمام حکمائے یورپ اس کے نظریے کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان بندر نہیں تو بندر کا ساتھی ضرور ہے۔ یہ دونو لیموز کی قسم سے ہیں۔ ڈارون نے یہ تحقیقیں ۱۸۲۲ء کے بعد کی ہیں جنہوں نے مذہب کو تو صدمہ پہنچایا لیکن تحقیق کا ایک عجیب باب کھولدیا۔ تاہم اس سے خدا کا انکار نہیں ہوتا اس لئے کہ سارے کام اسی کی قدرت کے ہیں۔ انسان مختلف تعبیریں کرتا ہے۔ اسی کا فعل ہے چاہے کسی صورت سے ہو۔ کیا عجب ہے جو حضرت آدم تکمیل ارتقا کا ظہور ہوں۔ ڈارون پر اس نظریے کے بعد کلیسا کی طرف سے سخت لعنتیں پڑیں لیکن اس نے کبھی خدا سے انکار نہیں کیا۔

کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
ہنسکے بولے یہ ہر اک دوست فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست (اکبر)

جرمنی کے فرائڈ اور آئن سٹائن اسی زمانے کے آدمی ہیں جنہوں نے بہت آگے قدم مار کر خیالات اور حقائق میں اضافہ کیا۔ فرائڈ نفسیات کی تخلیق میں اپنے وقت کا امام ہے۔ اس علم کو حدِ کمال تک پہنچا دیا۔ اس نے ایک بات یہ بھی کہدی کہ انسان جو کچھ کرتا ہے جنسی رجحان کے ماتحت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ سیاست اور علوم بھی اسی جذبے کے ماتحت ظہور میں آتے ہیں۔ آئن سٹائن نے کششِ ثقل تک کے اصول کو متزلزل کر کے حساب کے زور سے نئے اصول بنا دئے جو ہماری سمجھ سے بالا اور عام بحثوں کی گفتگو سے ارفع ہیں۔ اللہ اللہ! انسان بھی اتنی باریک حقیقتوں تک پہنچ چکا ہے کہ ان کو سمجھنے کے لئے انوکھے عجیب دماغوں کی ضرورت ہے۔ قدرت نے ان ممالک کو کیسی ذہنیتیں بخشدی ہیں! ہم ابھی آغاز کو بھی نہیں سمجھ سکتے انجام پر نہ معلوم کب پہنچیں گے۔

یورپ نے علوم کے ساتھ فنون لطیفہ کو بھی حد کمال تک پہنچا دیا۔ خاص کر آرٹ اور مصوری میں تو گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ اب اس میں کوئی کیا جدت کرے سوائے اس کے کہ بجز قدرت کی ہو بہو نقل سے ہٹ کر اپنی ایجاد بندہ اگرچہ گندہ پر اترے اور وہی برانا آن نیچرل و تعصب اختیار کر کے جدت کا دعویٰ کرے جیسا کہ ہو رہا ہے۔ انسان فنون لطیفہ سے بہت جلد روشناس ہو گیا تھا۔ غاروں اور پتھروں پر لاکھوں سال کے پرانے نقوش ملے ہیں۔ مکھی کی، ہرن اور گھوڑے کے اکھڑے بکھڑے ٹیڑھے ٹیگے خاکے اور خطوط ہیں۔ غرض ہزاروں سال تک ڈرائنگ اور تصویر میں سادگی رہی کسی کو اصل چیز کا نشان نہ ملا۔ یہ معمولی سی بات روشنی اور سائے کی جو مصوری کی جان ہے یورپ نے ہی اپنی باری پر معلوم کی۔ اس لیے کہ مشرق لکیر کا فقیر رہا۔ جو کچھ استاد سے سیکھا ایک شوشہ اس پر زیادہ کرنے کو کفر جانا۔ مغرب نے اس راز کو سمجھ لیا کہ جو کچھ ہے جو کچھ نظر آتا ہے وہی بنانا چاہیئے۔ یہی آرٹ کی جان تھی۔ اس فن میں ایسے ایسے ہنر نظر باکمال پیدا ہوئے کہ مشرق ان کی نقل بھی نہیں اتار سکتا۔ وہ وہ باریکیاں دکھائیں اور وہ نقشے کھینچے کہ باید و شاید۔ تصویر میں زندگی دکھا دی۔ رنگوں کو اصل رنگوں سے ملا دیا۔

جو کچھ لکھا گیا ان علوم و فنون کا ایک کرشمہ ہے جو یورپ نے بیدار ہو کر پیدا کئے۔ ہزاروں سال کی فرسودہ زندگی کو بدل کر اس کو نئے سرے سے مرتب کر دیا۔ اس طرح کہ کروٹ لیتے ہی ساری برا عظم میں ہیجان سے جیسی تلاش اور جستجو کا جنون ہر قسم کی دوڑ دھوپ کوشش کوشش اور تحقیق کی دھن اور شوق علم کی نہ بجھنے والی پیاس لگ گئی۔ جذبہ رشک، و منافست نے بڑا کام کیا۔ دوسروں سے سبقت لے جانے کے لئے رات کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا تفتیش و تحقیق میں دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو کر عزیز عمریں کھپا دیں۔ آرزوؤں بھری زندگیاں معمل گاہوں میں کھپا دیں نیوٹن نے ساری عمر شادی نہ کی۔ سب پر نئی دریا فتوں سے ملامتیں اور پھٹکاریں پڑیں۔ کلیسا کے زور ہی میں نہیں بعد تک جس شخص نے بھی اپنی تحقیق یا ایجاد کا دعویٰ کیا اس کا مذاق اڑایا گیا۔

قہقہے لگے آوازے کسے۔ بیکن اور گلیلو ہی پر سختیاں نہیں گذریں۔ ہر ایک نے قدامت پرست احمقوں کے ظلم جھیلے۔ ہاروے نے جب دوران خون اور دوسری تحقیقتوں کے بارے میں کتاب شائع کی تو اچھے خاصے سمجھداروں نے تاؤ کھائے ناک بھوں چڑھائی۔ سخت مخالفت کی۔ لیون ہک کی حیرانیجی تحقیق کا ہمعصروں نے مذاق اڑایا تھا۔ سٹیفن سن نے جب انجن اور ریل گاڑی چلانیکی تجویز پیش کی تو عوام تو عوام پارلیمنٹ کے ممبروں نے نشانہ ملامت بنالیا۔ اعتراضات کی بوچھاڑ کردی کہ جانور بھڑکا کریں گے ڈنگر دھاگ جایا کریں گے۔ ایک نادان نے یہ بھی کہا کہ انڈے گندے ہوجایا کریں گے۔ ڈاکٹروں نے حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ سرنگوں میں سے گذر کر صحتیں خراب ہوجائیں گی۔ فرینکلن کی بجلی کا تمسخر اڑایا گیا تھا۔ ہوائی جہاز کے کوشش کرنے والوں پر بے حد قہقہے لگے علم ہیئت کی تحقیقات اور ڈاروِن کا نظریہ تو مذہب کے خلاف تھا اس لئے لعنتیں پڑیں اور مغضوب ٹھہرے۔ معمولی روزمرہ کی ضرورتوں کی ایجادوں پر بھی مذاق اڑایا گیا ہے۔ تاہم ان دنیا کے بدلنے والوں نے کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کی۔ ہربرٹ اسپنسر جو آج فلسفے میں مسلّم ہے اس کی ساری عمر اس طرح ٹکڑوں میں کٹ گئی کہ جو کچھ کماتا تھا کتابوں کی طباعت پر لگا دیتا تھا جن کو زندگی میں کسی نے ٹکے کو نہ پوچھا۔ آخر اسی طرح ٹکڑوں میں ختم ہوگیا۔

یہ دنیا کو پر امن طریقے سے بدلنے والے تقریباً سب کے سب غریب گھرانوں کے چشم وچراغ تھے۔ اکثر ان میں سے تاریک جھونپڑیوں اور مفلس محتاج گھروں سے سر نکال کر میدان عمل میں پہنچے اور انسانی تہذیب و تمدن کی نئے سرے سے بنیاد رکھدی۔ اسٹیفن سن ایک دیہاتی لڑکا تھا ایک زمیندار کی گائیں چکایا کرتا تھا۔ یہی چرواہا ریل ایجاد کرکے دنیا پر احسان کر گیا۔ سینے کی مشین جس الیاس نے ایجاد کی وہ ایک نہایت معمولی گھر کا لڑکا تھا۔ مائیکل فیراڈے ایک غریب لوہار کا بیٹا تھا جو جلد سازی چھوڑ کر بجلی کا موجد بنا۔ اصل یہ ہے کہ غریبوں نے اس ترقی میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ پھر یہ کہ اکثر نہایت معمولی تعلیم کے آدمی تھے۔ خود شکسپیر ساتویں جماعت کا سہارا گا ہوا تھا جو پرنسپلوں اور پروفیسروں کا امام ہے۔ کہاں تک گنائے جائیں۔ تعلیم پر موقوف نہیں سب

کچھ دماغ پر ہے۔

یہ تو ایسی باتیں ہیں جن میں دنیا طلبی کا احتمال ہے اہل مغرب میں بعض صاحبدل ایسے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے انسان کی خدمت کو مقصدِ زندگی بنا کر بقائے دوام حاصل کی۔ اس ظالم ناشناس دنیا میں رسولِ عربی نے پہلی مرتبہ غلامی کے خلاف آواز بلند کی تھی اس ظلم کو مٹانا چاہا تھا لیکن افسوس ہے کہ پیروؤں نے اس ارادے کو بھی سنتِ مقررہ سمجھ کر آگے قدم نہ بڑھایا ان کی مساوات اور آزادی پر کفایت کی لیکن اس کام کو دو انگریزوں نے پورا کیا اور انسان کی پیشانی سے غلامی کا داغ دھو دیا۔ ان میں سے دو تین کے نام یہ ہیں۔ جان ہاورڈ جس نے قیدیوں پر ترس کھا کر جیل خانوں کی اصلاح کی ورنہ اس وقت تک جانوروں اور قیدیوں میں کچھ فرق نہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی اصلاح کی رو ہندوستان تک پہنچی اور جیل خانوں میں صنعت و حرفت جاری ہوئی۔ محنت مشقت میں کمی آئی اور رہائش کی سہولتیں مہیا ہوئیں۔ اس مردِ بزرگ نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ باوجود سخت مشکلات کے غلامی کا انسداد کرایا۔ اس کام کے لئے پارلیمنٹ میں مسودے الگ پاس کرائے اور دور دراز مقامات پر جا کر الگ معائنے کرتا رہا کہ ان پر عمل درآمد ہوتا ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ عام تحریک پیدا کر کے تمام دنیا سے غلامی کی لعنت کو مٹا دیا۔ دوسرا شخص ولبر فورس تھا جس نے جیل خانوں کی اصلاح اور غلامی کے انسداد میں جان لڑا دی۔ میڈم الزبتھ فرائی نے عورت ہوتے ہوئے یہ کام سرانجام دئے اور انسان کے مصائب گھٹائے۔ مشہور لارڈ میکالے کے باپ زیکیری میکالے نے بھی اس خصوص میں ساری عمر صرف کر دی اور اپنی نیک دلی سے انسان کے آلام کو ہلکا کر دیا۔ پھر تو تمام یورپ میں انسانی خدمت کی تحریکیں چلیں اور اصلاح کے دروازے کھل گئے۔ بعض انگریزوں نے بد چلنی اور بد اعمالی کو روکنے میں عمریں ختم کیں اور اچھے عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ حقیقت میں خدا والے لوگ تھے۔ کاش ہم میں بھی خدا ایسے جذبے پیدا کر دے۔ ہم بھی موجودہ بدبختی بد چلنی اور بے ایمانی کے انسداد کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اسلام کی خوش اعمالی اور نیک نیتی کو زندہ کر کے مثال قائم کر دیں۔ اخلاقی سیاسی اور علمی [illegible] منزل

میں دامن چن لیں اور بتا دیں کہ اسلام سراسر عمل ہے۔

یہ ہے۔ مختصر خاکہ ان کارناموں کا جو یورپ نے اپنی یادی پر آکر دنیا میں کیے۔ جن کے سامنے عرب جیسی تڑپ رکھنے والی قوم سرد ہو کر رہ گئی اور مسلمان جن کا دین زندگی سکھاتا ہے۔ کونوں گوشوں میں بیٹھ کر اونگھنے لگے کچھ ہوش نہ رہا کہ کیا ہو گئے ہیں۔ ان کی برائیوں کو لیے اور خوبیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ امانتِ الٰہی کی آگ کو اپنے ہاتھوں سرد کر کے آبِ زلال میں شرک اور تفرقے ملا کر سمجھے بیٹھے رہے کہ نور سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ پڑھا تو صرف سند کے لیے پڑھا اور کلرکی کو مقصد بنایا۔ احساس اور عقل سے محروم ہو کر سمجھ کی باتوں کو عیب اور عیب کو ہنر سمجھنے لگے۔

نواں عکس

بازگشت

گو آ گئے ہیں لوٹ کے منزل سے گھر میں ہم
لیکن دل و دماغ میں اب بھی خروش ہے
(سیفی)

عرب دنیا میں امانت الٰہی کو پھیلا کر اس لئے سمٹ گئے کہ یورپ نے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر علم و ہنر کے ساتھ زندگی پیدا کر لی۔ اُن کمالات کا اضافہ کیا کہ قومیں اُن سے نا آشنائے محض تھیں۔ سمجھ بھی نہ سکیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں کیا باتیں ہیں۔ کچھ سمجھے بھی تو اتنا کہ کتنائی، کالم، پوڈر، سرخی اور لپ اسٹک کی نقل اُتاری یا ان کا منہ چڑا کر سیاست کی مٹی خراب کی۔ لیکن یہی سمجھتے رہے کہ ہم مرکز علم و دانش اور اپنے طور طریقوں میں خوبیوں کا مرجع ہیں۔ اگر کبھی محسوس کرتے تو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ مجموعہ فضائل و کمالات ستھے حالت پہ قناعت کر لی۔

بہر صورت جو قومیں ایسی ہنرمند یا کمال تھیں کیونکہ ممکن تھا کہ دوسری بے خبر قوموں پہ حکومت نہ کرتیں۔ باہر نکلیں اور صرف پرانی ہی دنیا پہ نہیں نئی دنیا بھی تلاش کر کے ان پہ بھی تصرف حاصل کر لیا۔ ایشیا کے اندرونی و بیرونی علاقوں پہ چھا گئیں۔ حکومت کے وہ اسلوب نکالے کہ اس برّاعظم کے خواب و خیال میں بھی کبھی نہ آئے تھے۔ سیاست کو فلسفہ بنا ڈالا۔ خاص کر انگریز قوم نے وہ نظام پھیلایا کہ اس سے دوسری قوموں نے سبق لئے۔ زندگی کے وہ انداز سامنے رکھے کہ مشرق کی کایا پلٹ گئی۔ ایشیا کا نور دب گیا اور مغرب کا آفتاب تیز تر شعاعوں کے ساتھ دنیا پر چمکنے لگا۔ چمگادڑوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ کہ کب یہ روشنی مدھم ہو اور ہم اندھے بنے ہوئے شب کی سیاہی سے پھر لذت اندوز

ہوں۔ گھبرا گھبرا کر سر مارا کہ ہماری ساکن دنیا میں یہ کیا خیالات اور کیا چیزیں دوڑنے لگیں۔ کچھ نہیں یہ تو پہلے لوگ سب کچھ کر گئے تھے کیا نئی بات ہے۔ یہ تو بہت ہی بے ایمان بد مذہب قومیں ہیں ان کی بات نہ سننی چاہیئے۔ رفتہ رفتہ ان کی نقلیں بھی اتارتے رہے اور عیب بھی اگلتے رہے۔ ان کی نکتہ چینیوں کے اثر اور تباہی کے احساس سے قدم بھی مارے تو اپنی ہی اینڈی بینڈی چال چلی اپنے ہی خیال میں مست رہے اور یہ سمجھے کہ بہت ہی ترقی کر لی۔

ہم کو مغرب میں رومیوں کے رٹکے اور اسپین والوں کی دعوت نے پہنچایا تھا۔ لیکن یہ بن بلائے مہمان مشرق کے طول و عرض میں پھیل گئے اور جاہ و جلال سے اس طرح رگوں میں پنجے گاڑ کر خون کھینچنا شروع کیا کہ نسیں تک خالی ہو گئیں اور معلوم نہ ہوا کہ کیا ہو رہا ہے۔ عجیب طریقے اور انوکھے انداز دکھائے سارے مشرق کو جاپان تک مٹھی میں رکھ لیا۔ عربوں کو جنہیں وہ رکاوٹ سمجھتے تھے پہلے ہی دھکیل چکے تھے۔ وہ دنیا کو توحید پرستی سکھانے والی قوم اپنی نا اتفاقی سے ہر جگہ کمزور ہو گئی تھی۔ اس بے پناہ ترقی کی تاب نہ لا کر نئے طور طریقوں کا مقابلہ نہ کر کے پسپائی کی حالت میں اپنے ابتدائی علاقوں میں لوٹ آئی۔ اتنی سدھ بھی نہ رہی کہ نقل کر کے ہی حالت سنوار لیتے۔ یہی ہوتا رہا ہے کہ دوبارہ جان نہیں پڑتی۔ نقل کرنا بھی آسان نہ تھا وہ سامان ہی عقل سے بالا تھے۔ کہاں عربوں کی وہ پیش قدمیاں تھیں کہاں محکموں کے محکوم بن گئے۔ اس عظمت کو بھول کر پھر صحرا نشین ہو گئے جس نے انسانی تمدن کو ان کے ذہن کا ممنون کیا تھا۔ ان کی تہذیب کے سامنے مہذب قومیں پھیکی ہو گئی تھیں۔ جو بیداری سے محروم تھے ان کو دیکھ کر چیت گئے تھے۔ بے خبروں کو احساس دلایا تھا خشکی اور سمندروں میں دوڑنا سکھایا تھا۔ تھیبس کے کھنڈرات پر نیا نظام تعمیر کیا تھا۔ ابوالہول نے ان کے جاہ و جلال کو دیکھا اہرام کے پتھروں نے ان کے قدموں اور ہاتھوں کو چھوا تھا۔ کوہ ایٹنا نے ان پر حیران نگاہیں ڈالیں اور ویسویس نے اپنی سرسبز وادی میں مہمانی کی تھی۔ وہ بھول گئے کہ بادشاہ پرستی کو خصلت میں داخل نہ کیا تھا۔

جابروں کے جبر وتشدد میں بھی آزادی و خودداری سے دست بردار نہ ہوئے تھے ۔ تخت
یوسی پر کبھی سر نہ جھکایا تھا ۔ خدائے واحد کو مالک و مختار سمجھ کر دنیاوی طاقت کو مختار کل نہ
جانتا تھا ۔ وہی لوگ یورپ کے نئے ارکان و اصول اور جدید سامان حیات سے مجبور و معذور
ہوگئے ۔ کچھ طاقت اور کچھ مکر و فریب سے زک دیئے گئے ۔ جہاں ہتھیاروں سے نہ دبے
وہاں پالیسی کے حربے نے نیچا کر دیا ۔ پھر جب بحری قوتیں کام کرنے لگیں تو بکھرا ہوا شیرازہ
اور بھی بکھر گیا ۔ معمولی بادبانی جہاز مقابلے میں ہیچ ہو گئے ۔

عربوں کی دنیاوی وجاہت کا خاتمہ تو ہو گیا تھا لیکن اس وقت بھی ان کے نقش قدم پر
چلنے والی قومیں کامیاب جانشینی کر رہی تھیں ۔ اُدھر ترک مغرب کے مدِ مقابل تھے ۔
ٹکّر پہ ٹکّر سہے رہے تھے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹاتے تھے ۔ ہر معرکے میں پرانی جانبازی اور
دلیری کی داد دے رہے تھے ۔ ایران میں خاندان صفویہ کا تدبّر حالت کو سنبھالے ہوئے
تھا ۔ ادھر ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا جاہ و جلال اُن کی تیز نگاہ کو چندھیا رہا تھا ۔
اصل میں یورپ والے جب مشرق کی طرف بڑھے تو ہر جگہ مسلمانوں سے ٹکرا ہوا ۔ جدھر
کو جھکے اس دیوار سے ٹکّر کھائی ۔ یہاں امانتِ الٰہی کے محافظوں کے سوا کون تھا ۔ جو
ان کے کامیاب سیلاب کو روکتا ۔ وہ بھی سمجھ گئے کہ جب تک یہ روڑا راہ سے نہ ہٹے گا
ایشیا پر تسلط نہ ہوگا ۔ ہر جگہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوششیں کی گئیں زیادہ تر توڑ
جوڑ مکر و فریب اور پیسے کے زور سے مطلب براری ہوئی ۔ ترکوں پر ہر طرح کی
یورشیں ہوئیں جنگ سے بھی اور زر کے زور سے بھی ۔ آخر کار ان کے خرخشے سے نجات
حاصل کر لی ۔ ایران کو بھی جو رہی سہی خوبیاں فنا کر چکا تھا زوال کر لیا گیا ۔ ہندوستان کی سنہری
چڑیا پر سب سے پہلے نظر ڈالی تھی اور باقی ملکوں کو اسی خاطر طوق و سلاسل میں جکڑا ۔
پہلے تجارت کے ڈورے پڑے پھر کچھ طاقت اور زیادہ تر توڑ جوڑ سے رفتہ رفتہ آخر
قدم گاڑ دیئے ۔ جو رکاوٹیں معلوم ہوئیں وہ تدبیر سے دفع کر دیں ۔ کبھی ایک بازو اڑا دیا

کبھی دوسرا صاف کر دیا۔ کبھی سر کاٹ دیا۔ کبھی ٹانگیں۔ تدبیر جوش اور یکجہتی پہلے ہی فنا ہو چکی تھی ان کی چالوں سے رہی سہی ختم ہو گئی۔ انجام کار یورپ کی سب سے زیادہ عقلمند صاحب علم و ہنر اور سیاست داں قوم یعنی انگریز اس خطہ جنت نشاں پر مسلط ہو گئے۔ مسلمان اپنی خوبیاں عیش پسندی کی بھینٹ چڑھا چکے تھے یا یہ امانت سے جو اخلاق و عزم و ارادے سیکھنے تھے ان سے محروم ہو چکے تھے۔ انگریز نے بھی اسی رکاوٹ پر ضربیں لگائیں۔ انہیں کی نہ جھکنے والی گردنیں موڑیں۔ یہ غلامی پر راضی نہ ہونے والی قوم ان سے مانوس نہ ہوئی۔ دشمن اور کافر سمجھ کر کھینچے ہی رہے وہی نفرت اور کھینچاؤ جو مفتوح کو فاتح سے ہوا کرتا ہے اور چونکہ کسی بڑی جنگ میں مقابل ہو کر شکست نہ کھائی تھی خود داری کی پستی بھی نہ ہوئی۔ البتہ ہندوؤں نے انہیں منجی اور اوتار سمجھ کر سر آنکھوں پر رکھ لیا۔ خوب آؤ بھگتیں کیں ان کے کاروبار سنبھال لئے اور خوشامد سے دلوں میں جگہ کر کے سرپرستی حاصل کر لی۔ کام چلتا رہا اور مسلمانوں کی برائیاں کر کر کے جگہ میں گھستا رہا۔ ایک کو کھینچنا اور ایک کو غلامی پر راضی ہونا دیکھ کر انگریز مسلمانوں سے زیادہ بدگمان ہو گیا تاہم ابھی تک اس کو نفرت نہ تھی جو کچھ تھا سیاسی ضرورت سے تھا۔ اس زمین پر قدم رکھتے ہی اس نے بھانپ لیا تھا کہ اردو مشترکہ زبان ہے اس لئے اس کی سرپرستی کی اور اس کو زبان کا درجہ دینے کے لئے ضرورت پڑی تو مسلمانوں ہی کو اس کام کے لئے انتخاب کرتا رہا۔ یوں بھی وہ دیکھ چکا تھا کہ مسلمان میں حکومت کی اہلیت اور لیاقت ہندو سے زیادہ ہے۔ تازہ محروم ہے یہ قابلیت اس سے فنا نہیں ہوئی اسی لئے شروع میں مسلمانوں کو ذمے دار نوکریوں پر چیدہ چیدہ رکھتا رہا۔ ان کی مجلسوں اور محفلوں میں بھی شریک ہو کر عیش و عشرت کی داد دی اور شاعری کے مشغلے میں بھی حصہ لیتا رہا۔

اس طرح وقت بڑھ رہا تھا کہ ہندوؤں نے کسی امید پر غدر کے توڑ جوڑ لگا کر مسلمانوں کو اس سازش میں شریک کیا اور غدر کی آگ بھڑکا دی۔ یہ صاف دل سادہ مزاج

صداقت ہے۔ قوم اجنبی حکومت کو سوہان روح سمجھنے والی چال میں آگئی اور یوں رہی سہی تباہی کے اسباب مہیا ہو گئے۔ غدر ہوا یو پی کے آزادی خواہ طبقوں نے بلا کسی نظم و ضبط کے اٹھ کر ہنگامہ کو عام کر دیا لیکن دوسرے مغربی اور جنوبی صوبوں نے ان کا ساتھ دے کر ساری محنت بیکار کر دی۔ غدر ختم ہو گیا۔ ہندوؤں نے تو للو پتو کر کے انگریز کی بدگمانی فوراً دور کر لی۔ آلا بلا بگردن ملا مسلمان دھر لئے گئے اور سارا جرم ان کی گردن پر تھپ گیا۔ انگریز ان پر برسا اور سارا انتقام بھرپور بیعں سے اور زیادہ مسلمانوں سے لے لیا۔ اس انقلاب اور بے پرسش داروگیر میں کتنے گھر اور کتنے خاندان تباہ کر دئے۔ بستیاں خاک برابر ہو گئیں۔ ایسی بربادی آئی کہ پھر اس کا اندمال نہ ہو سکا۔ تاہم مسلمان اس وقت تک بھی سمجھ اور شعور سے بے بہرہ نہ ہوئے تھے۔ انگریز کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بادل ناخواستہ غلامی کے جوئے کو اٹھا کر مجبوراً کندھے پر رکھ لیا۔ تعلیم میں پیچھے رہ گئے تھے انگریزی محکموں میں تو کچھ کھپت نہ ہو سکی البتہ ریاستوں میں اکثر راجاؤں اور نوابوں نے ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانے کے واسطے اپنے یہاں بلا لیا۔ راجپوتانہ کے اکثر مسلمان خاندان اسی دعوت کی یادگار ہیں جو اس انقلاب میں تباہ و برباد ہوئے۔ ریاستوں میں بھی پہنچ کر انہوں نے خوبصورتی سے انتظام سنبھالے اور ترقیاں دیں۔ لیکن غدر کے بعد عام طور پر قوم پر جمود چھا گیا۔ مولویوں نے جو خالی بیٹھے دیکھا تو نماز روزے کی اور بڑی تاکید کے ساتھ مذہبی بیان پہلوؤں پر لگا لیا۔ ذہنیت کو عجیب مشغلے میں الجھایا۔ اسلامی خدا پرستی کی جگہ وہم پرستی اور ہاؤ ہو جنجال و خرافات میں اٹک گئے اور آخرکار انہیں مشاغل کو دین سمجھ کر گردن رکھ دی اور ایسے پھنسے کہ پھٹی میں نہ دین رہا نہ دنیا رہی۔ مذہبی اختلافات کی جو خلیجیں زندہ کاموں کے نیچے دبی پڑی تھیں خوب پھیلیں۔ تفرقے خوب مضبوط ہو گئے۔ باہر کی دنیا کو بھول کر باہمی تفرقوں کو بھڑکانے لگے۔ اب وہ شعور کہاں تھا جس سے غیر اقوام پر حکومتیں کی تھیں ہندوؤں کو دوڑتے دیکھا تو مذہبی جنجالوں پر اور زیادہ جھک گئے۔ ہندو تو انگریزی پڑھ کر دربار سرکار میں رم گئے اور ان کو حدود وحشت نے لپکا کر سینے سے چمٹا لیا۔ اس کیفیت و سرور میں غفلت طاری ہو گئی:۔

کروٹ بدل کے سو گئے بانگ جرس کے ساتھ — کس کو غرض تھی چھوڑ گئے ہم سفر ہمیں (رسمبطی)

انگریز نئے زمانے کی جو چیزیں لایا تھا دوسرے اُن سے فائدہ اٹھانے لگے نئی روح اور نئی زندگی حاصل کرنے لگے ۔ اور ہم کبھی پرانی نہ ہونے والی اسلامی تعلیم کو بھلانے پر لگ گئے ۔ مولویوں نے داد دی کمر تھپکی اور بڑھاوے دیئے کہ بس اب دامنِ مقصود تمہارے ہاتھ آگیا ۔ حضرت جی جنت میں کھینچ لیں گے اتنے قصور مل جائیں گے چین کرنا ۔ اب تم حقیقت میں دینِ متین کے پیرو بنے ہو ۔ اغیار نے طعنے دیئے آوازے کسے پھبتیاں اڑائیں ذلت و حقارت سے بھی دیکھا اثر نہ ہوا آنکھیں نہ کھلیں ۔ وقت نے چونکہ وقت کا ساتھ دے کر جو گری حالت کو سنبھالنا تھا اس سے محروم ہو گئے ۔ ستم یہ کہ منہ موڑا سے آنکھیں پھیر لیں ۔ مذہب کے نام پر جو کچھ جاری ہو گیا تھا اس میں الجھ کر غور و فکر اور سمجھ سے دور جا پڑے ۔ اسلام کو ظلمت اور ظلمت کو اسلام سمجھنے لگے ۔ یاد بھی نہ رہا کہ ابھی جاگ رہے تھے ۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں تھی ۔ ظلم و ستم سے نہیں مروت خلوص اور ملنساری سے قوموں کو چلا رہے تھے سیاست و حکومت سے واقف تھے نشیب و فراز سوچنے کی اوروں سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے ۔ اگر وقت نے دھکیل دیا ہے تو لاؤ عزت سے زندگی گذارنے کے لائق تو اسباب مہیا کر لیں ۔ تازہ علم و ہنر سے مسلح ہو کر ہر طرح کے کاروبار سنبھالیں ۔ مصلحت پر نظر ڈال کر حکومت میں جگہ پیدا کر لیں ۔ اتنی سدھ کہاں تھی رسم و رواج میں جکڑے پڑے تھے ۔ مولوی لوریاں دے رہے تھے ۔ عیش نوازی سے جو کچھ بچ رہا تھا وہ رسوم کے پورا کرنے میں صرف ہو رہا تھا ۔ لالہ سے پانسو لے کر بھائی برادری میں ناک اونچی کی جا رہی تھی اور وہ ان پانسو کے پانچ ہزار بنا لیتا تھا ۔ ہزار روپے شادی بیاہ کے لئے اور دو ہزار کسی مذہبی رسم کو پورا کرنے کے واسطے لئے جاتے تھے اور لالہ ہاتھ جوڑ کر دیدیتا تھا پھر توڑ جوڑ سے ہزار کے دس ہزار بنا کر جائداد پر چھاپا مارتا تھا ۔ کبھی کاغذات منگا کر نہ دیکھتے تھے کبھی آمدنی اور خرچ کا جائزہ نہ لیتے تھے ۔ گھروں کی بیگمات مست تھیں ۔ ان کی منہ مانگی مرادیں اور رسوم کی سرخروئی پوری ہو رہی تھی ۔ وہ انجام کو کیا دیکھتیں جب میاں ہی نتیجے سے بے پروا ہو چکے تھے ۔ کبھی حساب کتاب نہ پڑتالا کبھی کمی زیادتی نہ جانچی ۔

مناسکِ مذہب کی ادائیگی جو محض ایک قسم کا دکھاوا یا وہی نام و نمود تھے ۔ تمام ضروری

کاموں پر حاوی ہوگئے تھے ۔ اس لئے کہ حوائج زندگی نذر نیاز اور ادائے مراسم سے پوری ہوجاتی تھیں ۔ جب بزرگوں کا لاکھوں کا ترکہ ہر قسم کی عیش پسندی کی نذر ہوگیا تو افلاس نے آگھیرا ۔ یہ وہ چیز ہے کہ جب آجائے تو خوبیاں بھی معائب سے بدل جاتی ہیں ۔ ساری رذالتیں اور ساری رسمیں پیسے سے ہیں یہ نہ رہے تو پھر جوہر کھل جاتے ہیں ۔ پھر نہ بزرگان دین کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے نہ بھائی بندوں کی عزت افزائی نصیب ہوتی ہے ۔ حالت بگڑی تو عوام کو روٹی کے لالے پڑ گئے اور خواص نے گرتے ہوئے وسائل اختیار کرلئے ۔ کسی کو اپنی جان کا ہوش نہ رہا ۔ آپا دھاپی مچ گئی ۔

جب حالات بگڑنے لگے اور مستقبل تاریک نظر آنے لگا تو قدرت نے سرسید مرحوم کو غور و فکر کی توفیق دی ۔ انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر اندازہ لگایا کہ غفلت زدہ قوم کو جگایا نہ گیا تو انجام بُرا ہوگا ۔ دردمند دل رکھتے تھے تڑپے اور باوجود ملازمت کی پابندیوں کے میدان عمل میں کود پڑے ۔ وہ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ انگریز کا چنگل ملک کی ہڈیوں تک پہنچ چکا ہے ۔ مسلمانوں کا اختراز تباہ کردے گا ۔ صلاحیت نہیں کہ مقابلہ کرسکیں نہ انگریز غافل ہے کہ کسی کو ابھرنے کی مہلت دیدے ۔ سیاسی جدوجہد مزید تباہی کا باعث ہوگی ۔ انہوں نے انگریز کے ساتھ مل جانے اور تعلیم حاصل کرنے کو بہترین علاج سمجھا جو وقت کا مقتضا تھا ۔ یہ ارادہ ان کے تدبر کا بہترین ثبوت ہے ۔ اس نازک وقت میں اس سے بہتر اور کیا تجویز ہوسکتی تھی ۔ مرحوم نے تحریر و تقریر اور دوڑ دھوپ سے مسلمانوں کو ہم خیال بنانا شروع کیا ۔ چاہا کہ پہلے ایک انگریزی کالج کھول دیا جائے تاکہ قوم یورپ کے علوم و فنون اور اس کی ترقیوں سے واقف ہوکر آنکھیں کھولے حالات دیکھے ۔ معلوم ہوجائے کہ دنیا اب کہاں پہنچ چکی ہے ۔ تعلیم حاصل کرے اور پھر حکومت کے صیغوں میں داخل ہوکر قومی و سیاسی حالت سنبھال لے ۔ ہوا یوں کہ ملا قوم پر پہلے ہی مسلط ہوچکے تھے اس لئے انگریزی کا لفظ زبان پر آنا تھا کہ چاروں طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی ۔ ان کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ۔ چاروں طرف کفر کے فتوے اڑنے لگے ۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس دانائے قوم نے ایک ہوشمند طبقہ اپنا ہم خیال بنالیا تھا ۔ جس میں مولانا شبلی ۔ مولانا حالی ۔

صاحبزادہ آفتاب احمد - وقار الملک مشتاق علیخاں - ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ جیسے سمجھدار لوگ شامل تھے جو اس وقت دماغ کے لحاظ سے قوم کا بہترین خلاصہ تھے - جس طرح حق پسند لوگ بڑھا کرتے ہیں مرحوم بھی نہایت عزم راسخ کے ساتھ بڑھے - رکاوٹوں اور مخالفتوں کی پرواہ نہ کی - مولوی ان کے مرید اپنی جگہ چلا یا کئے اور وہ جس راستے کو بہتر سمجھ چکے تھے اس پر گامزن رہے - لعنتیں جھیلیں ملامتیں سہیں کافر بنے زندیق کہلائے پھر بھی قوم کو جگانے سے ہاتھ نہ کھینچا - ایک مقام پر تو ایسا بھی ہوا کہ بے توفیق لوگوں نے آپ کے گلے میں جوتیوں کا ہار ڈال دیا - جب ساتھی نکالنے کے لئے دوڑے تو فرمایا کہ غم نہ کرو یہ قوم کا عطیہ ہے اسے نہیں اتاروں گا - یہ میرے لئے ذلت نہیں عزت ہے - جب مکے میں کافر نیاں آنحضرت پر کوڑا کرکٹ اور غلاظت پھینکتی تھیں تو یہی فرمایا کرتے تھے کہ پروردگارا ان لوگوں کو معاف کردے یہ تیرے رسول کو نہیں پہچانتے - جو عزم راسخ لے کر آتے ہیں عوام کی بیہودگیوں سے مایوس نہیں ہوا کرتے -

حیرت ہوتی ہے کہ تاریخ اپنے واقعات کو کس طرح دہراتی ہے - جب مسلمان اپنے علوم و فنون اور اپنا بہترین مذہب لے کر مغرب گئے تو ہر طرف سے احتراز و تحذیر کے نعرے شروع ہو گئے کہ کافروں کے علوم و فنون اور ان کا مذہب بہت خراب چیزیں ہیں - دنیا داری سکھاتی ہیں - مسلمان بہت بری قوم ہے - مخالفت کے یہی سارے قصے جو چھ سات سو سال یورپ والوں کو پیش آئے تھے - پہلے تو یونہی دو دو بیٹ بیٹ رہی پھر جب نوجوانوں میں تحریک پیدا ہوئی کہ قرطبہ جائیں اور علوم و فنون حاصل کریں تو کلیسا کا اختیار اور گھر والوں کی لعنتیں آڑے آ گئیں تھیں - وہی کہ یہ مسلمانوں کے علوم و فنون کافر کر دیتے ہیں - آدمی اصول و عقائد سے پھر جاتا ہے - وہاں بھی یہ ہائے ہائے کارگر نہ ہوئی تھی - لوگ پہنچے اور ابن رشد کا فلسفہ پڑھا طب حاصل کی - کیا معلوم تھا کہ مسلمان بھی عنقریب ان کی سی طرح بے بہرہ ہو جائیں گے اور تاریخ وہی دکھائے گی جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے یورپ میں دیکھا تھا -

انگریزوں کی باتیں دیکھ کر ہم اسی طرح بدکے اور مسلمانوں کو پیچھے رکھنے میں ذرا سی بھی کمی

نہ اٹھا رکھی ۔ ان ناعاقبت اندیش مفکّرین کو معلوم نہ تھا کہ اجتناب کیا نتیجہ دے گا ۔ اور وہ قوم جو اپنی
شان و شکوہ سے ہندوستان میں رہ چکی ہے اسے کیا روز بد دیکھنا پڑے گا ۔ کاش ان کو زندہ کر کے
حالت دکھائی جا سکے ۔ غرض انتہائی مخالفت کے باوجود سر سیّد مرحوم نے قوم میں دوبارہ روح
ڈالنے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا رسالے جاری کئے ۔ دلائل و براہین سے مروجہ خیالات
پر کھلی تنقیدیں شروع کر دیں ۔ مضامین کی اشاعت نے اور کہرام مچا دیا ۔ ادھر سیّد نے تفسیر لکھ کر
شائع کی ادھر حالی مرحوم نے ایک قومی صحیفہ مسدس حالی کے نام سے لکھ ڈالا ۔ حالت کا مرقع
کھینچکر قوم کے سامنے رکھدیا ۔ اس کا سوئی قوم پر بے حد اثر ہوا ۔ بلکہ ایسے شعرا پیدا کر دئے
جو غزل قصیدہ چھوڑ کر نظموں کے ذریعے قوم کو حساس بنانے لگے ۔ سید نے آخر کار علیگڑھ
میں ایک کالج کی بنیاد رکھدی ۔ اس زمانے تک مسلمانوں کی نسلیں نہ بگڑی تھیں ذہانت اور
طبّاعی موجود تھی دماغ میں تیزی تھی ۔ نئی تعلیم نے بڑے بڑے قابل آدمی بنائے ۔ کالج نے قوم
میں جان ڈالی ۔ اس کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا جو نفرت انگریزوں سے تھی انگریزی پڑھکر
جاتی رہی ۔ مذہب و معتقدات میں بھی فراخدلی آئی ۔ یہیں سے کچھ دردمند ایسے بھی نکلے
جنہوں نے قوم کی خدمت کو حاصل زندگی بنالیا ۔ پھر دیکھا دیکھی بہت سے کالج اور سکول کھل گئے ۔
مسلمانوں میں بھی کام کرنے اور وقت کو پہچاننے کا شعور بیدار ہوا ۔ لفظ لیڈر کا استعمال ہونے
لگا ۔ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے اپنے لکچروں اور خانگی اصلاح کے ناولوں سے قوم کی خدمت کی ۔
مولانا شبلی نعمانی کی روشن خیالی نے تعلیمی مذہبی اور تاریخی ذخیرے پیش کئے ۔ بعد میں سید سجاد حیدر
جیسے صاحب ذوق حضرات نے بساطِ ادب سنبھال کر نئے انداز نکالے ۔ عبدالحلیم شرر اور
محمد علی طبیب نے ناول نویسی کی نقلیں اتار کر زبان کے اس پہلو کو پُر کیا ۔ نئے تعلیم یافتوں نے
یورپ اور انگریزی کے ادب سے بہت اچھی خوشہ چینیاں کیں اور خوان اردو کو الوانِ نعمت سے
مالا مال کر دیا ۔ وہ نوعمر زبان جو قصیدے غزل اور عشق و عاشقی کی زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی
نئے آنے والوں نے اسے فرسودگی سے آزاد کر کے سوکھے دامنوں کو تر و تازہ خیالات و مضامین

سے سیراب کر دیا۔ خاص کر نثر نگاری کے دلکش اسلوب نکلے۔ مولانا محمد حسین آزاد مرحوم اس خصوص میں اس لئے یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ انہوں نے اردو نثر کو آغاز میں سنبھالا اور نیا انداز پیدا کیا۔ ان ہی پیشروؤں نے اردو کی پیشانی سے مفلسی کے داغ مٹائے۔ وقت کے اصنافِ علم و سخن طبعزاد خیالات یا ترجموں سے اپنی میٹھی زبان میں ڈھال لئے اور حیران کر دینے والی سرعت کے ساتھ اسے مکمل زبانوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔

سید مرحوم نے جو شن عیادی کیا تھا اس میں کامیاب ہوئے۔ مسلمان تعلیم کی ضرورت محسوس کر کے ادھر جھک گئے۔ تعلیم حاصل کر کے حکومت کے اداروں میں بھی خال خال نظر آنے لگے۔ ہندوؤں پر یہ بات گراں تو گذری لیکن اتنا ہوا کہ ان کے تعاون سے انگریزوں کی بے توجہی گھٹ گئی۔ وہ حقارت اور نفرت، جو غدر کے بعد سخت ہو گئی تھی ہلکی پڑ گئی۔ تعلیم یافتہ مسلمان ذمہ دار نوکریوں میں لئے جانے لگے۔ ان حلقوں میں اگرچہ نئی تہذیب کا رنگ چڑھنے لگا۔ اس طرح وہ خالص ہندی اسلامی تہذیب جس کو بچانے میں مسلمانوں نے اتنی تباہی برداشت کی تھی بگڑنے لگی۔ انگلستان الحاد کا بھی اثر پڑا۔ مذہب کی طرف سے لاپروائی آگئی۔ نئی نئی تعلیموں نے آزادی پیدا کر دی۔ پرانے تو بیٹھے ہی مالک کھول جھونے بیٹھے تھے اس بنت جیٹ کام پر بعض نئے ہونہار بھی تڑپ اٹھے وہ جو تعلیم و ترقی و تہذیب کے حامی تھے ان سے بھی یہ خرابیاں نہ دیکھی گئیں۔ یہ حالات دیکھ کر اکبر الہ آبادی مرحوم نے حب ایمانی کو تی اور سید پر نکتہ چینی شروع کر دی کہ وہ قوم کو اندھا دھند تقلید پر لگا رہے ہیں مسلمانوں کی قومی و مذہبی خصوصیات نہ مٹنی چاہئیں۔ ہندو تو کھلے یورپ اور کبیلش کو چاٹ کر بھی ہندو رہتا ہے مسلمان سنتر بے مہار نے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے مخصوص انوکھے مزاحیہ انداز میں خوب خوب چٹکیاں لیں آواز سے کسے پھبتیاں اڑائیں اور ہنسا ہنسا کر حالت دکھائی۔ کبھی کہا:

حاضر ہوا میں خدمتِ سید میں ایک رات
فرصت جو کم تھی ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات

فرمایا مجھ پہ قوم کی اصلاح فرض ہے
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ دادِ آپ عرض ہے

ہر طرف اسکول سازی کا جوش و خروش اور انگریزی نقالی کا جنون تھا۔ جلسے ہوتے تھے۔ چندے جمع کئے جاتے تھے۔ قومی نظموں کی بھرمار تھی دیکھ کر مذاق اڑایا:۔

چھوٹوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی   مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
غنچے کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی   دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی

الجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

پنڈت پراچ جا کے بنارس میں آ رہے   لے دے کے شیخ شہر بھی تو ملیں پر آ رہے
حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے   ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

الجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

وہ اس ہماہمی کو جس سے سفر نہ تھا کچھ ٹھوس کام نہ سمجھتے تھے اس لئے کہ قوم کی حالت کھوکھلے درخت کی سی تھی کہ اوپر سے سر سبز ہے لیکن اندر سے جگہ خالی ہے بیتاب ہو کر کہا:۔

جی میں آتی ہے علیگڑھ جا کے سید سے کہوں   مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے

اس کھچڑی اور بے روح نقالی سے بیزار ہوگئے۔ دیکھا کہ ذہنیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا نئے تعلیم یافتہ بھی قوم کو زندہ کرنے کے بجائے نکمی جنبیوں سے ہی دل کو تسلی دے رہے ہیں۔ ملت کی بہی خواہی اپنے اخلاق اور اپنے مذہب میں ہے۔ افسردگی میں فرمایا:۔

ہم نہ انگریز بنے اور نہ مسلماں بنے   عمر کو مفت میں کھو بیٹھے ناداں رہے
طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے   ہیں تو جب جانوں کہ بعد مرا د جیاں رہے

کالجوں سے پہلی کھیپیں قابل نکلیں جن جوہر تھے لیاقت تھی۔ نشیب و فراز سمجھتے تھے۔ ذمہ داریاں سنبھالنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ ان کے بعد جو باہر آئے تو لیاقت کم تھی اور غلط فہمی زیادہ۔ بلکہ طبیعت کے رجحان کے مطابق رنگینی کی طرف مائل ہو کر ناولوں سے دل بہلاتے تھے۔ آزاد عیاشی کی طرف میلان ہوگیا تھا۔ دیکھا اور جیخ پڑے:۔

الا یا ایہا [illegible] سبھا [illegible] لہا   کہ [illegible] آساں [illegible] اول ولے افتاد مشکلہا

بکن تنزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن وِنٹلون کہ سرسید خبر دارد زراہ و اسم منزلہا

اور جب یہ دیکھا کہ ناول پڑھ کر اور یورپ کے خیالات سے متاثر ہوکر عملی ثبوت دے رہے ہیں۔ اعتداءِ قومی بناؤ میں لگے ہوئے ہیں۔ بازار در بار سرکار میں پہنچ رہے ہیں۔ اور ہمارے نوجوان ان کے ہمدرس اور ہم جماعت ہوکر کسی اور شغل میں ہیں۔ ایک ماحول اور ایک ہی فضا میں دو متضاد طبیعتیں تیار ہو رہی ہیں تو بیقرار ہوکر کہا :-

ایک ہی ہوٹل میں پی بل چل کے دو نوں نے شراب لطفِ مستی اُن کو آیا اور تو اُلّو ہوگیا

یا ایک دلی کے نوجوان کا زندہ واقعہ ـ گرچہ منصوری میں وقوع پذیر ہوا اور دو متضاد معشوقوں کو اکٹھا کر دیا تو سن کر چلا پڑے :-

بابو گریجوایٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں

انگلینڈ کی آمد و رفت شروع ہوگئی تھی۔ مزید تعلیم کے لئے وہاں کی یونیورسٹیاں پکڑنے لگے تھے۔ اکثر جانے والے جب ڈنر دے کر بیرسٹری یا اور کوئی سند لے کر واپس آنے لگتے تھے تو ایک آدھ لیڈی ضرور ساتھ لے آتے تھے۔ اس حج کا خاکہ بھی کھینچا ہے :-

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہوگیا مدت تھا دل بھول کر وہسکی کا پیپا ہوگیا

اک لعبتِ چین کو لندن سے جب بیاہ کے لائے غافلن احباب نے نیز مطاعن سے ان کے دل کو مجروح کیا!

باپ اُن کے نہ بولے گنتی مری واللہ ڈبو دی ہائے غضب اس لڑکے نے صحبت بد پا کر یہ کارِ این نوح کیا

لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلۂ و کعبہ سنئے تو یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

یہ حالت دکھانے کے بعد تنقید بھی کی اور مشورہ بھی دیا :-

دیکھنا کہنا ماننا اکبر گورے کو نہ بنانا سالا

بھائی رنگ بھی ہے اچھا ہم بھی کالے یار بھی کالا

لیڈری جو اُن کے سامنے عام ہو چکی تھی۔ ہر کس و ناکس اسٹیج پر پہنچ کر میری پیاری قوم کا لکچر دینے لگا تھا اس کا خاکہ ایسا پیٹا کہ منہ دکھانے جوگا نہ چھوڑا :-

اتنا بھی نہ سمجھے کہ حسین بھی ہے جواں بھی ۔ شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

وہ دیکھ رہے تھے کہ ہندو زندگی کے ہر شعبے پر چھائے جا رہے ہیں اور میاں بدھو انگریزی کے فیض پر بھی کلرکی ہی کو معراج سمجھتے ہیں۔ دوسری شاخوں کی طرف توجہ دلائی اور ایسی زندگی کی جس میں نہ اولوالعزمی ہو نہ سوچ بچار ہو مذمت کی :-

کیا کہوں احباب کیا کار نمایاں کر گئے ۔ بی۔ اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

اسی بے حسی خود فراموشی اور بے خبری پر پھبتی اڑائی :-

شیخ و مسند سے تعلق ترک کر اسکول جا ۔ چھوڑ ٹر بیچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ ۔ کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

اس بات کا خوب اندازہ لگا چکے تھے کہ سطح پر جنبش ہو رہی ہے نہ کا پانی اسی طرح پر سکون ہے مچھلیاں آرام سے بڑی کیچڑ گادے میں لوٹ رہی ہیں عام غفلت طاری ہے ان کو کوئی نہیں چھیڑتا ۔ ان کی بیداری اور احساس کا کسی کو خیال نہیں ۔ جب عوام بے خبر ہیں تو خیر و برکت کے سوتے نہیں پھوٹ سکتے ۔ دیہات میں جا کر کوئی اتنا نہیں کہتا کہ کیا کرنا چاہیئے ۔ مفید رسمیں اختیار کرنے میں کیا فائدہ ہے ۔ وہ بیچارے جاہل بے خبر اپنے مشاغل میں تباہ ہو رہے ہیں ۔ عوام میں احساس زندگی مفقود ہے ۔ انہیں حالات اور مستقبل کی تاریکی کا اندازہ لگا کر مولویوں اور لیڈروں کو مخاطب کر کے جلاتے :-

اے شیخ جب مکمل نہیں دست توم میں ۔ پھر کیا ہوا جو اونٹ نرے ریل ہو گئے

یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مولوی اپنے ملّا ازم سے اور خرابی پیدا کر رہے تھے ۔ سوتوں کو لوریاں دے کر سلا رہے تھے ۔ مشاعروں سے ہٹا کر اپنی شاعری پر لگا رہے تھے ۔ ان کی پرستش تو خوب ہو رہی تھی لیکن قوم کی جان نکلی جا رہی تھی ۔

اکبر مرحوم کی یہی چٹکیاں اور نرالے انداز تھے جن پر علامہ اقبال مرحوم تڑپ اٹھے تھے اور ان کے رنگ کی تاسی کر کے ''اکبری اقبال'' کی نظمیں کہی تھیں :-

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۔ مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے

پر وہ اب کس سے رہا جب مرد ہی زن ہو گئے

وقت بری طرح بدل چکا تھا وہ بانٹ لوٹ کر نہ آسکی تاہم سطح کی اوپری جنبش بھی انہیں بزرگوں کی جانکاہ کوشش کا نتیجہ تھی۔ جو کچھ ہوا وہ بھی نہ ہوتا تو نہ معلوم مسلمان گراوٹ کے کونسے درجے پر پہنچتے۔ خدا رحمتیں نازل کرے سر سید احمد پر پھر بھی قوم کو انہوں نے اچھے وقت سنبھال لیا ورنہ مولویوں کی رائے اور عوام کی بے خبری برے حالوں پر پہنچاتی۔ یہ خیال کہ مذہب ہلکا ہو جائے گا ایک حد تک ٹھیک تھا لیکن زمانے کا ساتھ دیئے بغیر چارہ نہیں۔ مجبوراً ساتھ دینا پڑا۔ یہ مذہبی رہنماؤں کا فرض تھا کہ مختصر اصلی اسلام سے واقف کر کے انگریزی خوانوں کی اصلاح کرتے رہتے۔ ان میں سے جو اکھڑے وہ اس خود ساختہ مذہب کی خرافاتوں کو دیکھ کر اکھڑے۔ تاہم انہیں میں سے قوم و مذہب کو سنبھالا دینے والے بھی پیدا ہو گئے۔ قومی احساس پیدا ہو جائے تو اپنی ہر چیز عزیز ہو جاتی ہے بدلنے پر بھی مسلمان ہی رہے اور آخرکار انہیں لوگوں نے قوم و مذہب کو بچایا۔ مذہبی اجارے دار تو پلاؤ خوری اور شاعری ہی پر لگے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا احسان زیادہ ہے۔ اب اس کو کیا کیجئے کہ بیداری میں تاخیر ہو گئی اور ہندو بہت آگے نکل گئے:۔

کس وقت خواب ناز سے چونکے ہزار حیف!
جب قافلے کی گرد بھی آنکھوں سے چھپ گئی
(سیفی)

سید کی تجویز سراسر وقت کا مقتضا تھا۔ اس زمانے کے تنقید کرنے والے غلط اندازہ لگاتے ہیں۔ ایسے وقت میں سیاسی جد و جہد یا بازیافت کی کوشش کیا معنی رکھتی تھی۔ اس لئے کہ قوم کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ احساس اور جوش گم ہو گیا تھا۔ جہالت اور بے خبری کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ نہ مٹنے والے اختلافات تھے۔ غدر کی تباہی دل و دماغ ماؤف کر چکی تھی۔ انگریز ہندوؤں کا تعاون حاصل کر کے مضبوط ہو چکا تھا۔ اس کی تدبیر اور طاقت کے سامنے چون و چرا کرنا بھی رہی سہی تباہی کا باعث تھا۔ خود ہمارے مغربی بازوؤں نے ان کی جڑیں جن کو آزادی خواہ اکھاڑ چکے تھے پتال میں پہنچا کر مستحکم کر دی تھیں۔ چارہ کار سوائے اس کے نہ تھا کہ ان کے ساتھ مل کر

تعلیم حاصل کر کے حکومت سے تعاون کریں اور حسب کوشش کاروبار میں شریک ہو جائیں۔ اب یہ قوم کا فرض تھا کہ مرحوم کے بعد خود بھی سوچتی تو کم سے کم دوسروں ہی کو دیکھ کر زندگی کی راہیں اختیار کرنے۔ ہم میں تو ابھی گرمی باقی تھی۔ وہ چل پڑے جنہیں سرد ہوئے صدیاں گذر چکی تھیں۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبے کو زندہ کر لیا۔ آپس کے ایسے اختلافات مٹا لئے جو مٹنے والے نہ تھے۔ ایک بھی ان کے جرگے میں سے مسلمانوں کے ساتھ ہم نوائی کرنے والا نہ رہا۔ یہاں یہ حالت ہوئی کہ جوں جوں لیڈروں کی کثرت اور رہنماؤں کی افراط ہوئی اختلاف میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک خدا ایک رسول ایک کتاب اور ایک کعبے کو ماننے والے باہمی تکفیر بڑھانے لگے۔ کہیں مذہب میں شگوفے بازی ہوئی اور بڑے ہوئے اضافوں کو نکتہ آفرینی سے اور بڑھانے لگے۔ کہیں سیاسی جماعتیں سر نکال کر کوس لمن الملک بجانے لگیں۔ عوام نے یا تو فقیری کا مقدس پیشہ اختیار کر لیا یا رشیوں نے جائدادوں کے کوڑے کر کے تیتیس تیتیس لاکھ کی معافیاں بنیوں کی گود میں ڈال کر مزدوری پکڑ لی۔ سنبھلے ہوئے گھر بھی تباہ ہو گئے۔ بڑے بڑے خاندانیوں نے تانگے ہانکے۔ جن اوچھوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑا تھا وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر غریبوں پر حقارت کی نگاہیں ڈالنے لگے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں انگریز نے اپنے مطلب کا دیکھ کر ابھار دیا یا وہ جو بچی کھچی تاج محلوں سے توڑ جوڑ لگا کر وارث بن بیٹھے انگریز خوب سمجھتا تھا کہ کون اس کی غلامی کے سامنے ناک رگڑ سکتا ہے اس کو فوراً سنجیدگی سے اپنے پاس بلا کر کمر تھپک دیتا تھا اور وہ شکاری پر دوڑنے لگتا تھا۔ جنہوں نے اس سے ذرا سی بھی خودداری برتی نازک حالات میں گوشہ کنار سے جا لگے۔ روکھی سوکھی پر قناعت کی تو لے و سبیلگی سے وہ بھی نہ رہی۔

ہندو پہلے انگریز کو نجات دہندہ سمجھ کر لیٹا تھا۔ تعلیم کی بیداری نے سیاسی شعور پیدا کر دیا۔ جب انگریز نے دیکھا کہ یہ شکار کہیں اکھڑ نہ جائے تو منہ بند کرنے کے لئے انڈین کانگریس کا بت بنا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور چپکے سے کان میں کہدیا کہ حقوق شور شرابے کی جگہ آئینی طریق پر مانگنے چاہئیں۔ ہم تمہیں آزادی اور سیاسی زندگی ہی تو دینے آئے ہیں۔ [illegible] ہے کہ جنہیں زمانے نے پیش رکھا ہے انہیں انسانیت کے نام پر ابھار کر دنیا کی دوڑ [illegible]

شریک کر دیں ۔ یہ مسلمان تو جہاد جہاد کرتے رہتے ہیں سمجھتے نہیں ۔ تم سکون میں خلل نہ ڈالو خاموشی سے کام کرو ۔ جوں جوں اہلیت پیدا ہوتی جائے گی اسی انداز سے یہ ہم حقوق دیتے رہیں گے ۔ بنیئے نے دفتر کا بستہ نیچے رکھ کر ڈنڈوت کئے اور سلام کر کے بستہ اٹھا کر بغل میں دبا لیا ۔ انگریز کو معلوم نہ تھا کہ یہی تسلیاں عنقریب گرفت کو ہلکا کر دیں گی اور اسی بت کے سامنے تمام جاہ و جلال کے ساتھ جھکنا پڑے گا ۔ یہ ڈنڈوت والا جان کو آ جائے گا اور پھر بدھا بوریا سمیٹ کر جہاں سے چلے تھے وہیں جا کھڑے ہوں گے ۔ کانگرس کی آگ حسب نصیحت پہلے آہستہ آہستہ سلگتی رہی ۔ جب کوشش نے تعلیم کو عام اور سمجھ کو تیز کر دیا ہر لحاظ سے مضبوط ہو گئے تو کھلے بندھوں مطالبات پیش کرنے لگے ۔ جن سے گر کا سیکھا تھا ان پر ہی پہلے پینترے کاٹنے لگے ۔ ان کی ہی سکھائی ہوئی چوٹوں سے کام لینے لگے ۔ گوکھلے اور مسٹر تلک نے آ کر اس خیال کو اور تیز کر دیا جو بے خبر تھے انکا سر جھنجھوڑ دیا آزادی کی دھن لگا دی ۔

سید مرحوم کی محنت سے اب مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا موجود تھا جو سیاسی نقل و حرکت اور ملکی و اجتماعی رفتار کو بھانپ سکتا تھا ۔ کانگرس پر نگاہیں پڑیں ۔ ہندوؤں کو کوشش کوشش میں دیکھا اور ملک کی اس دوڑ دھوپ میں شریک ہو گئے ۔ تاہم ہندوؤں کی خود غرضی اور مسلم حقوق سے بے پروائی دیکھ کر ایک جماعت نے کچھ دنوں بعد مسلم لیگ کی بنیاد رکھدی ۔ اس خیال پر کہ ہندو کسی صورت حقوق بانٹنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ اس چھوٹی سی جماعت میں اوروں کے ساتھ راجہ محمود آباد نے خاص انہماک سے حصہ لیا ۔ کیا معلوم تھا کہ آخر میں اسی خیال پر مسلمانوں کا مفاد آ ٹکے گا اور حالات کے زیادہ بگڑ جانے پر مسلمان اسی چھوٹے سے اختلاف کے دامن میں پناہ لیں گے ۔ ہندو ان کو رگیدنے اور مٹانے کی کوشش کرے گا اور طاقت کے گھمنڈ پر سات سو سال کے ساتھ کو یک قلم بدلحاظی سے بدل دے گا ۔ یہ حفاظت تھی مسلم حقوق کی ۔ مسلمانوں میں ایسی جماعت کی ضرورت بھی تھی جو حکومت کے سامنے خالص حقوق رکھ سکے اور جس طرح ہندوؤں نے تعاون سے فائدہ اٹھایا ہے وہ بھی اٹھا سکیں ۔ لیکن وہ لیڈر جو وطن پرستی کے مقابلے میں ہندو کی بدسلوکی کے باوجود امتیاز

کو اچھا نہ سمجھتے تھے ان اوقات میں بھی کانگریس کے شریک رہے - اس طرح سیاسی گرمی ملک میں تیز ہو گئی - ہندو اور انگریز کے تیور کو امید افزا نہ تھے پھر بھی ملک کی آزادی مسلمانوں کے مقاصد میں شریک تھی - یہاں تک کہ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور منصۂ شہود مسلمانوں کے مقاصد کو دیکر ملک کی آزادی کے لئے سینہ سپر ہو گئے - وہ بھی سید مرحوم کے ادارے سے نکلے تھے - قوم اور وطن کے دونو جذبے ان کے قابل دماغ اور حساس دل میں پنہاں تھے - اسی وقت مولانا ابوالکلام آزاد بھی مولویت کا میدان چھوڑ کر سیاست کے میدان میں پہنچ چکے تھے - دونو حضرات نے اپنی اپنی جگہ مسلمانوں کو جگانے اور ان میں احساس زندگی ابھارنے میں سخت جد وجہد شروع کر دی - ایک طرف کامریڈ، اور ہمدرد نے نگاہوں کو کھینچا دلوں کو گرمایا تو دوسری طرف "الہلال" اور البلاغ نے مذہبی و سیاسی بیداری میں کامیابی کے ساتھ حصہ لیا -

یورپ نے ہر طرف مسلمانوں پر یورشیں شروع کر دیں تھیں احساس کے سامانوں میں سے یہ بھی یورشیں سامان تھیں - ان حضرات کی ہائے ہائے سے ہندوستان کے درد مند مسلمان سمجھنے لگے کہ دنیا کیا سلوک کر رہی ہے - اتنے میں بلقان وار شروع ہو گئی اور مسلمان تڑپ اٹھے - اب آزادی اور حقوق طلبی کے مطالبات میں تیز رفتاری آگئی - چیخنا چلانا شروع کر دیا - کھلم کھلا نکتہ چینی کرنے لگے کچھ لیگ کے ذریعے اور کچھ کانگریس کے ساتھ ملکر لاہور سے بھی "وطن" "زمیندار" پیسہ اخبار، اور سیاست شائع ہوئے جنہوں نے احساس دلانے میں بڑا حصہ لیا اور بعد میں تو یہ شہر اخباروں رسالوں اور اشتہاروں کا مرکز بن گیا -

غدر نے جو انقلاب برپا کیا تھا ہندوستان کے دل و دماغ پر اس کا اثر پچاس سال تک رہا - تباہی و بربادی کی کہانیاں اگلی نسلوں تک میراث کے طریقے پر سینہ بسینہ پہنچتی رہیں - انگریز کے تدبر اور نظم و نسق نے ایسا رعب بیٹھایا کہ دل بند ہو گئے - ہونٹ سل گئے - جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کے جلال کے آگے حکارا ابھر سکیں - ہندوستان نے یہ باتیں کاہے کو دیکھی تھیں کہ حاکم محکوم سے اتنا دور الگ تھلگ کوٹھی میں بیٹھ کر حکومت کرے اور رعایا کی

رگیں جکڑ دے۔ سامان بھی ایسے تھے کہ چشم فلک نے نہ دیکھے تھے۔ طور طریقے چال ڈھال رفتار گفتار رنگ روغن "قانون" قاعدے اصول وضوابط سب سے جدا سب سے الگ۔ بزم کی باتیں انوکھی رزم کے انداز نرالے۔ کہاں وہ حالت کہ جھروکے میں بادشاہ سلامت کا دیدار ہے جو رعایا کو اولاد سے زیادہ عزیز اور رعایا انہیں جان سے زیادہ پیاری وہ انکے جاں نثار وہ اس کے فدائی۔ نہ زیادہ سخت گیری نہ "قانون" قاعدوں کی بھرمار۔ یہاں یہ حال کہ ارے! چل! کالا آدمی! ٹم اُونٹ جانور کا مافک اوٹا۔ ذلت حقارت، کرنے کھدرے تک قانون میں جکڑے ہوئے۔ زبان سے بات نکالنا دشوار۔ کچھ حیرانی کچھ خوف ڈر سب بندھ کر بیٹھ گئے اور جب بمبئی سے پہلی مرتبہ ریل چلی تو دیوتا سمجھ کر انجن کے سامنے ڈنڈوت جوڑے۔ کلیں چکر کھاتی دیکھیں تو عقل چکرا گئی۔ کالج میں پہنچکر علوم پڑھے تو زمین و آسمان گھوم گئے۔ نظام پر نظر پڑی تو وائسرائے سے لیکر چپراسی اور پیادے تک سب دوڑتے ہوئے دیکھے۔ ہر وقت کے خلفشار سرکشی اور بغاوتوں کی جگہ خلوص ہمدردی وفاداری نیک نیتی اور فرائض کی ادائیگی پائی۔ بڑے سے لے کر چھوٹے تک قانون قاعدے کے پابند دیکھے۔ دیکھا کہ سب سے بڑے بھی پانچ چھ سال رہ کر واپس ہوجاتے ہیں تمام آنے والے اپنے لئے نہیں بلکہ قوم اور ملک کے لئے حکومت کا بوجھ اٹھا کر فرائض ادا کرتے ہیں۔ مغرب سے لے کر مشرق تک کہیں بھی بغاوت وطغیان نہیں۔ ایشیا عام طور پر نظم وضبط اور قانون قاعدے کی پابندی سے بیزار رہا ہے۔ جب وقت دھوا تو چپکے ہو بیٹھے نرمی ہوئی تو کھل کھیلے قانون کی پابندی جان کو آجاتی تھی اکتاتے تھے گھبراتے تھے۔ ملکی اصول و ضوابط کے بنانے سے اتنی رغبت نہ تھی جتنی ان کے توڑنے سے تھی۔ حال یہی رہا کہ جابر بیٹھ گیا تو ناک رگڑ لی کمزور آگیا تو گھر گھر بغاوت و بدنظمی ہوگئی۔ لیکن انگریز کے نظم ونسق نے باندھ کر بٹھا دیا۔ پولیس کا محکمہ ایسا قائم ہوا کہ جس نے عوام وخواص کو بیک بینی و دوگوش چلایا۔ کہہ سکتے ہیں کہ اس نظم وضبط کی پولیس ہی ذمہ دار تھی جس کی گرفت ویرانے اور آبادی میں یکساں تھی۔ ارتکاب جرم کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ قانون کی پابندی اس کی ذمہ داری پر تھی۔ اپنے

رجحان پر چل پڑتے تھے تو انگریز فوراً کان مروڑ دیتا تھا۔ اس نے بے قانون سے عمل کرا کے چھوڑا۔ حیرانی ہوتی ہے کہ دور بیٹھ کر کس طرح خلقت کے دل و دماغ بدل دیئے۔ پاس بیٹھ کر بے تکلف کر کے ہرگز ایسا نہ کر سکتا جو الگ تھلگ رہ کر کر گیا۔ لوگ اپنے اصول قاعدے بھول گئے۔ وضع قطع بول چال طور طریقے سوسائٹی تہذیب۔ آداب محفل طرز مجلسی رسم رسوم وضعداری آپ ہی بدل بیٹھے۔ اس کی خاموش جراحی کا اثر رگوں تک پہنچ گیا۔ تھوڑے عرصے میں اتنا کچھ سکھا گیا کہ دوسرا صدیوں میں نہ کر سکتا۔ جو کچھ بولتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اسی کے دیئے ہوئے لقمے ہیں۔ فخر کریں یا اپنے آپ کو انوکھا سمجھیں سب اسی کا فیض ہے۔ ورنہ حال یہ ہوتا کہ تمام دنیا بدل جاتی اور ہندوستان نہ بدلتا۔ جیسے ایران و افغانستان جوں کے توں رہے وہ وضعدار جو قمیص پہننا بھی حرام سمجھتے تھے شیروانی اور کوٹ پتلون تک پہن بیٹھے۔ جو انگریزی کو ملعون قرار دے بیٹھے تھے ان کی اولاد انگریزی کے چار لفظ اُلٹے سیدھے بول کر فخر کرنے لگی۔ جو قال اللہ وقال الرسول کے سوا باقی علوم کو مردود جانتے تھے ان کے ہی سپوتوں نے لندن کے طواف کئے اور لیڈیاں بھی ساتھ لے آئے۔ جنکی چھوت چھات اور کم آمیزی ضرب المثل تھی گورنمنٹ کے نام پر تسلیم کو بھی نہ دیکھتے تھے سوشل بن کر سب جگہ پھر گئے سب کچھ کھا گئے اور آزاد خیالی کی تبلیغ کرنے لگے۔

انگریز نے قانون کے احساس اور اس کی پابندی کی عجیب طریقے سے تبلیغ کی۔ وہ یہ کہ کچہریوں کے دروازے کھلوائے۔ سارا ملک مقدمے بازی پر لگ گیا۔ جسے دیکھو دن نکلتے ہی حیدر یا کندھے پر ڈالے عدالت کی طرف بھاگا چلا جا رہا ہے۔ ڈنڈا ہاتھ میں کاغذات بغل میں نہ بال بچوں کی فکر نہ کمائی کا دھیان نہ بیج کا سوچ نہ جتائی کٹائی کا غم۔ بیرسٹروں کی تلاش وکیلوں کی جستجو گواہوں کی خوشامدیں قرضے کی چالیں زمینوں کے سودے باغ اور حویلی کا رہن۔ یہ ایسے مشاغل تھے کہ شہری اور دیہاتی سب دیوانہ وار جُتے ہوئے تھے۔ اس طرح بچی کھچی جمع جتھا مقدمے بازی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ کتنے گھر اور خاندان اس دلچسپ کام میں قلاش ہو گئے۔ خود قانونی نکتے سوجھنے لگے۔ قانون کی زد و ضرب سے بچنے کی راہیں معلوم ہو گئیں اس کی قدر و قیمت اور خوف و ہراس دل پر بیٹھا۔ وکیلوں کی بن آئی۔ بیرسٹروں کے

وارے نیارے ہو گئے - خوب خوب گھپلے مارے - حویلیاں بنائیں جائدادیں خریدیں اور ملک کے بہترین طبقے میں شمار ہونے لگے - اکبر مرحوم کو دیکھ کر رشک آیا اور چلا پڑے :-

قابلِ رشک ہے زمانے میں
دن وکیلوں کا رات عاشق کی

ان میں کچھ ایسے بھی گرے ہوئے نکلے جو بر سرِ اجلاس ہاتھ پیچھے کی طرف پھیلا کر موکل سے کہہ دیتے تھے کہ لا کچھ اور دیدے دو لفظ اور نکلنے کے کہہ دوں - اور جب بدعقل بدنصیب موکل کچہری کے عدالتی انصاف پسندوں اور عملے کی رشوتوں سے لٹ لٹا کر تین بیگھے زمین کے لئے بارہ سو روپے برباد کر کے کہیں قسمت سے مقدمہ جیت لیتا تھا تو حقے کے لمبے لمبے کش کھینچ کر یارانِ طریقت میں فخر کرتا تھا کہ تم چاہے کچھ ہی کہو ہوں میں بھی بیرسٹر ہی - پڑھنے ہی کی کمی رہ گئی - یہ قانون شناسی کا وہ ذریعہ تھا جس سے دیہاتی جہلا کے دماغوں میں بھی قانون کے اڑنگوں کا وقار بڑھ گیا اور واقف ہو کر خلافِ قانون رویے سے حذر کرنے لگے - ایک سلسلہ چل پڑا جو تباہ ہو جاتے تھے مقدمے ٹھیٹ کر دلالی شروع کر دیتے تھے - نو گرفتاران کی طرف رجوع کر کے سربراہ بنا لیتے تھے -

انگریز کا نظم و نسق رومیوں کے نظام سے اس لئے سبقت لے گیا کہ ان کے ساتھ اسبابِ معیشت اور سامانِ حیات جدید و وسیع تھے جن کے ذریعے مشرق و مغرب کے سرے ملا کر کلیجوں کو دبوچ لیا - دوسرے ملکوں کے علاوہ خود ہندوستان کے وسیع ملک کو کابل سے لے کر برما کے آخری سرے تک مٹھی میں اٹھا کر رکھ لیا - کلکتے بمبئی ہو آنا ایسا ہو گیا جیسے گھر کے پچھواڑے ہو آئے - ارزانی ہوئی تو روپیوں کی چیز کوڑیوں میں بکی ریشم چوڑھے چماروں نے پہنا - گرانی آئی تو پریشانی نہ بڑھی پتے نہ نوچے درختوں کی چھال نہ کھائی - ہر جنس تھوڑی بہت ملتی ہی رہی - اگر کبھی فکر یا پریشانی میں چلے تو کسی لیڈی یا انگریز کا گورا چٹا چہرہ سڈول دست و بازو اور دلکش انداز دیکھ کر فکر بھول گئے - پیچھا پھیر کر دیکھا تو نگاہ سمٹ کر پنڈلیوں پر جا ٹکی اور آرٹ کی باریکیاں خیالی پنسل سے خاکے بنانے لگی - پاس سے بھڑ کر گذر گئے تو دامنہ کترا کر ایک طرف کو ہو گئے ہمقدمی کا یارا نہ ہوا - ضلع میں ایک بھی ہوا تو سروں پر بوجھ

محسوس ہوتا رہا دبے بیٹھے رہے۔ دماغ کی جودت ان باتوں سے بھی بالا تھی۔ تیز نظری کا یہ عالم تھا کہ نگاہ ڈالی اور کلیجہ تک ٹٹول لیا دل دماغ میں اتر گئے۔ جاہ و جلال کا یہ حال ہوا کہ ہم اپنے بادشاہوں کے سامنے جھکتے تھے تو اس میں محبت خلوص اور عظمت و عقیدت تھی۔ یہاں صرف سیاسی رعب سر خم کراتا تھا۔

علم و فن کی چاشنی کے ساتھ آزادی و حریت کا بھی سبق تھا۔ یہ تو گوارا نہ تھا کہ بغاوت بالے اصول سے بن سے بندھن کھول کر میدان میں کود پڑیں البتہ حقوق طلبی تھی۔ اخباروں کو آزادی تھی کہ سیاسی باتوں پر رائے زنی کریں۔ ہر طرح کے حالات سمجھائیں۔ تنقید کے نشتر چلائیں۔ انہوں نے رفتہ رفتہ زمانے کی حالت سے باخبر کیا۔ دنیا کے انقلاب ملکوں کی ترقی اور نئے اصول سے واقفیت دی۔ دبلے دبائے شاگرد استاد کی اجازت سے دل کی کہنے لگے۔ روشنی آئی جرأت بڑھی۔ لیکن استنے دنوں کے رعب داب نے ہاتھ پاؤں نہ کھلنے دیئے۔ ۱۹۰۵ء تک بری طرح بندھے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد سے زور پکڑنا شروع کیا ہر صوبے میں کم و بیش ایسے آدمی پیدا ہو گئے جو سوئے ہوئے عوام کو آزادی کا تصور دلانا چاہتے تھے۔ بمبئی کلکتے اور ادھر کے بڑے شہروں میں کھلی مجلسیں قائم ہوئیں۔ بنگال ایسی تحریکوں کا مرکز بن گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے انگریزی حکومت سے فائدہ اٹھا کر تعلیم حاصل کر کے سب سے پہلے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ دوسری وجہ ان کی بیباکی کی یہ ہوئی کہ انہی دنوں تقسیم بنگال کے خلاف کھلی مخالفت کر کے انگریز سے دو دو ہاتھ کر چکے تھے۔ یوپی میں مسلمان اور ہندو ساتھ ساتھ اٹھے۔ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے میدان میں آ گئے۔ گورنمنٹ کو بھی فکر ہوئی اور سمجھ لیا کہ جو حربے مطمئن کرنے کے لئے استعمال کئے تھے وہ زیادہ ہو کر سامنے آ رہے ہیں۔ روک تھام شروع کی اور ایسے لوگ قید و بند کی سختیاں جھیلنے کے لئے جیلوں میں پہنچائے جانے لگے۔

ہندوؤں میں جند اور تحریکوں سے وہ کمزوریاں دور ہونے لگیں جو سیکڑوں سال سے جزو فطرت بنی ہوئی تھیں۔ یکجہتی کی لہر دوڑی۔ قومیت کے جذبے نے بڑھ کر اتفاق کا احساس دلایا۔ سمجھ کی پہلے کبھی نہ تھی ضرورت تھی جوش دلیری اور یکجہتی کی۔ اس سے دلولے پیدا ہونے لگے۔ سوتے جاگ گئے

آزادی کے میٹھے خواب نظر آنے لگے۔ تقسیم بنگال کے قضیئے کے بعد اندازہ لگا لیا کہ سیاسی جدوجہد ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہماری سے لارڈ کرزن جیسے مدبر کے ارادے روک دئے تھے۔ وطن پرستوں نے قربانیاں دے کر حکّام کو مجبور کر دیا تھا۔ مرد تو عورتوں نے کمشنروں کے منہ پر بم مارے تھے زندگی کا نہیں دیا تھا۔ اکبر مرحوم نے ان کی کوشش اور مسلمانوں کی بے خبری پر انہیں واقعات کی طرف اشارہ کر کے طعن کئے ہیں اور انگریز کے کھسیانے پن پر پھبتی کسی ہے:

ماشاء اللہ وہ ڈنڈے کھاتے ہیں　　بنگالی بھائی ان کا سر کھاتے ہیں

بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر　　اُن کی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

گو مسلمانوں کا ایک طبقہ آئینی جدوجہد میں شریک تھا لیکن عام طور پر قوم پر جمود چھایا ہوا تھا۔ جن کو روٹی ملتی تھی مگن تھے اور جن کے لئے روٹی کے لالے تھے انہیں پیٹ کی زحمت اتنی فرصت نہ دیتی تھی کہ ایسے مشکل معاملات پر نظر ڈالیں۔ جو دوڑ دھوپ کر سکتے تھے زمانہ حال کی طرح انہیں نوکری کافی نہ تھا۔ تعلیم کی نہایت کمی تھی اور افلاس رگوں سے لگا ہوا تھا بڑھے چڑھے چرخ کہاں سے برداشت کرتے۔ امیروں کی عیش نوازی تعلیم سے بے خبر تھی۔ حرمت کے فتوے الگ متوجہ نہ ہونے دیتے تھے۔ مفلس، دماغ رکھتے ہوئے بھی علیگڑھ کے حج سے محروم تھے اور دھر کو پہنچکر قلمی گری پنجابندی یا مزدوری پر جا لگتے تھے۔ کیسے کیسے دماغ سوسائٹی کی خرابی اور افلاس کی نحوست سے بیکار گئے۔ ذہانت میں کسی قوم سے پیچھے نہ تھے البتہ اسباب کے فقدان نے زنگ آلود رکھا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بالو پیٹنے کے علاوہ نئی صنعت و حرفت عزت سے جینے کا وسیلہ ہے۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ملک میں لوہے لکڑی کے کارخانے کھلے ہوئے ہیں۔ بہت ہی جوش آجاتا تھا تو بے سرو سامانی کی حالت میں مدرسوں میں جاکر آپ زرکف دست اور صوب صوفیا پر جا لگتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم میں بھی اب وہ زور نہ رہا تھا۔ یا تو سرا ملیٹا میٹا دیتے تھے یا مذہبی نکتہ آفرینی پر لگا کر ذرا بلاغت کی صورت کر دیتے تھے۔ وہ منبر کی زینت زین جاتے تھے لیکن قوم کی ذہنیت کو ابھارنے کی جگہ خود ساختہ جھگڑوں میں الجھا کر دین دنیا دونوں سے بے خبر کر دیتے تھے۔ کنگال قوم ان کی

نباہی ہوئی رسموں اور ان کے تجربے لفظوں میں اور کنگال ہوتی رہی ۔

غدر کے بعد جو امن آیا ہندو اُس میں اجتماعی زندگی پیدا کرتا رہا اور مسلمان لوگ شادی بیاہ کے نہایت معمولی سے کام کو فلسفہ بناتے رہے ۔ جوان دوسرے نکاح کی فکر میں تھے تو بوڑھے پنچایتیں جمع کرنے اور نسبت منگنی کے جھمیلوں کو طے کرنے کے لئے پگڑیاں باندھ کر بیٹھے اور داڑھی پر ہاتھ پھیر پھیر کر پندرہ منٹ کی بات کو مہینوں میں نمٹانے لگے ۔ پھر ان فیصلوں کو یہ سمجھتے تھے کہ زندگی کے عروج کو چار چاند لگا رہے ہیں ۔ کوئی معمولی سی رسم بھی رنڈی اور ڈفالیوں کے بغیر پوری نہ ہوتی تھی ۔ اوپر سے ہیں نہیں کرتے رہتے تھے اور جب ان کے ہاتھوں سے بگاڑے ہوئے نوجوان اوپری اوپر کوئی چال چلے آتے تھے تو دل میں خوش ہوتے تھے کہ چلو اور کچھ نہیں تو ذرا نام ہی سنیں گے ۔ بالوں مونچھوں میں کنگھا کر کے چپت انگرکھے پہن، دوشالے کے بانکے بیچ محفل میں ہی آ دھمکتے تھے یا پھر لاحول ولا پڑھ کر کہیں کونے گوشے میں بیٹھ کر کان لگا دیتے تھے ۔ انگریز بھی ان تمام باتوں اور مشغلوں کو سمجھ چکا تھا بھانپ چکا تھا اور ان کو پالنے کے لئے آتے ہی اسکیمیں بنائی تھیں ۔ اس وقت تک پھر بھی ملک میں سچائی مروت اخلاق خلوص نیک نیتی موجود تھی ۔ لوگ عیب کو عیب ہی سمجھتے تھے ۔ دوستی کی بڑی قدر و قیمت تھی ۔ رشتے داری میں صلۂ رحم اپنایت کا خیال ہمدردی اور باہمی مدد کا چرچا تھا ۔ ایک پر مصیبت آتی تھی تو سب تڑپ اٹھتے تھے ۔ دور کے رشتے ناتوں پر بھی جان قربان تھی ۔ تعلقات منقطع ہو جانے پر بھی نسلوں تک تازہ رہتے تھے ۔ پاس پڑوس کے حقوق کا لحاظ تھا ۔ آنے والے حاکم نے یہ رکاوٹیں ہٹا دیں ۔ رفتہ رفتہ نئی روشنی نے یہ تعلیمات اس بنا پر ختم کر دیے کہ یہ باتیں خیالی زندگی کی یادگار ہیں ۔ ترقی و تہذیب میں نیکوکاری اور مروت و خلوص نہیں رہا کرتے ۔ کاروباری زندگی میں مروت و صداقت بیجا رکاوٹ ہیں ۔ معاملات کے سنبھالنے اور حکومت کے چلانے میں رو رعایت پاسداری اور صلۂ رحم کام نہیں دیتے یہ رسمیں وہیں چل سکتی ہیں جہاں زندگی کی کشمکش نہ ہو ۔ حاکم محض خاندانی بزرگی کی بنا پر

نمائی کرتے ہوں اور عوام صبر و قناعت کے بے معنی لفظ پر زندگی کے جمود میں گرفتار ہوں ۔ آنیوالی قوم کی روش دیکھی ان کی ہی لائی ہوئی تعلیم حاصل کی تو ملک کا رنگ بہت جلد بدل گیا۔ چال بازی مکاری جعلسازی بے مروتی بد لحاظی اور گدّے بازی پر زندگی کا مدار ٹھہر گیا ۔ رشتہ داروں میں اپنا پن رہی نہ دوستوں میں رفاقت ۔ اوروں کے ساتھ مسلمان بھی ان خوبیوں سے بیگانہ ہو گئے جن کے دین کی بنیاد ہی اخلاق اور مروّت پر ہے ۔ جنہوں نے دنیا کو خلوص اور لحاظ سے چلا کر لوگوں میں رفاقت اور سچائی کی عادت ڈالی تھی ۔ اس زمانے تک ہندو مسلمان کو دوست رکھتا تھا مسلمان ہندو دوستوں پر جان قربان کرتا تھا ۔ قربانی اور محرّم کے جھگڑوں کے باوجود اکٹھے بیٹھتے تھے اکٹھے رہتے تھے رفاقت تھی دوستی تھی ۔ وہ ان کے یہاں بیاہ شادی میں شریک ہوتے تھے وہ ان کی رسم رسوم میں دلجوئی کرتے تھے بلکہ ہولی اور دیوالی بھی منا لیتے تھے ۔ وقت پر ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے ۔ اخلاقی تبدیلی کے بعد تک یہ باتیں قائم رہیں ۔ یہانتک کہ انگریز کا چالا پورا ہو گیا اور خلوص کی جگہ باہمی نفرتوں نے لے لی ۔

مسلمان ایسے حالات میں بھی ذلیل نہیں ہوئے یہاں کی اور قوموں کی طرح گھٹنے نہیں ٹیکے بلکہ ہر صوبے میں عزت سے وقت کاٹتے تھے گر اوٹ میں بھی ممتاز تھے ۔ قومی خصوصیات فنا نہ ہوئی تھیں ۔ سپاہیانہ خدمات نہ مٹے تھے زندگی مفقود نہ ہوئی تھی ۔ دکھ یہ ہو گیا کہ مذہبی تفرقہ انگریزی تو تھی ہی کچھ احساس پیدا ہوا تو بدبختی سے سیاسی جتھہ بندیاں بڑھنے لگیں ۔ خلفشار عام تھا اس لئے طے نہ کر سکے کہ کونسی راہ بہتر ہے ۔ کسی نے کہا دین کے سوا سارے خیالات بیکار ہیں ۔ کسی نے کہا موجودہ تعلیم ہر درد کا چارہ ہے ۔ کسی نے کہا ہندوؤں کے ساتھ مل جاؤ ۔ کسی نے کہا الگ حقوق مانگو ۔ کسی نے کہا اللہ ھو کی ضربیں لگاؤ ۔ اس بے چینی میں کیا دھرا ہے ۔ کسی نے کہا زور سے کام لینے کا خاکساری کے ساتھ سپاہی بنو ۔ کسی نے کہا خدا کی خدمت کر کے ملک کو آزاد کراؤ حقوق آپ مل جائیں گے ۔ کسی نے کہا حریت

کا جھنڈا سے کر کانگریس کی دستگیری کرو - بعض کہتے رہے کہ منبر کی نکتہ آفرینی سنو اور غور کرو کہ آیتوں کی تفسیر کہاں پہنچ رہی ہے - ان ایمان افروزیوں پر مسلمان جھک جائیں گے تو زندگی اور ترقی آپ دوڑ کر قدموں پر آگرے گی۔ اور اصرف بزرگوں پر ایمان لاتے ہیں ہے - کسی نے کہا مولویوں کا فیصلہ اٹل ہے کانگریس میں مل جانا چاہیئے - ایک نے کہا ہم ٹھیک کہتے ہیں دوسرے نے کہا تجویز تو ہماری ہی ٹھیک ہے - کسی نے کہا دوڑ دو دشمن تعاقب میں ہے - کسی نے کہا ہم سب کچھ کریں گے ہمارے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے - غرض ایک ہنگامہ برپا رہا - ہندو سمٹتے رہے ہم بکھرتے رہے - سب کچھ کیا گیا اور جو چیز حاصل ہونی چاہیئے تھی وہ نہیں ہوئی یعنی اتفاق اور ہم آہنگی - ایک آواز ایک دعوئ ایک درخواست ایک مطالبہ -

جس زمانے میں مولانا محمد علی اور مولانا آزاد وغیرہ نے دوڑ دھوپ شروع کی تھی تو اتنا اختلاف نہ تھا اتنے میں اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی - اور حضرت بہاء اللہ جل جلالہ کی صلح عمومی کا گٹکا قوموں کے حلق میں اٹک کر دنیا کے سر پر ایسی بلا لے آیا کہ زمین کی رگیں کھو کھلی ہوگئیں - انگریز کی خودی نے جھٹکا کھایا اور اس گھنٹہ کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں جو بری و بحری طاقت اور ساری دنیا کی حکومت پر اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہ سمجھتا تھا - انہوں نے دارو گیر میں تمام سامان ہندوستان سے مہیا کئے - سترہ روپلے کے آدمی کی یہاں کیا کمی تھی - روزی رزق کا دروازہ کھلا اور لاکھوں دوڑ پڑے - فرانس کے گورے میدان کانوں سے پٹ گئے - عربوں کو آزادی کا لالچ دے کر پہلے ہی ترکوں سے اکھاڑ چکے تھے - بدقسمتی سے ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا اور جنگ کے شعلے ان کے علاقوں سے اٹھ کر عرب عراق اور فلسطین میں پہنچ گئے - ہندوستان اور انگلینڈ کی فوجوں نے بہادر ترکوں کو ان کی بے نظمی اور سامان کی کمی کی وجہ سے مشرقی علاقوں سے پیچھے دھکیل جرمنی کو شکست ہوئی تو ترک بھی کہیں کے نہ رہے - بنیادیں متزلزل ہوگئیں - قسطنطنیہ

پر انہیں لوگوں نے انگریز کا قبضہ کرا دیا جو ہندوستان میں بیٹھ کر ان کی ہمدردی میں انگریزوں سے جھگڑ رہے تھے۔ ادھر مدتوں کی آرزوؤں کے بعد یروشلم پر ان کا قبضہ ہوا۔ ترکوں کی وسیع سلطنت کا آخر کار اس طرح خاتمہ ہوگیا۔ اگر غازی مصطفےٰ کمال نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ بھی نہ رہتا۔ خود ہندوستان کی غلامی نے اسلامی علاقوں پر انگریز کا تسلط جما دیا اور خوش ہوئے کہ کھانے کو خوب بلا پیسے بہت مل گئے دنیا کی سیر کر آئے صاحب بہادر سے گفتگو بھی خوب کھل کر ہوئی۔

اس نازک وقت میں انگریز نے کام نکالنے کے لئے یہاں سیاسی شاطروں سے بہت کچھ وعدے کر لئے تھے۔ جب جرمنوں کے خطرناک ارادوں سے جان چھڑا کر بیٹھے تو یہ لوگ اس کی گدھی پر سوار ہوگئے کہ صاحب! جن حقوق کا وعدہ کیا تھا دلواؤ۔ ہم نے تم پر احسان کیا ہے تباہی سے بچایا ہے۔ انگریز شاطروں کا شاطر ان شاگردوں کی درخواستوں کی کیا پرواہ کرتا تھا۔ کچھ چھیچھڑے سامنے ڈال کر بہلانا چاہا اور فوراً رولٹ ایکٹ نکال کر کھوپڑی پر دے مارا اور کہا کہ خبردار! شور نہ کرو۔ اہنسا پیدا کرتے جاؤ اور رفتہ رفتہ لیتے جاؤ۔ یہ اشک شوئی بہت ہے پھر دس سال کے بعد لینا۔ دنیا جنگ کے انقلاب سے پلٹا کھا چکی تھی۔ تیز نظر یہیں بیٹھ کر اور باہر جانے والے باہر جا کر دیکھ چکے تھے کہ اب شخصی اقتدار فنا ہو رہے ہیں۔ قومیں آزادی کی طرف جھک رہی ہیں۔ اغیار کے قبضے آنکھوں میں کھٹکنے لگے ہیں سب کو آزادی کا حق ملنے والا ہے اجنبی حکومتیں اب قائم نہیں رہ سکتیں۔ جس انگریز کو ہم دیوتا سمجھے بیٹھے ہیں اس کی ناک دم ہلائی جا سکتی ہے۔ کھلے بندھوں مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ انہی دنوں مہاتما گاندھی بھی افریقہ میں انگریز سے سیاسی کنگلے بازی کر کے ہندوستان آ چکے تھے اور وطن میں آزادی کا پرچار کر رہے تھے۔ ہر طرف سیاسی احساس کی لہر دوڑ رہی تھی۔ ہندوستان کروٹ بدلنے کے لئے تیار تھا۔

اس وقت تک اس پر سب کا اعتقاد تھا کہ ملک کی آزادی بغیر ہندو مسلم اتحاد کے نہیں

ہو سکتی - دونو قوموں کو سیاسی ہم آہنگی کی ضرورت تھی اور اس کے لئے کوشش بھی ہو رہی تھیں۔ اپنی اپنی ڈفلی بجانے کے بعد بھی گت نہیں آ کر سکتی تھی کہ ایک ہو جاؤ - اور ملک کو اجنبی طاقت سے چھڑاؤ - لیڈروں کی کوشش کے ساتھ شعرائے زمانہ شناس بھی اس الاپ میں بہت کچھ کہتے رہے تھے - مولانا حالی نے بھی کہا اور اکبر مرحوم بھی مسلمانوں کی حالت پر چھپائی کرتے دونو قوموں کی یکجہتی پر زور دیتے رہے - وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی شخصیت کو مذہب کے اصول پر قائم رکھیں لیکن یہ مشورے بھی دیتے تھے کہ :-

کہتا ہوں میں ہندو و مسلمان سے یہی اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

ان کا اعتقاد تھا کہ چاہے کتنے ہی مناقشے ہوں اور کیسی ہی تفریقیں درمیان میں آ جائیں ہندو اور مسلمان ایک ملک کے ہیں الگ الگ نہیں ہو سکتے :-

چیلیاں اک دوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں ناگہاں غصہ آ جاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

لیکن جب بھانپ لیا کہ ہندو سات سو سال کے تعلقات کو پس پشت ڈال کر الزام پر الزام لگا کر بدلے لینا چاہتا ہے اور اپنی دنیا الگ بنانے پر تلا ہوا ہے - در پئے تخریب ہے - بازار میں گھورتا ہے اور دفتر میں سازشیں کرتا ہے حالات کو مضبوط اور موافق بنا رہا ہے تو مسلمانوں کو چونکانے کے لئے پیش گوئی کی :-

حکم برٹش کا ملک ہندو کا اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

علامہ اقبال بھی آغاز میں اسی خیال پر تھے کہ ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے - وطن پرستی کے تصور میں نیا شوالہ بناتے رہے جس ہر ملک کی تعمیر سے بلند دیکھنا چاہتے تھے۔

یہ خیال تھا کہ جب ہندوستان تمام امتیازات اٹھا کر متحدہ قوت کے ساتھ آزادی لے کر اپنی عظمت کے کلس اور گنبد بلند کرے گا تو اس کی عظمت و شان کے سامنے دنیا کی بلندیاں جھک جائیں گی۔ ہندو مسلم اس کے دست و بازو ہوں گے اور سب مل کر خلوص اور مروت کے ساتھ دیواریں اٹھاتے ہیں چونا گچ ملائیں گے۔ مدت تک اوروں کی طرح مرحوم بھی مسلمانوں کی حیات نو کے ساعی رہتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے قائل رہے۔ لیکن ہندوؤں کی کھٹ پٹ اختلاف، چپقلش، ورزش نفرت و عداوت دیکھ کر بیزار ہو گئے اور دونو سرے مسلمان کو بنانے چلانے پر لگ گئے۔ یہ بزرگ عیاں دیکھ چکے تھے کہ ہندو اب مسلمانوں کی ہستی سے منکر ہوتا جا رہا ہے اور سامانِ حیات پیدا کر کے اپنی ڈفلی الگ بجانا چاہتا ہے لیکن عام طور پر کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ وہ کسی شرط پر راضی نہ ہوگا اور دو قوموں کا نظریہ بید اکر کے معاملہ تقسیم تک پہنچا دے گا۔ وہ تو سارا زور اس بات پر دیتا چاہتا تھا کہ اقلیت پر حاوی رہے اور اس کو حسب منشا چلا سکے۔ لیکن اکبر مرحوم نے نہ معلوم کس آنکھ سے حالات کا مطالعہ کر کے آج سے چالیس سال پہلے ہندوؤں کے ارادوں کو بھانپ کر اس آخری شعر سے مسلمانوں کو مآل دکھا دیا تھا۔

غرض ابھی حقوق طلبی اور آزادی کے مطالبے پر جھگڑا ہو ہی رہا تھا کہ مہاتما گاندھی مسلمانوں کے لئے خلافت تحریک کی تسلی مٹھی میں دبا کر میدانِ عمل میں کود پڑے۔ یہ اس وقت ایسا مسئلہ تھا کہ مسلمان ملک کی آزادی کا تصور باندھ کر اور خلافت کے احیاء پر اچھل کر بلا پس و پیش کانگرس کی عدم تعاون کی تحریک میں نہایت شد و مد اور انتہائی جوش کے ساتھ شریک ہو گئے اور اس کی بے روح تجویزوں میں قربانی ایثار اور خلوص سے ایسی جان ڈالی کہ کانگرس کا بے گوشت پوست ڈھانچ چوکڑیاں بھرنے لگا۔ علی برادران مولانا آزاد کی دوڑ دھوپ اور ان کی آتشی تقریروں نے مسلمانوں کو ایسا گرم کیا کہ انہوں نے ہندوستان کے جیل خانے بھر دئیے۔ جبکہ لالگان قید و بند کی سختیوں سے کانپ رہے تھے۔ ان کو جوش دلاتے تھے اور خود مہالج! کر کے دھوتی سنبھالتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے تھے اور جلسوں سے لوٹ کر یا تو اتقد ہوں

کی تیاری میں لگ جاتے تھے یا دوکان پر پہنچ کر بھی کھانا لٹنے لگتے تھے ۔ مسلمانوں کا ایثار اور خلوص
بیڑیاں پہن کر اچھلتا کودتا نعرے لگاتا جیل خانے پہنچ جاتا تھا اور ہندو محض داد دیتا ہوا سود در
سود میں الجھ کر ایک طرف کو کھسک جاتا تھا ۔ وہ وقت اور جوش جنہوں نے دیکھا ہے اسے
اب بھی دہرا لیتے ہیں ۔ اس سے فائدہ اٹھا لیا جاتا تو آزادی کی بہت سی منزلیں اسی وقت
طے ہو جاتیں ۔ مہاتما چورا چوری کے معمولی تشدد سے بددل ہو کر بیٹھ رہے اور تحریک فوراً
سرد ہو کر بیٹھ رہی ۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ سنہ ۴۷ء میں دنیا کا بے مثال تشدد دیکھیں گے ۔

اس طرح آپ ہی آپ بیٹھ جانے سے گورنمنٹ نے بھی بے فکری کا سانس لیا ۔ مہاتما گاندھی
جواہر لعل نہرو مولانا محمد علی مولانا ابوالکلام آزاد اور تمام باقی لیڈروں پر مقدمے چلائے
گئے اور سب کو جیل خانے پہنچا دیا گیا ۔ اس تحریک کے بعد ملک میں بالکل جمود طاری ہو گیا ۔ بدترین
بات یہ ہوئی کہ اس جمود میں زہریلے فرقہ پرست لوگ آپس کی ایک آدھ آویزش پر انگڑائیاں
لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی معاندانہ کوششوں سے ساکن فضا کو مسموم کرنے لگے ۔
مشرقی یو ۔ پی اور بہار میں آگ بھڑکائی ۔ محرم اور بقرعید کے جھگڑے رکھ رکھ کر فساد
اٹھانے لگے ۔ اس ہندو مسلم اتحاد کی جڑیں کھوکھلی کر دیں جو مذکورہ تحریک میں مسلم لیڈروں کی
کوشش سے قائم ہو چکا تھا ۔ ایسا اتحاد جس کی نظیر نہ پہلے دیکھی گئی تھی نہ بعد میں نظر آئی ۔ اس
سے چھوت چھات کی نفرت انگیز خصلت ہلکی پڑ گئی تھی ۔ دونوں قومیں ایک تھالی میں کھا
چکی تھیں ایک گلاس سے پانی پی چکی تھیں ۔ آثار ایسے ہو گئے تھے کہ مزید کوشش ہوتی تو اس
اتحاد کے رگ و ریشے اور مضبوط ہو جاتے ۔ نہ معلوم ہندو کو کیا سوجھی کہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا
اور جیسا یہ دیکھا کہ مسلمان اپنی خودی سے باز نہیں آتا ۔ سات سو سالہ فوقیت کو نہیں بھولتا ۔
اتحاد سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہیے ۔ اب ہم ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہیں
سہارنپور کا بدلہ لینا ضروری ہے ۔ یہ نہ سوچا کہ اتحاد مشکل چیز ہے مشکل سے آیا ہے ۔
یہ واقعات تو ایک جگہ رہنے کے سبب قریبی عزیزوں میں بھی ہو جاتے ہیں ۔ ان کا انسداد

اور صورت سے بھی ہوسکتا ہے۔ حالانکہ بہار وغیرہ کے واقعات نے سہارنپور میں جنم لیا تھا۔ واقعہ رونما ہوگیا تھا یہ کوئی اتنی اہم بات نہ تھی کہ اتنی تلخی گھولی جاتی۔

ان حادثات کے بعد نتیجے کے طور پر شدھی کی تحریک شروع ہوگئی۔ ہندوؤں نے کھلم کھلا میدان میں آکر مسلمانوں کو کچلنے کی ٹھان لی اور ان گذشتہ قربانیوں کی اس طرح داد دینے لگے۔ ہر طرف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی مسلمانوں پر یورشیں کرنے لگے۔ دقت یہ ہوئی کہ ۱۹۲۲ء کے بعد مسلمانوں میں مزید خلفشار شروع ہوگیا۔ مذہبی اور سیاسی جماعتیں بڑھنے لگیں۔ شدھی کو دیکھ کر خاکسار تحریک چلی جو دیکھتے دیکھتے کامیابی کی صورت اختیار کرگئی لیکن پھر ایک ہی ضرب میں ٹھنڈی ہوگئی۔ مولانا غلام بھیک نیرنگ نے شدھی کے خلاف محاذ بنایا اور کامیاب کوشش کی۔ احرار نے کشمیر میں قدم جماکر سرخروئی حاصل کی۔ غرض مسلمانوں کے مختلف حلقے اپنی اپنی فکر کے مطابق چارہ و علاج ڈھونڈتے رہے لیکن مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی سبیل نہ نکلی۔ کسی کی کوشش سے ایک پلیٹ فارم پر نہ آسکے۔ مولانا محمد علی مرحوم بھی ہندوؤں کی چیرہ دستی سے بیزار ہوکر مہاتما کی جیب سے باہر نکل آئے اور علیحدہ ہوکر غور و فکر کرنے لگے۔ تاہم ان کے درد مند دل میں ہندوستان کی آزادی کی جو تپش پیدا ہوگئی تھی وہ برابر سلگتی رہی ہندوؤں کی بدسلوکی کا کوئی ایسا اثر نہیں پڑا۔ ادھر سے ہٹ کر مسلمانوں کو جمع کرنے کی فکر کی لیکن اب وہ پہلی سی بات کہاں تھی جو اکٹھے ہوجاتے۔ یہ سعادت تو کسی اور ہی ہستی کے حصے میں آچکی تھی جو بعد میں ہندو کے رویے نے مستحکم کرکے سہل تر کردی۔ مرحوم اسی فکر میں تھے کہ کونسا راستہ اختیار کریں کہ اتنے میں گول میز کانفرنسیں شروع ہوگئیں وہ لندن چلے گئے اور حسب ارادہ پھر غلام ملک میں واپس نہ آئے۔ خلاف قیاس بیت المقدس کی خاک میں روپوش ہوکر ہندوستان کے مسلمانوں کو کچھ اور دن تڑپنے کے لئے چھوڑ گئے۔ یہ خلا کافی عرصے تک نہ بھرا۔ ہندو پنڈت مدن موہن مالوی اور ڈاکٹر مونجے کی سرکردگی میں مخالفت و معاندت کا مجسمہ بن گئے۔ کوئی شہر فتنہ فساد سے خالی نہ چھوڑا بلکہ ایک ایک

ہیں دو دو مرتبہ جھگڑے گئے۔ مسلمان سیاسی امن سمجھوتے کی کوشش کرتے رہے لیکن اب ہندو قوم کی ذہنیت عرش پر پہنچ چکی تھی کوئی بات طے نہ ہوئی۔

خلافت تحریک کے بعد ہندو زیادہ تر فرقہ پرستی پر جھک گئے۔ یہاں تک کہ خود مہاتما گاندھی مسلمانوں اور دیگر جماعتوں سے بے نیازی ظاہر کرکے ۱۹۲۹ء میں تحریک چلانے کے لئے چل پڑے۔ مسلمان ہندوؤں کے سلوک سے دل برداشتہ ہوکر اب کانگریس کو ہندوؤں کی چیز سمجھنے لگے تھے۔ پھر بھی کئی طبقے سراسر کانگریس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اس تحریک میں بھی دوش بدوش قربانیاں دیں۔ گورنمنٹ فرصت میں بیٹھی تھی تحریک کو سختی سے دبا دیا اور لیڈر پھر جیلوں میں بٹھا دیے۔ مسلمان کو اس وقت مجموعی طور پر کسی دار وگیر میں نہ تھے لیکن حسب عادت کوئی اندرونی بیرونی فکر بھی نہ کی۔ اتنا بھی نہ کر سکے کہ اندرونی تنظیم ہی درست کر لیتے اپنی فرصت کو ذہنی اخلاقی قومی یا سیاسی یکجہتی ہی میں خرچ کرتے۔ خود اعتمادی اور جبلی بے پروائی سے نہ یکجہتی پیدا کی نہ اختلافات دبائے نہ انفرادی حالت کو ہی سنبھالا تاہم جس میدان میں بھی تھے ہر جگہ ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا جواب دیتے رہے۔ اس خیال کو غلط ثابت کرتے رہے کہ وہ بغیر مسلمانوں کے آزادی لے کر من مانی کر سکتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد ان تمام دل شکن مایوس کن حالات میں بھی کانگریس کے ساتھ تھے لیکن بیزار ہو جانے والے مسلمان اب بدگمان ہوکر ان کی کانگریس نوازی کی رائے سے بھی بیزار ہو گئے اور ان کی قیادت کو ترک کر دیا۔ تیرہ چودہ سال تک کوئی لیڈر ایسا بر روئے کار نہ آیا جس پر سب متفق ہو جاتے۔ حال بے سردار کی فوج کا سا رہا ہر دوڑنے والے کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اندازہ نہ لگا سکے کہ کس کو چنیں کہ اتنے میں قائد اعظم نے ہندوؤں سے بازی ہار کر بکھرے ہوئے شیرازے کو جوڑنے کی ٹھان لی۔ اس دفعہ وہ ہندو کی بدلی ہوئی نیت اور کانگریس کے رویے سے بیزار ہو کر قوم کی فلاح کا خیال لے کر میدان عمل میں آئے تھے۔

ساری عمر کانگرس کے دست بازو رہے تھے ان سے زیادہ ہندو کے ارادوں سے کون واقف تھا - ہزار افسوس ہے کہ قوم کا تشتت ایسے درجے پر نہ تھا کہ آسانی سے جوڑ لیا جاتا - ایک بڑی اور با اثر جماعت کانگرس پر فریفتہ تھی دوسری جماعتوں نے الگ ڈھول پیٹ رکھے تھے ہر طرف مخالفت کے جھگڑے تھے - تاہم ان کے عزم راسخ کے سامنے کسی کی پیش نہ گئی - انہوں نے لیگ کے بے جان ڈھانچ کو اپنی دماغی فوقیت سے اٹھا کر کھڑا کر لیا - طعن تشنیع سے ملامتیں جھیلیں لیکن جس بات میں قوم کی بہتری دیکھ چکے تھے اس سے قدم پیچھے نہ ہٹایا - آخر کار سارے مسلمان مخلص رہنما کی طرف کھنچنے لگے اور مخالفت کے جھکڑ بادِ موافق میں بدل گئے -

۱۹۳۴ء کے بعد ہندوؤں کی زیادتیوں سے اکھڑے ہوئے دل ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے انگریز بھی زمانے کا رخ دیکھ کر کچھ دینے دلانے پر تیار ہوا لیکن شرط بہرصورت یہی اٹکا رہا کہ دونوں قومیں متفقہ طور پر مطالبہ پیش کریں - کانفرنسیں ہوئیں - پہلے لندن بلایا گیا - وہاں معاملہ طے نہ ہوا تو ہندوستان میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا - مسلمان کو ہندو سے کوئی اُمید نہ رہی تھی - مستقبل اُن کے ارادوں نے پھیکا کر دیا تھا - مسلمان اس بات پر جم گئے کہ ایسی صورت میں حقوق الگ لے لینے چاہئیں - قانون کی اڑنگے بازی اور سیاسی چالوں کے سمجھنے کے واسطے اب وہ جس شخص کی سرپرستی میں تھے اس کی قانونی ذاتی قابلیت اور ذکاوت پر پورا بھروسہ تھا - سیاہ و سفید اس کے حوالے کر کے آخری سانس تک اس کا ساتھ دینے پر تُل بیٹھے - اب دو قوموں کے نظریے پر نگاہیں پہنچنے لگیں - تقسیم کی گھومتی پھرتی بات جو علامہ اقبال نے اپنی تیز نظری سے پختہ کر دی تھی دماغوں سے اُتر کر زبانوں پر آنے لگی - یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء کی اصلاحات کے بعد باہمی منافرتیں اور تیز ہو گئیں - ہندو اور کانگرس اب مسلمانوں کا کوئی حق ماننے کے لئے تیار نہ تھی - لیکن انگریز ان مخالفتوں سے اب بھی فائدہ اٹھا رہا تھا - جب مطالبے سامنے رکھے جاتے تھے تو باہمی ان سمجھوتے کا عذر پیش کر دیتا تھا - قائد اعظم سخت محنت و جانکاہی کے ساتھ قوم کے مقدمے کی پیروی کر رہے تھے کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے تھے - نہ

ہندوؤں کی ہائے ہائے سے دبے نہ قوم کے روڑوں کی پرواکی - خود مسلمان قربانی اور ایثار کا مجسمہ ہے صحیح رہنما مل جائے تو موت کو ہیچ سمجھ لیتا ہے ہر چیز قوم و مذہب پر نثار کر دیتا ہے - اسی لئے سوائے چند کے ہر ایک دل و جان سے ان کے ساتھ تھا - یہ تصادم اور اُکتا نکت جاری تھی کہ اتنے میں حضرت بہاء اللہ جل جلالہ کی خیر و برکت سے ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی اور امن عالم مع اپنی تمام ارزانیوں اور سہولتوں کے ساتھ بھسم ہو کر رہ گیا۔ اس مرتبہ جرمن قوم نے ہٹلر کی قیادت میں بلا کی طاقت مہیا کر لی تھی - اور اس کے بل بوتے پر آپے سے باہر تھے - ایک ایک کی چھاتی پر شجار کی طرح چڑھے جاتے تھے - حسب عادت تمام دنیا کو چیلنج دیتے ہوئے جنگ کی آگ میں کود پڑے - ساکن دنیا میں کہرام مچ گیا - انگریز بے سرو سامان تھا بری طرح سٹ پٹایا - اس طاقت کا مقابلہ مشکل ہو گیا جو اس سے پہلے دنیا میں سخت ٹکر ہوئی اور انگریز نے بری طرح زک اٹھائی - بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گیا - ہندوستان جو امن میں سیاست کا اکھاڑا بنا ہوا تھا اس میں کانگرس نے اعلانِ عام کر کے عدم تعاون کا حربہ استعمال کرتے ہوئے تنبیہ کر دی کہ کسی قسم کی مدد نہ دی جائے - تاہم بے روزگاری کی مصیبت موجود تھی - ایم - اے - بی - اے تک ٹکراتے پھر رہے تھے - پیٹ بھرنے کا بھی وسیلہ نہ تھا - جنگ ان کے لئے مژدۂ حیات لے کر آئی - عوام جو کانگرس اور لیگ میں الجھے ہوئے تھے بندشیں توڑ توڑ کر راشن کی لذت اور نگنی تنخواہ کی چمک پر ٹوٹ کر گرے - گاڑیوں پر گاڑیاں اور جہازوں پر جہاز چل پڑے - جانے والے جوان گاڑی کی کھڑکیوں سے سر نکال نکال کر اپنے اپنے قومی نعرے لگاتے تھے - ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اپنی قوم کے لئے کوئی نیا ملک فتح کرنے جا رہے ہیں - جانوروں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اغیار کی آگ کا ایندھن بننے چلے ہیں - شروع میں مسلمانوں نے میدان جنگ

پاٹ دیا - پھر ہندوؤں نے دیکھا کہ کہیں حریف بازی نہ لے جائے اور آئندہ کوئی فائدہ نہ اٹھائے اس خیال کے آتے ہی کانگریس کے فرمان پھینک پھینک کر دوڑ پڑے اور ہر محکمہ سنبھال لیا۔ وہ سپاہی بن کر جاتے تھے تو وہ افسر بن کر پہنچنے لگے اس لئے کہ تعلیم تھی وسائل تھے -

ہندوستان انگریز کا مشکلکشا رہا ہے - اس بہترین شکار کو دبانے کے لئے اس نے ساحلی اسلامی ممالک کو غلام بنایا - مسلمانوں کو ہر جگہ کمزور کر دیا - وہ اس مایوسی کے زمانے میں بھی کام آیا آدمی اور سامان جنگ سب کچھ مہیا کر دیا - ۱۹۴۲ء میں کانگریس نے انگریز کو الجھا ہوا دیکھکر ہنگامے اٹھائے - بہار اور یو - پی میں مظاہرے کئے اور تشدد برتا - لیکن انگریز کے استقلال اور تحمل نے اس شورشرابے کو بھی تشدد تدبیر و عدے وعہد سے دبا دیا - جنگ کے کاروبار میں مطلق فرق نہ آنے دیا - لیڈر اطمینان سے جیلخانوں میں پہنچا دئے گئے - اتنے میں ہٹلر نے روس کو چھیڑ کر گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال لیا - انگریزوں نے اس الجھاؤ کو رحمت سمجھ کر پر جا پھیلا کر حسب دستور امریکہ کو ساتھ ملا لیا - اب جرمنی پر ہر طرف سے یورشیں ہوئیں تاریخ نے پچھلے ورق دہرا کر اس تند مزاج قوم کو پھر ایک بار بے وسیلگی پر جا لٹکایا - ہٹتے ہٹتے اس دفعہ برلن پہ آ جمے اور آخر کار دنیا کی یہ بہترین قوم اپنی طبیعت و خصلت اور ہٹلر کی بے تدبیری کی وجہ سے تباہی کے کنارے پہنچ گئی - اس طرح مٹی کہ ملک میں گدھوں کے ہل چل گئے - فرائڈ نشٹے اور آئن سٹائن کا ملک روس کے ہاتھوں خاک برابر ہو کر رہ گیا - نہ سائنس رہی نہ بے مثل کارخانے رہے - نہ صنعت و حرفت رہی نہ وہ بے نظیر دماغ رہے جن سے ملک نے فروغ پایا تھا -

انگریز پھر اکیبار جیتا لیکن حالت ہارے ہوؤں سے بھی بدتر ہو گئی طاقت ٹوٹ گئی - اس دوران میں ہندوستان بھی اور رنگ بدل چکا تھا - جنگ سے نمٹتے ہی اس نے آزادی کا مطالبہ پیش کر دیا - اُس طرف انگلینڈ میں حالات کی نزاکت کو بھانپ جانے والی جماعت برروئے کار

آگئی اور اب پھر نئے سرے سے آزادی کی گفتگو ہونے لگی ۔ اکثریت کے ساتھ ساتھ ہر پارٹی اپنے اپنے مطالبات لے کر دوڑی ۔ قائداعظم آنجہانی نے تقسیم کا سوال پیش کر دیا ۔ کانفرنسیں ہوئیں ۔ وہ ہندو جو معمولی مطالبات کو ٹھکراتا رہا تھا اتنی بڑی بات کہاں مان سکتا تھا ۔ وہ تو جداگانہ انتخاب کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا ۔ اس کے ساتھ انگریز نے بھی ہاتھ پاؤں پھیلا دئیے کہ ہم نے دو سو سال کی کوشش سے اس ملک کو متحد کیا ہے کسی طرح ٹکڑے نہ ہونے دیں گے ۔ یہ وہی ہندو کی پرانی ہمنوائی اور ہندو نوازی کی بنا پر تھا ورنہ چھوڑنے ہی پر تُل گئے تھے تو انہیں تقسیم و تنظیم سے کیا لینا تھا ۔ بلبل چمن کو چھوڑنے پہ مجبور ہو تو لعید کے لینے اور اجڑنے والوں سے کیا سروکار ہو سکتا ہے الو رہے کہ ہزار رہے ۔ لیکن بات تو ساری یہ تھی کہ ہندو کا ساتھ دینا تھا ۔ آخری سانس تک مسلمان کا بھلا منظور نہ کیا ۔ اور حقیقتاً یہ ہے کہ یہ دونوں اب بھی ایک ہیں ۔ ان کو الگ الگ نہ سمجھنا چاہیئے ۔ مسلمان سے انگریز کو خلوص نہیں ہو سکتا وہ اُس کے لئے اب بھی رکاوٹ ہیں ۔ لالہ کی خوشامد کا عاشق اس خوددار قوم سے کہاں مانوس ہو سکتا ہے ۔

ایسے ایسے مخالفوں اور اتنی رکاوٹوں کے سبب سے مرحلہ بہت سخت تھا لیکن پیکر استقامت .... قائداعظم کے قانون اور پامردی نے آخرکار اس ناممکن بات کو ممکن کر دیا اور آخر میں ہندو لیڈروں نے بار بار جھنجھٹ کر کے اس پیمان پر دستخط کر کے گردن رکھ دی ۔ یہ ایسی بات تھی کہ مایوس مسلمان ہی نہیں دنیا حیران ہو گئی ۔ ہندو منہ دیکھتا رہ گیا ۔ موافق و مخالف سب اس کارگزاری پر داد دینے لگے ۔ دشمن بھی انگشت بدندان رہ گئے ۔

اَلفضلُ ما شہِدت بہ الاعداء

۱۵ - اگست ۱۹۴۷ء کا بیتابی سے انتظار ہونے لگا جس میں اعلان ہونا قرار پایا تھا۔ مسلمان خوش تھے کہ اب انہیں پاؤں ٹکانے کی جگہ مل جائے گی۔ اور اس وطن میں اپنی ہستی کو قائم رکھنے کا سہارا نکل آئے گا۔ اس مسرت میں عادت کے موافق برے وقت کی فکر سے غافل ہو گئے خیال بھی نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ جس طرح پہلے کبھی برے وقت کی تیاری نہ کی تھی اب بھی اس کے تصور سے بیگانہ ہو کر اچھے وقت کی اطمینان سے بیٹھ کر گھڑیاں گننے لگے۔ اس مسرت میں عام جوش تو نہ تھا اس لئے کہ وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے کی ظاہرا کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ البتہ دفتری دنیا میں ہیجان تھا۔ تجویزیں اور خاکے بنے۔ مستقبل میں اس نعمت خداداد کو رکھنے سنبھالنے کی اسکیمیں تیار ہوئیں۔ خیال یہی تھا کہ جو ادھر اُدھر سے جائیں گے کاروبار یا ملازمت کی مدت پوری کر کے پھر اپنے وطن اور گھر بار میں آ بیٹھیں گے۔ اور اصلی ٹھکانوں میں بیٹھ کر پاکستان کے قیام و دوام کے لئے دعائیں کر کے دنیا کو خیر باد کہہ دیں گے۔ جو ادھر رہنا چاہیں گے اُدھر رہیں گے جو اِدھر ٹکنا چاہیں گے اِدھر ٹک جائیں گے۔ بے خبری میں یہی خیالات ہو سکتے تھے۔ کیا معلوم تھا کہ پاکستان کے لئے ابھی بہت زیادہ بلکہ بے مثل قربانیاں دینی ہونگی:-

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

دسواں عکس

نمونۂ محشر

قتل و غارت دیس نکالا محتاجی بے ناموسی
جو کچھ دیکھا اس سے بڑھ کر اور قیامت کیا ہو گی!
(سیفی)

انگریز کی تیز نگاہ نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی بھانپ لیا تھا کہ حالات کیا ہیں۔ موجودہ نظام میں کیا خوبیاں اور کیا نقائص ہیں۔ کس قوم کو دبایا جا سکتا ہے کس کو ابھار سکتے ہیں۔ کون سی اینٹ بیٹھے گی اور کون سی آلۂ کار بن جائے گی۔ نئے اصول پہ کون جھکے گا کون ہماری آمد کو رحمت سمجھے گا کون لبیک کہے گا۔ کون نفرت سے گا اور پیچھے ہٹے گا۔ ڈاکٹر برنیر فرانسیسی نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ شہنشاہ ہند اورنگ زیب دہلی سے کشمیر کو روانہ ہوئے تو میں سواری کے ہمراہ تھا۔ دادو پور کا علاقہ پہاڑ کی تلہٹی میں شاہی شکارگاہ تھا۔ بادشاہ سلامت وہاں شکار کھیلتے ہوئے مع لاؤ لشکر کشمیر کے راستے پر پڑنے والے سرہند سے آگے پڑاؤ کیا۔ خیمے خرگاہ لگائے گئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک شہر میلوں میں بس گیا۔ دکانیں جم گئیں۔ بازار بن گئے۔ امراء اہلکاروں کی سواریوں چوبداروں کی ریل پیل عوام و خواص اور سپاہیوں کی آمد و رفت سے جنگل میں منگل ہو گیا۔ میں باہر نکل کر ایک ٹیلے پر چڑھا تاکہ اس منظر پر پوری نظر ڈال سکوں۔ پہلے شاہی خرگاہ پر نگاہیں پڑیں جس پر خاندان مغلیہ کا زریں جھنڈا لہرا رہا تھا پھر سیدھے سیدھے بازاروں اور کوچوں پر نگاہ پہنچی۔ اس شان و شوکت جاہ و جلال اور عظمت و اقبال کو دیکھ کر مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا پھر تمام دنیا پر خیال دوڑا کر اندازہ لگایا کہ کسی بادشاہ کو یہ طنطنہ و طمطراق حاصل نہیں۔ جو

ہندوستان میں شاہانِ مغلیہ کو حاصل ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ یہ بات اب قائم نہ رہے گی یہ نظام کمزور ہو جائے گا اور یہ دبدبہ ہیبت خواب و خیال ہو کر رہ جائے گی۔ اس لئے کہ یورپ میں جو خیالات جگہ پکڑ رہے ہیں وہ بروئے کار آجائیں گے۔ نظام بدل جائے گا۔

مسلمانوں کا یہ وہ عہد تھا جس میں کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ دلوں کے راستے رگوں میں پیوست شدہ عظمت و اقتدار عنقریب بے جان ہو کر بکھر جائیں گے۔ تدبر کی جگہ بے تدبیری ناعاقبت اندیشی اور دانائی کی جگہ بے دانشی لے لے گی۔ حماقت انگیز سرکشی لے جو ہر نحوِ معاملات میں الجھ کر سیاست و حکومت کو طفلانہ حرکتوں سے تباہ کر دے گی۔ وہ بے شعور ہو جائیں گے جو اتنی وسیع سلطنت کو اس خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔ عیاشی کا زہر جڑیں کھوکھلی کر کے سپاہیانہ جوہر کو صرف شیخی بناوٹ اور نمود پر لگا دے گا۔ ڈاکٹر برنیئر نے یہ پیشگوئی یقیناً حالات و واقعات کو دیکھ کر کی ہوگی۔ یورپ کا انقلاب اور اس کے عزم و ارادے سامنے آ رہے ہوں گے۔ نئے اصول و ضوابط کا پرانے آئین سے مقابلہ کیا ہوگا۔ شہزادوں کو تولا ہوگا کہ کتنی سمجھ اور دانائی کے مالک ہیں۔ امراء و وزراء کے تیور دیکھ کر اندازہ لگایا ہوگا کہ کتنے مآل اندیش ہیں اور آئندہ ان کی روش کیا رہے گی۔ قومی ہمدردی میں اس ڈھانچ کو سنبھالنے کی فکر کریں گے یا ذاتی اغراض کو مقصود بنا کر چودھراہٹ کی آرزو میں اجاڑنے پر لگ جائیں گے۔ حادی ہو کر بادشاہوں کو کٹھ پتلی بنائیں گے یا قوم کے انجام کو سوچیں گے۔ اپنی ڈفلیوں پر راگنی اڑا کر صوبے سنبھالیں گے۔ دیکھا ہوگا کہ عوام کس رنگ میں ہیں محض بادشاہ کے پجاری ہیں یا زندگی کو سنبھال سکتے ہیں۔ تیز نظر ڈاکٹر نے ضرور گہرا مطالعہ کیا تھا۔

افسوس یہ ہے کہ اورنگ زیب نے جو مخالف قوتوں کو پوری دور اندیشی سے نہ دبایا اور اٹھارہ سال گولکنڈے کے محاصرے پر صرف کر دئے اس سے ان کو جڑ پکڑنے کا موقع مل گیا۔ وہی کمزور قوتیں تندرست و توانا ہو کر خطرہ بن گئیں۔ پھر یہ کہ جانشینوں کی بے دماغی اور سوئے تدبیر نے آپس میں گتھم گتھا ہو کر ان کو پروان چڑھنے کا اور موقع دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود اورنگ زیب جیسے دور اندیش سمجھدار اور تیز نظر شہنشاہ نے اس عظیم الشان سلطنت کو منظم و مضبوط حالت میں نہیں چھوڑا تھا۔ بیٹوں کی بے تدبیری اور امراء کی جاہ طلبی نے رہا سہا شیرازہ بکھیر دیا۔ ایسی خاک رنگ حکومت کے ٹکڑے اڑ گئے اور ملک طوائف الملوکی کی نذر

ہوگیا۔ کسی کو اتنی نہ سوجھی کہ لاؤ قطب الدین ایبک کے بیٹے بے تدبیر عیاش آرام شاہ کی جگہ شمس الدین التمش جیسے کو بلا کر دہلی کی حکومت اس کے حوالے کر دیں تاکہ وہ پھر ایک مرتبہ بگڑی ہوئی حالت کو سنبھال لے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو پھر سے جوڑ لے۔ اسپین میں آٹھ سو سالہ حکومت اسی طرح چلتی رہی تھی کہ ایک خاندان کمزور ہو جاتا تھا تو افریقہ سے کسی اور طاقتور خاندان کو بلا لیتے تھے۔ بنی امیہ کے بعد مرابطین موحدین تاشفین وغیرہ اسی طرح پہنچ کر حالت سنبھالتے رہے۔ خاص کر یوسف تاشفین نے تو نہایت نازک حالت میں وہاں پہنچ کر جان ڈال دی تھی۔ یہاں باہر سے نہ بھی بلاتے تو یہیں کے آدمیوں میں سے ایسا انتخاب کر لیتے جو گرتی ہوئی حکومت کو سنبھال لیتا۔ آخر میں بھی اس پر عمل کر لیتے تو گراوٹ رک جاتی اور ہمہ گیر دشمن کے سیلاب کو روک دیا جاتا جو احمد شاہ ابدالی کو روکنا پڑا۔ افسوس یہ ہے کہ وہ نیک نیت انسان بھی حالت کا اندازہ نہ لگا کہ اتنی بڑی کامیابی کے بعد دہلی کا تخت نکموں کے ہاتھ میں چھوڑ کر خود وطن کی محبت میں پھر لوٹ کر کابل کے سنگلاخ میں جا بیٹھا ورنہ حالات سنبھل کر زندگی بڑھا دیتے۔ اتنی جلدی مونڈھ مڑ کر روانہ ہوتا۔ اس لئے کہ دشمنوں کا زور ٹوٹ چکا تھا راہ میں کوئی ایسی طاقت حائل نہ رہی تھی جسے ہٹایا جا سکتا۔ باقی یہ اعتراض کہ بیرونی آدمی کو بلا کر بٹھانا وطن پرستی کے خلاف ہے سراسر غلط ہے۔ خود انگلینڈ میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ اس وقت کوئی حرج نہ تھا۔

یہاں یہ نازک حالات گذر رہے تھے اور انگریز ساحل پر گھات لگائے وقت کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ احمد شاہ ابدالی حافظ رحمت خاں بریلوی شجاع الدولہ لکھنوی اور مرد میدان نجیب الدولہ نجیب آبادی کی کامیابی سے انگریز فائدہ اٹھاتے۔ وہ ساحل سے انگڑائی لے کر اٹھا اور دور اندیش شاطر نے نہایت احتیاط سے مہرے بدلنے شروع کر دیئے۔ اجتماعی رکاوٹ ہٹ چکی تھی۔ احمد شاہ ابدالی کے جانے کے بعد کامیاب ہونا کام سب کے سب ہرنوں کی طرح غفلت میں ڈوبے ہوئے غنچ بیٹھے تھے وہ انہیں داؤ گھات سے ایک ایک کر کے پکڑنے لگا۔ کسی کو فوجی اندھی طاقت سے کسی کو لالچ سے کسی کو لڈے بازی سے کسی کو نرمی سے کسی کو سختی سے جال میں پھنسایا۔ جس کسی عیاشی کے مارے ہوئے فرسودہ مصنوعی سپاہی نے میدان پکڑا تو اس سے باقاعدہ سکھائے سدھائے تلنگے اور گورے ٹکرا دیئے۔ ہندوستان کی ایسی باڑھیں ماریں پچھیتل توپوں کی ایسی بے

آنچ دی کہ پہلے ہی جھٹکے میں منہ پھیر دئے۔ بیچاروں نے پرانے بیکار ہتھیار پھینک کر گھر کی چار دیواری میں آ کر دم لیا۔ جن میں کچھ دم درود اد ہوش و حواس تھے ان کے پیچھے غدار لگا دیئے وہ مسکین اپنی ہی چھری سے ذبح ہو گئے۔ جو کچھ دنوں جئے بدانتظامی اور سوئے تدبیر کے چھوڑے پر رکھ دیئے۔ بھائی کو بھائی سے اور باپ کو بیٹے سے ٹکرا دیا۔ ہر صورت سے اُلو سیدھا کر لیا۔ مسلمانوں کو پھر بھی ہوش نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے اور تدبیر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی آخری تلوار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو گئیں۔ دوسروں کا کیا گلہ اپنی ہی غفلت کا کرنا چاہیئے۔ بعد میں جو گراوٹ شروع ہوئی مسلمان بے پروائی سے اس کی منزلیں طے کرتے گئے۔ بقول مولانا حالی کے حکومت کیا گئی جوہر نکل گئے۔ چولا اتر گیا تو معلوم ہوا کہ ڈھانچ میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں۔ حالت کچھ ایسی تھی کہ وقت کے دانا ترین بھی اُسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور کنوئیں کی من سے باہر نگاہ نہ ڈالتے تھے جس مشغلے میں لگا دیا گیا تھا لگے ہوئے تھے۔ مذہب میں جتنے شوشے نکال دیئے گئے تھے انہیں کی نوک پلک کو سنوار رہے تھے۔ عیاشی کی جتنی راہیں نکل آئی تھیں تباہی کے احساس سے غافل کر دیئے گئے ایسے کافی تھیں۔ زمینداروں کا سہارا ہر قسم کی دوڑ دھوپ سے بے نیاز کر چکا تھا عوام میں افلاس نے بڑھ کر عزت سے روزی کمانے کی تڑپ کھو دی تھی۔ وہ دست سوال دراز کر دیتے میں اپنے آپ کو للسائل والمحروم کا حقدار سمجھ بیٹھے تھے۔ خدا ترسوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ سر سید مرحوم نے گراوٹ کا احساس دلایا لیکن جیسی تبدیلی آنی چاہئے تھی نہ آئی۔ مالی اور اخلاقی حالت اور زندگی کے کاموں سے نفرت بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ وہ علم بھی جو بزرگوں سے میراث میں پائی تھی اس سے محروم ہو بیٹھے۔

انگریزوں نے بھی جائزہ لے کر حالت کا اندازہ لگا لیا اور مطلب کے آدمی چن لئے۔ ہندو اس کا شریک کار بن گیا۔ حاکم کی زبان پڑھی۔ انگریزی اسکول بنائے کالج کھولے اور ان کے علوم و فنون سے واقف ہو کر چوکڑیاں بھرنے لگے پہلے ان پر بھی الحاد اور آزادی نے اثر کیا۔ پھر جلد ہی قومیت کے سبق نے احساس دلایا نقالی بند کر دی۔ سوچا کہ حکم سرپرستی کر رہا ہے ابھارے دے رہا ہے دوسرے حریفوں سے آگے نکلنا چاہتا ہے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مدراس اور بنگال کے کالے بھجنگ، دکن اور متوسط ہند کے کُڈھ جیسے سمجھ دماغ ذکاوت اور مآل اندیشی سے قوم اصلاح پر جھک پڑے۔ قوم بھی ناسمجھ نہ تھی معمولی سے اختلافات کے بعد فائدے کو بھانپ گئی اور ان کے کہے

کو پلے میں باندھ لیا۔ نئی زندگی اور نئی روح کی آرزو میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ سوچا کہ اتفاق اور یک جہتی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ باتیں پیدا ہو جائیں تو اکثریت میں ہیں سب کچھ ہماری مٹھی میں آجائے گا۔ ہم اس وقت حکومت میں دخیل ہیں مزید دخل حاصل کر کے حاوی ہو جائیں گے تمام کاموں پر چھا جائیں گے مقابل اپنے فرسودہ رسم و رواج میں غلط پڑا ہے مآل سے بے بہرہ اور انجام سے بے خبر جلدی کرنی چاہئے۔ پہلے انہوں نے تعلیم کے مدارج طے کئے۔ پھر حکومت کے شعبوں پر چھا گئے دست و بازو بن گئے۔ انگریز نے کمر تھپکی داد دی اور مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس لئے کہ اس کی خودداری اور سات سو سالہ حکومت کی خودی سے تنگ آیا ہوا تھا متوجہ کر کے اکسایا۔ بند بھی کامیابی میں یہ نہ سوچ سکا کہ ہم ایک ملک ایک فضا ایک ماحول کے ہیں۔ اگر سات سو سال کی حکومت میں مجبوراً کوئی زیادتی بھی ہوئی ہے تو اس کے ساتھ اچھے سلوک برتاؤ بھی رہے ہیں۔ سیاست میں بغاوت اور سازشیں مقبول نہیں ہوتیں ان باتوں پر دبایا بھی گیا ہو تو ظلم و جور سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باتیں غیر تو غیر اپنے بھی کریں تو ان کے ساتھ رعایت نہیں ہوتی۔ ساری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ چہیتے بیٹے سلیم نے بغاوت کی تو اکبر فوجیں لے کر چڑھ دوڑا۔ یہ خیال نہ کیا کہ اکلوتا ہے اس کے لئے سلیم چشتی علیہ الرحمۃ کی التجائیں کی ہیں۔ پیدل چل کر خواجہ اجمیری کی درگاہ کے طواف کئے ہیں۔ یہ وہی شیخو بابا ہے جن کی خاطر بڑے بڑے عزیز سرداروں کی خودی کو کچلا ہے۔ جس کو انتہائی ناز و نعمت سے پالا گیا ہے۔ جس کی ہر ایک زیادتی جان سے زیادہ عزیز رہی ہے۔ بغاوت پر ساری شفقتیں بھلا کر مارنے مرنے پر تل گیا۔ خود جہانگیر کے سامنے کیا دھرا آیا اور تشدد سے بیٹوں کی بغاوتیں فرو کیں بلکہ ایک تو اسی میں جان سے گیا۔

ہندوؤں نے جوش انتقام میں اتنا نہ سوچا کہ روزمرہ کی زندگی میں بھی کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ بھی بے بنیاد نہیں کوئی وجہ ہوتی تھی۔ جس کے لئے یہ بامروت قوم بدلحاظی کا نشانہ نہیں بن سکتی۔ انگریز کا منشا پا کر سات سو سال کا بھوتنا جگا کر کھوپڑی پر سوار کر لیا اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر غافل مسلمان کے درپے ہو گیا۔ قوم کے سامنے چھاتی کوٹی کہ یہ ملیچھ قوم ہم پر مظالم کرتی رہی ہے۔ اس کو انگریز کے ساتھ مل کر مٹا دینا چاہئے۔ سات سو سال تک تو بھولے رہے لیکن ابھارنے کے لئے جوش دلایا کہ ہم سورماؤں کی اولاد ہیں۔ ہندوستان سے باہر کبھی جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا لیکن ترقی و تہذیب کے ہزار ہزار باب پڑھ دیئے۔ ان آذکار و افکار کے باوجود ابھی تک

عام ہندوؤں میں اس قسم کے زہریلے احساسات نہ تھے۔ اکٹھے رہتے تھے مروت لحاظ سے وقت کاٹتے تھے معاملات تھے لین دین تھا۔ لڑتے تھے اکٹھے ہو بیٹھتے تھے۔ چاہے سود در سود سے جائداد پر چھاپے مار لیتے تھے البتہ منافرت پیدا نہ ہوتی تھی۔

کانگرس قائم ہونے کے ساتھ ایک اور زہریلا انقلاب آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام مخالف تحریکوں سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ تھا اور صرف مسلمانوں کو مٹانے کے لئے چلایا گیا تھا۔ چونکہ مشرق میں ہر تحریک مذہب کے نام پر چلتی ہے اسے بھی مذہب کا نام دے لیا گیا۔ یعنی سوامی دیانند نے آریہ مت کے نام پر نیا پرچار شروع کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کو اسلام اور عیسائیت میں جذب ہونے سے روکا جائے۔ دعویٰ کیا کہ ہندو مذہب میں تمام مذاہب سے زیادہ خوبیاں ہیں۔ اور یہ کہ برہمنوں نے اسے بگاڑ کر خرافات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ اس سوامی کے بیان کردہ اصول میں بھی وہی ایک پرانا فلسفہ ہے یعنی مادہ صورت جسمیہ اور تناسخ کا یہ حقیقت ہیر پھیر۔ صرف اسلام کے اثر میں بت پرستی سے کچھ بچاؤ کیا گیا ہے۔ اصل وہی ہے کہ بڑا مدعا ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تھا۔ اور ان کی جامد زندگی میں جوش پیدا کر کے سالہا سال کا اثر زائل کرنا تھا۔ یہ خیال پھیلایا کہ مسلمان کی ہر بات سے نفرت کرنے ہی میں ہندو کی زندگی ہے۔ مذہب تہذیب زبان امتیازی باتیں اخلاق عادات نشست برخاست میں جو ل ہر بات سے بیزار کر دیا۔ ہندوستان میں مذہب چلانے میں دقت نہیں ہوتی بہت جلد چل پھل جاتا ہے۔ سوامی جی کے مذہب کے لئے طبیعتیں پہلے ہی بے چین تھیں۔ سوچا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کو دبوچنے کی کیا صورت ہے۔ مسلمان دشمنی کی بو سونگھتے ہی لوگ ٹوٹ پڑے اور اس مذہب کو روشن خیالی کا نام دے کر اپنوں اور غیروں کے سامنے رکھنے لگے۔ ان کی کتاب میں دوسرے مذاہب کو دل کھول کر برا بھلا کہا گیا تھا۔ عیوب پر صفحات سیاہ کئے تھے۔ مبلغوں نے انہیں زبانی یاد کر لیا۔ باقی باتیں ادھر کی ادھر کی ناک کی دم کی توڑ مروڑ کر یاد کر لیں اور پھر مناظروں کے اکھاڑے جما دئے خوب خوب ٹکریں لیں اور ہندوؤں میں مشہور کر دیا کہ ہمارے بہت اچھے اصول ہیں کوئی سامنے نہیں ٹکتا۔ جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے بھی یہ ذکر اذکار سن کر کان کھڑے کئے اور ایمان لا کر سوچنے لگے کہ واہ وا! مسلمانوں سے تو بحث ہو سکتی ہے۔ ان کے روشن اصول میں خامیاں نکالی جا سکتی ہیں ہمارے اصول تو بہت عقل لگتے تھے! اوہ! ہم کسی سے کم نہیں۔ بڑے جوش کے ساتھ حصہ لینے لگے تھوڑے ہی

دنوں میں ہر شہر اور قصبے میں ان کے مرکز بن گئے ۔ پہلے مسلمانوں کے مذہب پر برسے پھر ہاتھ پاؤں پر اتر آتے ۔ سپاہی بننے کی دُھن لگ گئی ۔ لالہ جی نے کندھے تان کر ورزش کی ڈنڑ پیلے بیٹھکیں لگائیں پہلوان بن گئے ۔ گتکے بازی سیکھی تلوار کے ہاتھ چلائے اور یقین کر لیا کہ بھولے بیٹھے تھے ہم تو بڑے جوہر کے مالک ہیں ہاتھی اور شیر کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ ہم میں تو ہر ایک سیواجی اور بندہ بیراگی ہے ۔ بس مہاراج! اُدھر انگریز کو نکال دو ادھر مسلمان کو مار گراؤ ۔ انگریز جو کچھ نہ کر سکا تھا سوامی جی نے معمولی محنت میں کر دکھایا ۔ یہ دیکھ کر وہ بھی خوش ہوا کہ دل کی سی ہو گئی ہم محنت سے بچ گئے ۔

مسلمان سب کچھ دیکھ رہے رہے تھے اور مست تھے کہ لالہ شیر بن کر بھی لومڑی رہے گا ۔ ہماری بے جگری اس کے ارادے پورے نہ ہونے دے گی ۔ مزید غور و فکر کی زحمت نہ اٹھاتا تھا ۔ یہ نہ سوچتا تھا کہ شیر کو لومڑی نے کوئیں میں گرا دیا تھا ۔ اپنے مشاغل میں پڑا ہے فکری کی انگڑائیاں لے رہا تھا نہ فکر امروز نہ دردِ فردا ۔ افلاس آتا تھا تب تعویز لے آتا تھا ۔ بیماری ہوتی تھی تب دعائیں لکھوا لیتا تھا ۔ مصیبت آتی تھی تو کسی کراری حدیث کا جپ کر لیتا تھا کشائش رزق کے لئے البتہ ذرا جیب کے دام خرچ کرنے پڑتے تھے یہ تعویز ذرا مہنگا ملتا تھا ۔ انگریز گیا دے تب غم نہ تھا ۔ رشی جی بنکاریں تب فکر نہ تھی سوامی جی تحریک چلائیں تب پروا نہ تھی ۔ کبھی کبھی کوئی ہوش مند آشنا کسوٹی دیکھ کر آہ کھینچ لیتا تھا سو نقار خانے میں ایسوں کی آواز کانوں تک نہ پہنچتی تھی ۔ مہدیوں اور نبیوں کی آمد کچھ دنوں سے بند تھی ان حالات کے ماتحت وقت کو مناسب اور دشمن کی نقل و حرکت کو موافق پا کر جھٹ ایک نبی بھی آ گئے ۔ ان کا مقصد سیاسی راستے میں بیدار کر کے چلانے کا نہ تھا ۔ صرف قرآن کے نافہمیدہ غوامض سمجھانا چاہتے تھے ۔ ابھی وہ حضرت عیسیٰ کو مارنے جلانے پر لگے ہوئے تھے کہ لکا فضیتی شروع ہو گئی ۔ خدا کے فضل و کرم سے ایک فرقے کا اور اضافہ ہو گیا ۔ ہاں ہاں نہیں نہیں کا شور اٹھا ۔ کسی نے کہا نبی نہیں آ سکتا صرف مجدد کی گنجائش ہے ۔ کسی نے کہا الہام نہیں ہو سکتا ۔ کسی نے کہا مہدی سیدوں میں سے ہوگا کسی نے کہا ہندوستان میں نہیں کعبے کی چھت پر اترے گا ۔ کسی نے کہا ظلی و بروزی دروازے بند ہو چکے ہیں یہ راگ ہی بے محل ہے ۔ غرض اس شور میں یہ آمد بھی پھیکی ہو کر رہ گئی گو اغیار کو کچھ جواب دئے تحریر و تقریر سے مقابلہ کیا مناظروں کے میدان مارے لیکن اپنوں کے سوالوں سے جان چھڑانی مشکل ہو گئی ۔ اس آمد پر خدا رحمتیں نازل کرے یہ بھی اپنی سعی کر رہا ہے

غلط ہوگئی اور مسلمان جس حال میں تھے اس میں ایک اور نفیہ بڑھ گیا۔ مذہب کے خلفشار میں ایک باب کا خوبصورتی سے اضافہ ہوگیا قومی اور سیاسی بیداری بیچاری اسی طرح حسرت سے منہ دیکھتی رہ گئی۔ بلکہ سیاسی خیالات بھی مذہب بن بن کر جان کو لپٹ گئے۔ اتنے روگوں پر بھی یقین رہا کہ تندرستی سے بہرہ اندوز ہیں۔ سب ہی یہ کہتے رہے کہ سب مسلمان ہمارے خیالات پر آجائیں تو مشکلات حل ہوجائیں۔ قرآن سمجھ میں نہیں آتا تو ہم سمجھانے کے لئے تیار ہیں کہ صراط کس کی صراط ہے فوز سے کون مراد ہیں اور یہ کتاب کن کی شان کا قصیدہ ہے۔ مَآءً غَوْرًا کس کے لئے کہا گیا ہے حِزْبُ اللّٰہ کون تھے۔ کن کی تولا کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوسکتے۔ خدا کے وہ کون پیارے تھے جن کے لئے دنیا بنائی گئی۔

ہندو کو اب بڑی دھن یہ تھی کہ اب ہم تیار ہوگئے ہیں طاقت کی آزمائش جلدی کرنی چاہئے۔ فتنے فساد کی آگ بھڑکانے لگے۔ محرم و بقرعید پر حسرت و بربریت نکلنے لگی۔ سوامی جی کی آرزو پوری ہوئی۔ ہندو مسلمان باہم گلے کٹنے لگے۔ انگریز خوش تھا کہ سرکش مسلمان کو کچل دیا ہے اور ہاتھ آلودہ نہیں ہوئے۔ بڑے خوب دلتیاں ٹکا رہے ہیں گتھ گئے ہیں دانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کمزور خوشامدی ٹانگیں مضبوط کر کے اس پر بھی لپکنے والے ہیں۔ وقت کے منتظر ہیں گھورنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ آئینی تسلی تو ایک طرف پھینک کر ۱۹۲۹ء کے بعد صاحب کی مزاج پرسی بھی کرنے لگے۔ استاد نے شاگرد کو منہ پر آتا دیکھ کر سخت جھرجھری لی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا پچتایا پھر بھی طاقت کا سہارا لے کر ہراسان نہ ہوا۔ پینترے کاٹتا رہا لیکن جرمن کی ٹکر سے بیٹھ گیا۔ بیرونی حالات نے بے حال کر کے لٹا دیا۔ ہندو نے حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ مدتوں پہلے ہندو راج کے منصوبے باندھ لئے تھے کوئی رکاوٹ تھی تو مسلمان تھے جو بے حالی میں بھی لوہے کی دیوار بنے کھڑے تھے۔ اس نے اسی رکاوٹ کے لئے انگریز کا دامن پکڑا تھا اس میں رخنے ڈالے تھے اور ضربیں لگاتے لگاتے بنیاد دل تک کمزور کر دیا تھا۔ حالانکہ یہ دیوار ان کی ضربوں سے ہرگز کمزور ہونے والی نہ تھی اپنی غفلت اور بے حسی ہی سے کمزور ہوئی تو ہندو نے اسے بیچ میں سے دھکیل دینے کی ٹھان کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی کوشش کی۔

خدا ہماری بے راہ روی سے کتنا ہی خفا ہوگیا ہو وہ جانتا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس کے دین کے نام لیوا اور بار امانت کے سچے حامل ہیں۔ چاہے اپنی ذات سے غافل ہوگئے ہوں اس کے نام پر اب بھی گو بیل

کی پرچھار کو پھول سمجھ کر سینوں پر لے لیتے ہیں۔ اس نے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کو توفیق دی کہ اپنی قوم کی عین وقت پر مدد کریں۔ وہ عزم و استقلال لے کر اُٹھے۔ انگریز اور ہندو کے سامنے ثابت کیا کہ مسلمان اس ملک میں وطنی تعلق کے ساتھ جدا حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ تہذیب اور مذہب کے لحاظ سے الگ ہیں۔ گو اقلیت میں ہیں لیکن غالب اقلیت ہیں۔ اکثریت کی نیت یہ ہے کہ انہیں ایک قوم کے نظریے میں لپیٹ کر زور، چال اور تدبیر سے جذب کر لے اور رفتہ رفتہ اسی طرح فنا کر دے جیسے اُس نے تمام پچھلی قوموں کو ہضم کر لیا ہے۔ مسلمان پچھلی قوموں کی طرح بے مایہ نہیں۔ اُن کے پاس اپنی تہذیب، تمدن، مذہب اور ممتاز کلچر ہے۔ کسی طرح اکثریت میں جذب ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا ہندوؤں کی بدلی ہوئی نیت کا اُن حالات سے اندازہ لگانا چاہیے جو بیس پچیس سال سے رُونما ہو رہے ہیں۔ ہر طرح سے مٹانے کی فکریں کی جا رہی ہیں۔ دفتروں میں سازشیں ہیں الزام ہیں بہتان ہیں۔ بازاروں میں آئے دن کے فتنے فساد اور جھگڑے ہیں۔ وزارتوں میں مزاحمت ہے۔ اندر باہر پروپیگنڈے ہیں۔ دوسرے ملکوں کو مسلمانوں کے وجود سے بے خبر کیا جا رہا ہے اور وہ سراسر مسلمانوں کی حیثیت سے بے خبر کر دیئے گئے ہیں تباہی کے لئے بڑی بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پھر کس اُمید پر مسلمان اپنے آپ کو ایسی بدنیت اکثریت کے اُوپر چھوڑ دیں۔ ذرا سی بھی رواداری باقی نہیں رہی۔ ہر طرح سے معاملات طے کرنے کی کوششیں ہو چکیں۔ اتنی کانفرنسوں کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ کوئی ایک بات بھی نہ مانی گئی۔ بلا شرط کس امید پر حوالے ہو جائیں۔ ان نازک حالات میں ایک وطن کی ضرورت ہے تاکہ اس میں بیٹھ کر اپنی بہتری بہبودی کی کوشش کر سکیں۔ جن صوبوں میں اکثریت ہے وہ دے دیئے جائیں اور سارا باقی ہندوستان ان کے حوالے کر دیا جائے اس میں دونوں قوموں کا فائدہ ہے۔ ایک جگہ بیٹھ کر اب گذارہ ناممکن ہے۔ قائد اعظم انجہانی نے ان دلائل و براہین سے تقسیم پر سخت زور دیا۔ اپنی پامردی اور مستقل مزاجی سے نہیں نہیں کرنے والوں کو سمجھاتے رہے ۱۹۳۵ء کی اصلاحات کے بعد ہی راہ روشنی رہی لیکن ہندو اور انگریز برابر مخالفت پر تُلے رہے۔

اس دوسری جنگ کے بعد جب ہندو نے دنیا کا پانسہ پلٹا ہوا دیکھا تو ۱۹۴۲ء سے ہتھیاروں کی فراہمی شروع کر دی۔ بم سازی میں کمال حاصل کیا۔ بندوقیں طمنچے تلوار خنجر نیزے ہر قسم کے تیز اسلحہ جمع کئے۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ انگریز اب دوسرے ملکوں پر حکومت نہیں کر سکتا وہ چلا جائے گا۔ سخت انقلاب آنے

والا ہے۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے چست ہو بیٹھنا چاہیئے۔ مسلمان بے خبر بے سروسامان ہیں ان کو طاقت سے دبایا جائے تو بہتر ہے۔ آسانی سے نہیں تو ذرا مشکل سے قابو میں آجائیں گے۔ ان حالات میں ان پر قابو پالینا ناممکن نہیں رہا ہے۔ سکھ ان سے کیا الگ تھے ۱۹۲۴ء کے بعد جتنے بھی فسادات کئے گئے سکھ ان میں دست دبازو رہے بلکہ پیش پیش تھے پہل وہی کرتے تھے لاہور کے واقعات شاہد ہیں۔ اب آخر میں انہیں ذرا اور اشتعال دے کر سبز باغ دکھا کر بالکل ساتھ چپکا لیا۔ وہ مسلمان دشمنی میں پہلے بھی کچھ کم نہ تھے۔ وزارتی حکومتوں جداگانہ انتخابوں نشستوں اور فیصدی سر دسوں نے انہیں اور بھی زیادہ بغض وعناد پر آمادہ کر دیا۔ تگنا چوگنا ہے کہ بھی راضی نہ ہوسکے اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر تخریبی کارروائیوں میں ان سے سبقت لے جانے کی ٹھان لی۔ دونوں قوموں کو مسلمانوں کے مطالبے اور لفظ پاکستان سے اتنا عناد بڑھا کہ اپنی کتابوں پر قسمیں کھا کھا کر باہم عہد و پیماں کئے کہ تقسیم کسی صورت نہ ہونے دیں گے مسلمانوں کو الگ دھمکیاں دیتے رہے اپنے لیڈروں کو الگ ڈانٹتے رہے کہ خبردار! راضی نہ ہونا۔ دراصل لیڈر راضی بھی ہونا چاہتے تھے تو یوں چپ ہو رہتے تھے۔ ۱۹۴۶ء تک یہی کھینچ تان رہی۔ اسی سال سردار خضر حیات کی وزارت توڑنے کے لیے پنجاب مسلم لیگ نے مہم جاری کی جو خلوص اور جوش کے مظاہروں پر ختم ہو گئی۔

آخر کار ۱۹۴۷ء اپنا خونی انقلاب لے کر نمودار ہوا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے تیاری مکمل کر لی تھی سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف تباہی و بربادی کا منصوبہ طے ہو گیا۔ نہایت باریک اور وسیع سازش کا جال کونے کونے میں پھیلا دیا گیا۔ مرگھٹ کے مردے تک بھی جوڑ کر لگا دیئے گئے۔ کلکتہ مدت سے ان تحریکوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ لاٹھیوں ہتھیاروں اور تیزابوں سے پاٹ دیا گیا تھا سبھائے جو محض مسلمانوں کی تباہی کیلئے قائم ہوئی تھیں اسی بڑے شہر سے اپنی مہم شروع کی۔ اور اس جلوس پر برس پڑے جو مسلمانوں نے عملی اقدام کے بارے میں نکالا تھا جو بالکل پرامن تھا۔ ہندوؤں نے پہلے گلی کوچوں سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں پر حملے کئے پھر کھلے طور پر میدان پکڑ لیا۔ بے خبر نہتے مسلمانوں پر بموں اور گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تیزاب سے پھینکے لگے پیٹرول سے آتشیں مادوں کی بارش ہوئی۔ پھر نیزوں تلواروں خنجروں اور گنڈاسوں پر رکھ لیا گیا۔ شروع میں مسلمانوں نے نقصان اٹھایا لیکن پھر سنبھل کر وہی پرانی لاٹھی چاقو لے کر پھیل گئے اور فرسودہ چیزوں سے نئے ہتھیاروں کا سخت مقابلہ

کیا۔ انہی معمولی چیزوں سے سال بھر لڑتے رہے۔ نقصان اٹھائے لیکن ذرا بھی نہ دبے۔ یہ کشت و خون کا بازار ایک سال تک لگاتار جاری رہا۔ یہانتک کہ گاندھی جی اس قتل و غارت سے تنگ آکر وہاں پہنچے اور دونو جماعتوں میں صلح کرادی۔

بمبئی میں بھی اسی وقت ہنگامہ آرائی شروع کر دی گئی تھی۔ وہاں بھی مسلمانوں نے بے سر و سامانی کے باوجود بے جگری سے مقابلے کئے اور سال بھر تک اپنے چاقوؤں سے بندوقوں پستولوں اور بموں کے جواب دیتے رہے۔ نقصان اٹھائے لیکن ہمت نہ ہاری۔ اب ایک اور میدان گرم ہوا۔ ان شراروں کی چنگاریاں دور دور نزدیک پہنچنے لگیں۔ نواکھلی کے علاقے کے تاراج کشتی بان اور دیگر لوگ کلکتے میں مارے گئے تو واپس جانے والوں نے انتقام کی ٹھان کر ہندوؤں پر ریورشیں کر کے اشک شوئی کی لیکن انگریز نے جناب تک کانوں میں تیل ڈالے بیٹھا تھا اور خوش تھا کہ اس کے بیٹے شیر بن کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں فوراً دوڑ کر ان علاقوں میں اپنی خوش انتظامی کی یاد تازہ کرنے کے لئے پکڑ دھکڑ شروع کر دی اور معاملے کو جلدی دبا دیا۔
بہار کو مہاتما گاندھی کی خاص مہربانی نے بہت پہلے بہادر بنا دیا تھا تاکہ حکومت اور اقلیت کو دبانے کے لئے وقت پر کام آئیں وہ لوگ اٹھے اور اس صوبے کو قتل گاہ بنا دیا۔ اپنی بے مثل شجاعت کا اس طرح ثبوت دیا کہ آٹھ فیصدی مسلمانوں پر لاکھوں کا نرغہ ٹوٹ پڑا۔ ایک ایک گاؤں کو دس دس ہزار کے ہجوم نے گھیرا اور مسلمانوں کو نہایت بے رحمی سے ذبح کیا۔ تاہم ان آٹھ فیصدی نے بھی دلیری اور بے جگری سے مقابلہ کر کے ان بے پناہ ہجوموں کو پیچھے دھکیل دھکیل کر عزت اور آن پر جان قربان کر دی۔ ہندو سورماؤں نے حسب عادت بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو ذبح کیا اور بے حرمتی کی۔ بہادر انگریز یہ وحشیانہ مظالم اور درندگی خاموشی سے دیکھتا رہا اور مارے پیچھے پکار میں شریک ہو کر امن و سکون کا اعلان کرتا رہا۔ بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور کسی سے باز پرس بھی نہ ہوئی۔ ساری زیادتیاں دب دبا کر رہ گئیں۔ اس لئے کہ انگریز کو غرض نہ تھی اور وزارت ہندو تھی حکام ہندو تھے۔ شہد کا سا گھونٹ پی کر بیٹھ گئے اور انصاف کی تشنہ کامی چھاتی کوٹتی رہ گئی۔ ہندو نے مسلمان کے لئے ہر ظلم کو جائز قرار دے لیا۔

اس سے بڑھ کر گڈھ مکٹیسر میں ظلم ہوا جو ہاپڑ لائن پر گنگا کے کنارے ایک قصبہ ہے ریلوے سٹیشن ہے۔ ہر سال کاتک کے مہینے میں یہاں نہان کا میلہ ہوتا ہے۔ لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ غریب مزدور با مسلمان بھی

اپنی صنعت و حرفت لے کر آجاتے ہیں اور انہیں بیچ کھوچ کر کچھ پیٹ کما لیتے ہیں۔ ہندوؤں نے یہ مناسب مقام پایا۔ سکھوں نے اس جاندار علاقے کو مخصوص رازداری کے ساتھ شکار گاہ بنایا۔ لیکن مسلمانوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ جب سابق اپنی چیزیں لے کر آگئے اور جنگل میں آبادی سمجھ کر اطمینان سے چلنے پھرنے لگے کہیں ہنڈولے گھما رہے ہیں کہیں کھلونے بیچ رہے ہیں۔ کہیں گاڑیوں کی جوڑیاں ہیں کہیں بیل اور جوتے ہیں۔ کہیں گاندھی جی کے چلائے ہوئے چرخے سجے رکھے ہیں۔ کہیں مرادآبادی برتنوں کی چمک ہے کہیں علیگڑھ کے تالے ہیں کہیں لکھنؤ کی مصنوعات ہیں تو کہیں دہلی کے بساط خانے پھیلے ہوئے ہیں۔ کہیں ہندو بھائیوں سے سودے کی گفتگو ہے کہیں مروت کی باتیں ہیں کہ اتنے میں میلے میں ہل چل مچ گئی۔ کسی دکاندار نے چھیڑ چھاڑ کر کے تازہ بتازہ ہندو سورما جو ہر طرح مسلح تھے بے خبر نہتے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ قتل عام شروع ہوا اور راہنما والوں نے پتر گنگا مائی کو انسانی خون کے چھینٹے دیئے۔ جب میلے کے بے گناہوں کو ٹھکانے لگا چکے تو قصبے کے مسلمانوں پر یورش کر دی۔ لاٹھوں کے ہجوم کے سامنے چند ہزار کی جرأت کام نہ دے سکی اور جام شہادت پی کر گر پڑے۔ پہلے کانگرس پریذیڈنٹ اور اس کے خاندان کو بے رحمی سے ذبح کر دیا گیا پھر عورتوں بچوں بوڑھوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس کے بعد بے عزتی و بے حرمتی کی ایسی مثالیں پیش کیں جن کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ شہر کے کنویں لاشوں سے پاٹ دیئے۔ گنگا کی ترائی بے گناہوں کے خون سے سیراب کر دی۔ یہ سب کچھ لفظ پاکستان کے اوپر کیا جا رہا تھا جس کا ابھی کہیں وجود نہ تھا۔ مسلمان اس لفظ پر نظر جمائے بیٹھے تھے کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ کیا ہے اور آگے کیا آنے والی ہے سب حادثات سنتے تھے اور صرف غم و غصہ کھا کر بیٹھ رہتے تھے۔ پھر بھی لاٹھی چاقو کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ بھی آدھوں کے پاس تھا آدھے ان سے بھی خالی تھے۔ بعض دعائیں پڑھتے بعض سوچتے تھے کہ او خدا! وقت پر سب کچھ ہو جائے گا۔ سنبھلنے کی کسی کو فکر نہ تھی۔ سکھ تھا کہ ان تمام فتنوں میں سب سے آگے تھا اس لئے کہ انگریز نے ہم کو نہتہ کر کے اس کے ہاتھ میں تلوار دے دی تھی۔

آثار بالکل سامنے آچکے تھے جن کے لئے کوئی تنظیمی پروگرام تو کیا انفرادی احساس و یک جہتی کا بھی مذکور نہ تھا۔ سمجھتے تھے کہ پاکستان بن جائے گا تو یہ خرخشے آپ دب جائیں گے۔ قائد اعظم آنجہانی کی توجہ سراسر اس دوڑ دھوپ پر مرکوز تھی۔ ایسی حالت میں دوسرے لیڈروں کا فرض تھا کہ ان حالات سے چونک کر

کسی عام اندرونی تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو بڑے وقت کے واسطے تیار کر دیتے توپ بندوق مہیا نہ بھی کرتے
تو سمجھا ہی دیتے کہ موجودہ مار دھاڑ سے کام آگے بڑھ جائے تو کیا کریں اور ہندو کی مکمل تیاری سے کیونکہ بچیں۔
قوم کی دور اندیشی کا جوہر کھلنے والا تھا۔ عوام کی طرح خواص بھی پاکستان کے خوش آئند خواب میں محو تھے۔ اتنا نہ بتلایا
کہ آندھی آئے تو روشن دان دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں یا سیلاب سے بچنے کے لئے بلندی ڈھونڈ لیں۔
تعجب یہ ہے کہ مقامی لیڈر عوام سے بھی زیادہ بے خبر تھے اور وقت آیا تو وہ خود کوئی راہ نہ ڈھونڈ سکے نہ بنا سکے۔
آخر کار مذکورہ مقامات کے بعد پنجاب کی باری آئی۔ یہاں بھی ہندوؤں اور سکھوں نے مضبوط تیاری کی ہوئی تھی اسلحہ
کثرت سے جمع کر لیا تھا۔ بم سازی میں مہارت پیدا کر کے اس نئی چیز کا بھی ذخیرہ کر لیا تھا۔ وہ چیزیں کثیر تعداد میں جمع کر لیں
جو اس کے بنانے میں کام آتی ہیں اس لئے کہ تمام ہندوستان میں وہی کیمسٹ تھے۔ محلوں کو دروازے لگا کر قلعہ
بند کر لیا۔ عورتوں تک کو اسلحہ کا استعمال سکھا کر دلیر بنا دیا ہر وقت پستول اور چھری کٹار سے لیس رہنے لگیں۔ آزاد علاقے
سے لے کر لاہور تک بڑے شہر گویا چھاؤنیاں اور میگزین بن گئے۔ جب ہر طرح اطمینان کر لیا تو پھر طاقت کے زور پر
میدان میں کود دے۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے شروع میں ہنکارے کہ پاکستان نہیں بننے دیں گے۔ خون کے آخری قطرے
تک تقسیم کو روکیں گے۔ فساد شروع کر دیئے گئے۔ گورنمنٹ کالج کے سامنے ایک لاری میں مسلمان عورتیں
بیٹھی تھیں ان سے بدسلوکی کی بے عزتی سے پیش آئے۔ شہر میں مال روڈ پر ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا جس میں
ماسٹر تارا سنگھ نے تلوار سونت کر کہا کہ مسلمانوں کو درۂ خیبر کے راستے ہندوستان سے نکال دو۔ مختلف مقامات
پر قتل و غارت کی وارداتیں کیں۔ البادی اَظلم کا نمونہ بنے ہر جگہ پہل کی تھی لاہور میں بھی پہل کی۔ مسلمان اصل میں
کسی جگہ بھی لڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہاں بھی صبر و ضبط سے کام لیتے رہے۔ حالت اس لئے اقدام سے خالی تھی۔
کہ اوپر کا طبقہ جھگڑے فساد کی اجازت نہ دیتا تھا۔ ماسٹر تارا سنگھ نے امرتسر میں بھی شعلے بھڑکا دیئے۔ لیکن
وہاں کے مسلمانوں نے شروع ہی میں فکر سنبھال کر ایسی مار دی کہ دونوں کی تیاریاں دھری رہ گئیں۔ کرپانیں بھی
چھین چھین کر ان کے ہتھیار انہی کے پیٹ کی نذر چڑھائے۔ ڈنڈوں اور گھونسوں سے کوٹے۔ گاؤں کے سو دیہیرا آ
کر پٹے۔ دانت کھٹے کر دیئے کئی مہینے ابھرنے نہ دیا۔ حالانکہ وہاں بھی کوئی منظم کام نہ تھا۔ بعض نوجوانوں کی جمعیت
کام کرتی رہی۔ سکھ بہادر بہت حیران ہوا کہ یہ کیا الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں۔ کہاں وہ ارادے تھے کہاں گھروں سے نکلتے ہوئے

گھبرانے لگے۔ اُدھر بم تلواریں اور کرپانیں تھیں تو مسلم نوجوانوں کے پاس آگ لگانے کا بے پناہ جذبہ ایسا ابھر آیا کہ سامنے ہتھیار اس کے سامنے کند ہو گئے۔ ایسی صفائی پیدا کی کہ پاس سے گذرے اور مکان بھڑک اٹھا۔ ان حربے نے سکھوں اور ہندوؤں کو بے دست و پا کر دیا۔

لاہور والے پہلے تو حیران رہے کہ یہ کیا خلاف توقع ہنگامے ہیں۔ پھر پاکستان کے لئے دعائیں کرتے کرتے ہوش آیا تو سمجھے کہ ہندو لڑ رہا ہے، میدان مانگتا ہے۔ پھر کر اُٹھے چاقو سنبھال لئے اور آگ لگانے کا مسالہ مٹھیوں میں دبا لیا۔ پھر کیا تھا ہنگامۂ دار و گیر بلند ہوا۔ وہ شہر جو امن و آشتی کا گہوارہ، جشنوں اور محفلوں کا مرکز تھا جہنم کا نمونہ بن گیا۔ فتنہ و فساد کے حق میں رات دن ایک ہو گئے۔ نہ مال کی گلگشت رہی نہ تصویر گھروں کے جھمگٹے رہے نہ نمو و حسن کا ذوق رہا نہ قدر شناس نگاہوں کی بیتابی رہی۔ کوچے کھدرے بھی قتل گاہ بن گئے۔ انگریز نے روک تھام کی لیکن جو فتنہ اس کی سرپرستی میں اس حد کو پہنچ چکا تھا دب نہ سکا۔ ساری تیاریوں کے باوجود ہندو سکھ یہاں بھی پھیکے ہو کر رہ گئے۔ راولپنڈی میں فسادات شروع ہو گئے۔ جلوس نکالا گیا۔ پاکستان مردہ باد اسلام مردہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ کرپانوں اور تلواروں کو نچاتے ہوئے شاہراہ سے گزرے۔ مسلمانوں پر حملے کئے۔ شہر کے ایک چودھری کے بیٹے کو کرپان سے زخمی کر دیا۔ پھر محلوں کو مضبوط کر کے فائر کرنے لگے۔ یہاں گھمنڈ زیادہ تھا۔ اس لئے کہ یہ شہر ان دونوں قوموں کا گڑھ تھا۔ تمام کاروبار ان کے ہاتھ میں تھے کثرت بھی طاقت بھی۔ اور مسلمانوں کی حیثیت ہلکی اور بے اثر۔ زیادتیاں دیکھ کر ان میں بھی بچاؤ کا احساس ہوا۔ کچھ بھائیوں کی مدد کے لئے باہر سے آ گئے۔ یہاں بھی وہی ہنگامۂ دار و گیر ہوا جو مذکورہ شہروں میں تھا۔ ملتان مدت سے ان کی پالہ بندیوں کا نشانہ تھا وہاں بھی یہی حالات رونما ہوئے۔ تنگ آئے مسلمان ٹوٹ پڑے۔ تمام پنجاب میدان کارزار بن گیا۔ یہاں تک کہ سرحد کا آتش فشاں پہاڑ بھی لاوا اگلنے لگا۔ پشاور ہزارہ ڈیرہ غازی خاں میں فساد ہوئے۔

تاہم اتنی لام بندیوں پر بھی ہندوؤں اور سکھوں کو ان میں سے کسی مقام پر کامیابی نہ ہوئی۔ ہر جگہ زک اٹھائی بیٹھے اور امن عامہ کو شورش و فساد کے حوالے کر کے خائب و خاسر ہی رہے۔ اب آنکھیں کھلیں کہ کیا سوچا تھا کیا ہو گیا۔ لاہور کی تمام سازشیں اور تجویزیں فیل ہو کر بیکار گئیں۔ بے خبر بے سر و سامان مسلمانوں نے بھرکس نکال دیا۔ سوچ میں پڑ گئے۔ کہ ہر مقام پر ناکامی و تباہی ہوئی ہے اب کیا کرنا چاہئے۔ اکثریت کے سامنے نہ ہمتوں کی پیش گئی نہ زر افشانی نے کام دیا نہ مکر و فریب سے کچھ بنا۔ کوئی اور تدبیر نکالنی چاہئے۔ سکھ سورما ہم سے بھی زیادہ چڑھے ان کو کسی اور ڈھب چلانا

چاہیئے ۔ ان حالات سے پھر اکٹھے ہو ہو کر سوچ بچار کرنے لگے ۔

یہ فسادات مارچ کے اندر ہی اندر شہروں سے چل کر گاؤں تک پہنچ گئے ۔ اور بہت جلد سرد ہو کر رہ گئے ۔ البتہ بڑے شہروں میں خاص کر لاہور میں برابر آگ سلگتی رہی کہیں کہیں اور جگہ بھی دھواں اٹھ کھڑا ہوتا تھا ۔ اب ان دونوں نے سر جوڑ کر آگے کے لئے پروگرام بنائے ۔ ناکام سازشوں کو نیا جامہ پہنایا گیا ۔ سکھ بہادر جو ان سے بھی زیادہ اکھڑا ہوا تھا اس کے کان میں آہستہ سے کہا کہ بہر صورت تقسیم ہو کر رہے گی ۔ حکومت مٹھی میں آجائے گی پہلے تو تقسیم میں رتیا گھو لیں اور پھر مشرقی پنجاب اور مغربی یو۔ پی میں چل کر مسلمانوں کو صاف کر دیں ۔ فوج اور پولیس کی مدد حاصل ہو ہی جائے گی ۔ اگر فی الحال گورنمنٹ رکاوٹ ہے تو ریاستوں میں کاروائی شروع کریں ۔ ان کو ہموار کر کے ساتھ ملالیں یہ کام نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان کو پہلے ہی سے رواں کر لیا گیا ہے ۔ سکھ ریاستوں کو تم رواں کرو ۔ تم گھاٹے میں رہے ہو ۔ مشرقی پنجاب مع یو۔ پی کے گوشہ مغربی کے تمہارے حوالے کر دیا جائے گا وہاں حکومت قائم کر کے گھاٹا پورا کر لینا ۔ مرکز ہی حکومت میں بڑھ چڑھ کر شریک رہو گے تمہارا مستقبل بڑا شاندار ہے ۔ بولس اب دوڑ دھوپ شروع کر دو ۔ ایسا پروپیگنڈا پھیلاؤ کہ مردے بھی شریک کار ہو جائیں اور یہ جو دس پانچ رواداری کا دم بھر رہے ہیں یہ بھی آگ بگولہ بن جائیں ۔ تم بڑے بہادر ہو تمہارے ہی بھروسے پر تو ان امید افزا نتیجوں کا دارومدار ہے ۔ جاؤ مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کرو اور ان پاکستان بنوانے والوں سے کھل کر انتقام لو ۔ ہندو تمہارے دم کے ساتھ ہے سارا ہندوستان تیار کر دیا ہے مدد پر تلا بیٹھا ہے ۔ اب ناکامی کا کوئی اندیشہ نہیں حکومت ملنے والی ہے فوج اور پولیس سارا کام کرے گی ۔ بے خبر بے سروسامان مسلمانوں کو مار گرانا اب کیا مشکل ہے ۔ مغربی پنجاب چھوڑ کر مشرق کی طرف چل پڑنا چاہئے ۔ جب یہ پروگرام پورا کر چکیں گے ۔ اور لنگڑا پاکستان مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے تو وہ تو اس کو سنبھالنے رکھنے میں مصروف ہو جائیں گے ۔ آبادی کا تبادلہ پناہ گزینی کی صورت میں ہو گا ۔ اگر ہم ان علاقوں کے لاکھوں مسلمانوں کو پاکستان کے کمزور کاندھوں پر لاد دیں تو دیکھو تو اس کے لئے کتنی مشکل پیدا ہو جائے گی ۔ تمہارے سیلاب کو روک لیں گے یا ان کو سنبھالیں گے جائدادوں کارخانوں اور کاروبار کا ذرا غم نہ کرو ۔ یہ ہم بہت جلد واپس اگر ان کے ہاتھوں سے چھین لیں گے ۔ اس طرح کہ ان کی بدحالی سے فائدہ اٹھا کر کشمیر پر قابض ہو کر گھس جائیں گے اور ان کا کیا دھرا سب خاک برابر کر دیں گے ۔ تم خود ہی دیکھو کیا یہ آسان کام نہ ہو جائے گا ۔ مرکز سے پختہ وعدہ ہو چکی ہے ۔

پٹیل گروپ مضبوط ہے بروئے کار ہے تمام ہندوستان میں سنگھ کا جال پھیلا ہوا ہے جو وقت آنے پر آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھوٹ پڑے گا۔ اور یوں بھی تو ہم پاکستان میں نہیں رہ سکتے۔ ان ملیچھوں کے ماتحت رہنا آزادی کے بعد کس طرح گوارا کر دو گے۔ یہ تمام کارروائی ایسے طریقے سے ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو کانوں کان خبر نہ ہو تاکہ ایسے ہی غافل رکھے جائیں جیسے اس وقت غین بیٹھے ہیں۔ رازداری کو اور تیز کر دینا چاہیے اس طرح کہ چاہے کیسے ہی مخلص ساتھی کیوں نہ ہوں بھولے سے کوئی حرف ان کے سامنے زبان پر نہ آئے کسی خطے کے مسلمان کو ہماری اسکیم کا پتہ نہ چلے۔ سب نے ان تجویزوں پر عہد و پیمان کئے اور سکھ ان سازشوں کے کارکن بن کر چل پڑے۔ ذرا غور و فکر نہ کیا دیوانہ وار ہو گئے بس مست، ہر قسم کے اخلاق کو انسانیت کے ہر خیال کو ٹھوکر مار کر ایک طرف پھینک دیا اور شیطانی ارادے لے کر بے خبر مسلمانوں کی فکر میں دیوانہ وار بکھر گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے ریاستوں کے سامنے پگڑی دے ماری کہ مسلمانوں نے ہم معصوم بے گناہوں پر سخت مظالم توڑے ہیں کس دن کام آؤ گے دست گیری کرو اور ہمارے انتقام کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مہاراجہ پٹیالہ کو مسلمانوں سے پیدائشی عداوت تھی۔ باپ کے طریقے کو ریاست سنبھالتے ہی خیر باد کہہ چکا تھا۔ انقلاب کے اٹھتے خوابوں میں اپنی فوقیت نظر آئی۔ ریاست کے مسلمانوں کو ظاہراً مطمئن کرنے کے لئے پہلے ادھر ڈال کر باہر کے علاقوں میں خاموشی کے ساتھ بھیجا۔ اور فوجیں بھیجیں کچھ وردی میں کچھ سفید کپڑوں میں۔ اس طرح سے لاہور کے سمت پر روانہ ہو کر مشرقی پنجاب میں پہنچنے لگے۔ پھر ادھروں کا تانتا بندھ گیا۔ ان سب معصوموں نے حسب تجویز مشرقی مقامات میں پہنچ کر سخت شور مچایا کہ مسلمانوں نے سخت مظالم ڈھائے ہیں۔ تصویریں بنا بنا کر عجیب عجیب طریقے سے لوگوں کو دکھائیں گلی گلی کوچے کوچے مظاہرے کئے کہ قتل عام کیا ہے۔ یہ تو دیکھو عورتوں کی بے حرمتی کی ہے۔ کیا اب بھی ایسی بے عزتی گوارا کرو گے؟ ننگا کر کے بازاروں میں پھرایا ہے مرد عورتیں بچے بوڑھے ذبح کئے ہیں۔ ہمیں لوٹ کر گھروں سے نکال دیا ہے۔ وہ تو ننگے بھوکے تھے ہمارا مال لوٹ کر عیش کرتے ہیں۔ اور ہم کو محتاج بنا کر ادھر دھکیل دیا ہے۔ ہندوؤ اور سکھو! تمہاری غیرت کو کیا ہوا۔ اٹھو ان سے انتقام لو۔ کیا یہ اب بھی ایسے مظالم کرتے رہیں گے؟ کب تک ڈرو گے کب تک بدلے نہ لو گے۔ اب کس بات میں کم ہو۔ سورماؤں کے بیٹو! غیرت کرو تلوار اٹھاؤ اور ان سے سیواجی کے نام پر ہمارا بدلہ لو!

کچھ تو اس کام پر لگے ہوئے تھے اور باقی خاموشی کے ساتھ تنظیمیں بنا بنا کر ہر شہر ہر بستی اور ہر گاؤں کے لئے سازشیں اور سکیمیں تیار کر رہے تھے کہ کس طرح حملے کئے جائیں اور کیونکر بے گناہ مسلمانوں کو مرعوب کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا جائے۔ اتنے اہتمام اور ایسی تنظیم کے ساتھ یہ کام ہوئے کہ ہر مقام میں مسلم کارکنوں تک کے نام کی ڈائریاں بنائی گئیں۔ جو کسی قسم کی ذرا سی بھی نمود دکھاتا تھا درج کر دیا گیا۔ خاص محلے اور خاص ٹھکانے پہلے رکھے گئے۔ مکانوں کے محل وقوع اور گذرگاہوں کے اہم موڑ تک لکھ لئے۔ جہاں کمزوری تھی اسے پہلے اور جہاں ذرا مضبوطی تھی۔ اسے بعد میں ضربوں کے لئے انتخاب کیا گیا۔ اوقات دن اور تاریخیں مقرر ہوئیں۔ بڑی شاہراہوں کے ناکے روکنے کے لئے جماعتیں بن گئیں۔ ریلوں اور سٹیشنوں کے لئے الگ جتھے بن گئے۔ تحصیلیں اور ضلعے بٹ گئے۔ علاقے تقسیم ہو گئے۔ غرض اُدھر پہنچتے ہی تجویزوں کے مکمل نقشے اور خاکے تیار کر لئے گئے۔ تین مہینے کی فرصت میں ضروری باتیں طے کر لیں باقی تجویزیں وقتی ضرورتوں پر موقوف کر کے وقت کے انتظار اور وقتی چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہو گئے۔

جون میں پاکستان کے بننے کا مژدہ طے ہو گیا۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء حکومت کی سپردگی کا دن طے ہوا۔ مسلمان اُس وقت کا بیتابی سے انتظار کرنے لگے۔ کسی کو جھوٹوں معلوم نہ ہوا کہ ہندو نے کیا عزم و ارادے باندھے ہیں۔ ۱۵۔ اگست کے لئے سازشی دماغ میں کیا اسکیم تیار کر رکھی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ جن سے چولی دامن کا ساتھ اور ہر وقت کی یکجائی تھی اُن کے کان میں بھی بھنک نہ پڑی۔ ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں بحث مباحثے بھی ہوتے تھے لیکن اس قسم کی کوئی بات گہرے دل سے نکال کر زبان تک نہ لاتے تھے۔ کوئی ادھر اُدھر کی کہتا بھی تھا تو ایسے طریقے سے جیسے دنیا کی انقلابی فطرت دکھا رہا ہے۔ یہی کہ نہ معلوم ابھی ہندوستان پر کیا کیا بلائیں آنے والی ہیں۔ انگریز کو سب کچھ معلوم تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کچھ تو انگلینڈ میں ہی حالات کا جائزہ لے لیا تھا۔ باقی یہاں آ کر کونے کونے کی بھانپ لی تھی۔ دل میں یہی تھا کہ مسلمانوں کو ان کی ہٹ اور ضد کی سزا ضروری ہے اس لئے نہ کوئی روک تھام کی نہ مسلم لیڈروں کو بتایا کہ بچاؤ کر لو۔ انہوں نے یہاں پہنچتے ہی فیصلے بازی کی داغ بیل ڈال دی تھی سارا زور تصفیے پر دیتے رہے۔ خود بھی یہی رٹ لگائے رکھی۔ کہ دو قوموں کا نظریہ ترک کر کے تقسیم کو موقوف کر دو۔ حالانکہ یہ گفتگوئیں تین چار سال سے زور پکڑ پکڑ کر سرد ہو چکی تھیں ہر مرتبہ ہندو نے دولتیاں لگائی تھیں۔ اور اُس طبقے کو آلۂ کار بنا کر بیچ میں نچاتے رہے تھے۔ جو اُن کی ہمنوائی کر کے ایک قوم کے نظریئے کا قائل تھا۔ گو یہ لوگ بھی مسلمانوں کے باثر جتھے میں سے تھے،

لیکن اپنے اختلاف کی وجہ سے آخر دم تک قوم کی تباہی کے اسباب کو نہ سمجھے۔ وہ نہ متفق طور پر جو کچھ بھی مانگا جاتا اس
سے کوئی انکار نہ کر سکتا۔ انہوں نے دس کروڑ کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ اور ذاتی رائے اور خیال کی پیچ میں
قوم کو تباہی تک پہنچایا۔ پھر بھی قائد اعظم خلد مکانی کی استقامت نے دشمنوں اور اپنے دوست نما مخالفوں کی ایک پیش
نہ جانے دی۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں تشتت نہ ہوتا اور یک زبان ہو کر مطالبہ کرتے تو اتنا طول کبھی نہ کھینچتا
نہ اغیار اتنی سرکشی و نمود کرتے۔ جب چاہتے اپنے مطالبات منوا لیتے۔ مخالف جماعت کے سرگروہ مولانا آزاد تھے
جن کی ساری عمر قوم کے ہی رانڈ رونے میں کٹی تھی۔ جنہوں نے جان سے خدمت کی تھی آخر میں آکر ایسے بھٹکے کہ
دس کروڑ کی جگہ تین کروڑ ٹوٹے پھوٹوں کے ہی سرپرست رہ گئے۔ ان کا یہی خیال رہا کہ انگریز کو نکال کر سب قومیں ملک
کی آزادی اور بہتری میں کوشش کریں۔ کاش وہ یہ اندازہ لگا لیتے کہ ہندو بھائی رات دن کی ساری کوشش مسلمانوں
کی تخریب کیلئے کر رہے ہیں۔ انگریز نے مصلحت دیکھ کر جو کچھ دے دیا دے دیا۔ ہندو کے ہاتھ سے یا زبان سے بھی
کوئی حق نہ ملا۔ جب کہا یہی کہا کہ بلا شرط اپنے آپ کو حوالے کر دو۔ یہی کہا کہ الگ مطالبے رہے تو ہم مٹا دیں گے
ملک بدر کر دیں گے یہ ملک ہمارا ہے۔ کوئی ایک بات بھی ایسی نہ تھی جس پر ان سے آئندہ کی امید باندھی جاتی
کبھی یہ بھی نہ بتایا کہ کتنی نسلوں کے بعد ملک اپنا ہوتا ہے، وطن بنتا ہے۔ وہ بھی مہادیو جی کے بعد ہی اس ملک پر قابض
ہو گئے تھے کہ بعد کے آنے والوں کو بدیشی کہتے ہیں۔ وہ ایک وقت میں ایران کے ٹکڑے ہوتے دوسرے
قبیلوں سے شکست کھا کر یہاں کے اصلی باشندوں کو ہٹا کر آ بسے تھے۔ اسی طرح مسلمان بھی اپنے وقت پر آ بسے۔

گاندھی جی گو کشت و خون کے حامی نہ تھے اور یہ خیال نہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کشت و خون و ظلم و ستم سے مٹایا جائے
اگر چاہتے بھی ہوں تو ایک آدھ جھٹکا ہی چاہتے ہوں گے تاکہ مسلمان اپنی حقوق طلبی کی ضد کو بھول کر
ان کے ساتھ ہو لیں۔ اُن کا نظریہ یہی تھا کہ جذب کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ دلجوئی سے ہر جا لے
جائیں۔ لیکن پٹیل اور اس کا گروپ مصر تھا کہ اس رکاوٹ کو ہٹائے بغیر ہندو راج کر گزرا ہے کا مٹا دینا بہتر ہے۔ اس
کے دست و بازو اور چیلے چانٹے اطمینان دلا چکے تھے کہ مٹا کر دم لیں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو دونوں حالتوں
میں خوش تھے انہیں ہندوستان کی آزادی درکار تھی کسی کو قتل کیا جائے یا جلایا جائے۔ اور چاہے وہ کیسی ہی
ٹوٹی لنگڑی اندھی کانی رہ گئی اپاہج لنجی منجی۔ اس کا فکر نہ تھا کہ تندرست کر کے لیں۔ پٹیل نے اس آگ کو اتنا

بھڑکا دیا تھا کہ اب وہ چاہتا بھی تو بھی مشکل تھی۔ گھوڑے اتنے منہ زور اور گرم ہو چکے تھے کہ حکم اور رائیڈر کے انتظار میں لگامیں کاٹ رہے تھے۔ سموں سے زمین کھود رہے تھے۔ اس شخص نے ہر ریاست میں خود پہنچ کر تیاریاں مکمل کرائی تھیں۔ خاص کر پٹیالے والے کو نہ معلوم کیا سبز باغ دکھا دئے تھے کہ ۱۵ اگست کا بھی انتظار نہ کر سکا اور فوجیں اطراف میں پھیلا دیں۔ پہلی یورش امرتسر پر کی۔ اس کے دیہات میں مسلمانوں پر مظالم توڑے۔ پھر بڑھتے بڑھتے جالندھر اور ہوشیار پور کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار ۱۵ اگست آگئی اور لارڈ ماونٹ بیٹن نے بجائے اس کے کہ اعلان کو پیچھے دھکیل کر پہلے آبادی کے تبادلے فوج کی تقسیم اور سامان کے حصے کراتا اور اپنی نگرانی میں یہ چیزیں پاکستان بھیجتا فوراً اعلان کر کے ہندوؤں کو پورا موقع دے دیا کہ من مانی کریں اور مسلمانوں سے جو چاہیں سلوک روا رکھیں۔ ہندو شکر گزار ہو کر ارادوں کی تکمیل میں لگ گئے اور یہ آخری وائسرائے بے گناہ مسلمانوں کی تباہی دیکھنے کے لئے اطمینان سے بیٹھ گیا۔ نہ فوج دی نہ سامان حرب دیا نہ دفتر دئے نہ اور کسی قسم کا سامان دیا۔ خوش تھا کہ اب انھیں مطالبوں کی سزا ملے گی۔ دنیا کی شرم سے بھی بے نیازی تھی اس لئے کہ دنیا کو پہلے ہی بے خبر کر کے مغالطوں میں ڈال دیا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمان کی حیثیت کیا ہے۔ حالات کس قسم کے ہیں۔ آپس کے رشتے ہیں یا نہیں۔

جس پاکستان کے پیچھے ہندو دیوانہ ہو گیا اور انگریز کینہ توزی پر اُتر آیا اس کی صورت یہ تھی کہ لنڈورا حوالے کیا گیا۔ سر دھڑ تھے ٹانگیں نہ تھیں۔ چھاؤنیوں میں نہ کوئی سامان تھا نہ فوج تھی۔ دفتروں میں شل نہ تھی بلکہ میز کرسی بھی نہ تھی۔ نہ کوئی کارخانہ تھا نہ مشین خالی آدمی تھے جو دم بخود بیٹھے تھے۔ اعلان کے ساتھ سرحدیں مقرر کرنے کا سوال ہوا تو اس کے لئے بھی ایک انگریز ریڈ کلف ہی مقرر ہوا۔ ہندوؤں نے شور مچا دیا کہ بڑا قابل محقق ہے انصاف کا پتلا ہے۔ بہت باریکی سے تقسیم کرے گا۔ حالانکہ جو کچھ اسے کرنا تھا پہلے ہی طے ہو چکا تھا مٹھی گرم کر دی گئی تھی۔ وہ طے شدہ بات ایک طرف پھینک دی گئی کہ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہ تحصیلیں اور ضلع پاکستان میں شامل ہوں گے اور جہاں اقلیت میں ہیں ہندوستان کو دے دیئے جائیں گے۔ اس عدل پرور انگریز نے نہایت دیانت داری سے سرحد لاہور کے پاس لا رکھی۔ ذرا بھی پروا نہ کی کہ فیروزپور امرتسر جالندھر ہوشیار پور اور گورداسپور کی تحصیلوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اُدھر ڈھاکے کے پاس جا ملائی اور اکثریت ہندوستان

میں منظم کر دی۔ بندر کا بانٹ تھا ایک کو سراسر نفع ہی نفع رہا دوسرا منہ تکتا رہ گیا۔ بڑے میاں کی مثال ہو گئی۔ سودا لینے چلے تو کوئی دوڑی کہ میرے بچے کے لئے گھوڑا لیتے آنا۔ کوئی چلائی جھنجھنا لانا۔ کسی نے فرمائش کی گاڑی لیتے آنا۔ وہ اکڑ کر بولے کہ بیٹیو! جو پیسے دے گا اسی کا کھلے گا۔

یہ بندر بانٹ اس لئے آسانی سے ہو گیا کہ جب تقسیم ہند طے پا چکی تو ہندو نے پنجاب و بنگال کے ان حصوں کا مطالبہ کر دیا جن میں وہ اکثریت میں تھے۔ رائے لی گئی تو سکھوں نے ہندوستان کے بارے میں رائے دی اور آدھا پنجاب بٹوا دیا۔ بنگال میں کوئی رکاوٹ نہ تھی جھٹ آدھا بنگال لے کر ہندوستان کی گود میں ڈال دیا گیا۔ قائد اعظم آنجہانی جانتے تھے کہ ذرا بھی رکے تو ہندو دھاندلی مچا کر کوئی اور قضیہ کھڑا کر دیں گے صبر کر لیا اور راضی ہو گئے۔ لیکن ہندو اس پر بھی آرام سے نہ بیٹھا اور ریڈ کلف کو ملا کر ایسی ناانصافی کرائی کہ انگریز کی پیشانی پر داغ بن کر چمکتی رہے گی۔ جن مقامات پر مسلمانوں کی کھلی اکثریت تھی وہ بھی ہتھیا بیٹھے۔ یہاں تک کہ ۱۵۔ اگست کی خود مختاری لے کر فوج اور پولیس کو آگے لگا کر جھوٹے قصے سنا کر اور پاؤ بھر کو من بھر کر کے سادہ لوح سپاہیوں کو ساتھ ملایا اور مسلمانوں کی تباہی پر لگ گئے۔ ادھر ریاست الور، گوالیر، جودھ پور، جے پور اور بیکانیر میں ان مسلمانوں کو جو صدیوں سے ان کے زیر سایہ امن و آشتی سے بسر کر رہے تھے تباہ کیا۔ بچوں بوڑھوں جوانوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ عورتوں کی نہایت بے حیائی سے عصمت دری کی۔ بقیۃ السیف کو گھروں سے نکال کر جائدادوں پر قبضہ کر لیا اور پر امن لوگوں کو دربدری اور غریب الوطنی کے لئے چھوڑ دیا۔ بہادر میووں نے مقابلے کئے بے جگری سے سیلاب کو روکا لیکن ریاستوں کی باقاعدہ فوجوں اور جدید ہتھیاروں کے سامنے پیش نہ گئی تباہ کر دیئے گئے۔ تمام ہندوستان میں کہرام مچ گیا۔ پٹیالہ اور پیلی بھیت کے علاقوں میں تباہ کاریاں کیں۔ گاڑیوں پر حملے کئے گئے۔ مسلمان مسافروں کو تلاش کر کر کے ذبح کیا جاتا رہا۔ لیکن پنڈت جواہر لعل نہرو اور پنتھ پنڈت کی وجہ سے ادھر کچھ روک تھام ہو گئی۔ مسلمانوں کے لئے گاڑیاں مخصوص کر دیں۔ پولیس اور فوج کو سخت احکام دے دیئے گئے کہ اس قتل عام کو سختی سے روکیں۔ بہت کچھ ہونے کے بعد یو۔پی کے مشرقی حصوں میں حالات پر قابو پا لیا گیا۔ وہ سورما جو آزادی کا مطلب غلط سمجھ کر قانون کو کھیل بنا چکے تھے کچھ رک گئے معمولی چپقلشیں رہ گئیں۔ وہ بھی ان مقامات پر جہاں فوج اور پولیس سنگھیوں کا ساتھ دیتی رہی۔ ان

علاقوں میں ہندو بھی ایسے سیاہ دل اور ناسمجھ نہ تھے کہ انتظام کے جذبے پر قابو نہ پاتے۔ انہوں نے بھی غور کیا اور جو کچھ ہو چکا تھا اس کو کافی سمجھ کر حکومت کی فہمایش پر کان لگایا حالت سنبھلنے لگی۔

پنجاب کے ہندو سکھ مشرقی پنجاب اور یو۔ پی میں پھیل کر پہلے ہی سازش کی سرنگیں ہر طرف پھیلا کر گھات میں بیٹھ گئے اور ۱۵ اگست سے کھل کھیلنے لگے۔ پہلے امرت سر کے مسلمانوں پر پٹیالے کی فوج سے حملے کئے۔ وہ مسلمان جنہوں نے تارا سنگھ کے چار پانچ مہینے تک دانت کھٹے کئے تھے۔ باقاعدہ فوجوں کے سامنے گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور لُٹ کھسُٹ کر تباہ حالی میں لاہور پہنچنے لگے۔ دیہات میں مسلمان جمے لیکن مجبور ہو کر سرحد کی طرف چل پڑے۔ گورداسپور کے ضلع میں زیادہ تباہی اس لئے ہوئی کہ شدید بارشوں کی وجہ سے راوی میں سیلاب آ گیا۔ اطراف سے جو لوگ جمع ہو رہے تھے دریا کے کناروں پر رک گئے۔ سکھوں نے ان کی پریشانی اور مایوسی سے فائدہ اٹھا کر کناروں پر آ لیا۔ ہزاروں بے گناہ ذبح کر ڈالے اور جوان عورتوں کو پکڑ کر لے گئے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جو بچ بچا کر نکلتے رہے پاکستان پہنچتے رہے۔ پھر جالندھر ڈویژن میں اندھیر گردی مچتی رہی۔ گاؤں والوں نے کئی جگہ سخت مقابلے کئے۔ سامان کیا تھا اور کیا تیاری تھی۔ مسلمان کسی جگہ بھی لڑنے کے خیال میں نہ تھے۔ کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ حالات گذریں گے۔ معلوم ہو جاتا تو انفرادی ہی طور پر کچھ سامان مہیا کر لیتے۔ بے خبری میں پکڑے گئے۔ اپنی فطری دلیری پر مقابلے کئے لیکن چھری تلوار یا دو چار بندوقیں باقاعدہ فوجوں کی باڑھوں کا کہاں تک مقابلہ کرتیں۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ رات کے وقت گاؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تھا اور آگ لگا کر باڑھیں ماری جاتی تھیں۔ یوں مجبور کر دینے کے بعد بھی جرأت نہ ہوتی تھی کہ تھوڑے سے آدمیوں پر سیدھے جا پڑیں۔ جب بالکل بے دست و پا کر لیتے تھے تو جوانوں کو قتل کر کے عورتوں کو پکڑ لے جاتے تھے اور وہ شرمناک حرکات کرتے تھے کہ انسانیت دور کھڑے ہو کر ماتم کرتی تھی چھاتی کوٹتی تھی۔ اگر غیرت وحمیّت میں آ کر کوئی زبان کھولتی تھی تو اُسے بڑے بڑے عذابوں سے مارتے تھے کہ باقیوں کے لئے عبرت ہو جاتی تھی۔ بال پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے تھے پیٹتے تھے ٹکڑے کرتے تھے۔ کتنی عورتوں نے تنگ آ کر بدزبانی میں دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور قتل ہو کر خود ہی ذلت سے پیچھا چھڑا لیا۔

سکھوں نے خاص کر اس ترقی و تہذیب کے زمانے میں بھی وہی کیا جو بندے بیراگی کے ساتھ رہ

کر کیا تھا۔ ان مظالم سے بھی آگے نکل گئے جو اس زمانے میں سرہند کے صوبے میں کئے گئے تھے۔ اور جس کا انتقام فرخ سیر کی فوجوں نے لیا تھا۔ اپنی زیادتیوں اور بغاوتوں کو کبھی نہ دیکھا اور جب بدلہ دینا پڑا تو اس کی داستانیں بنا کر دنیا کو سنانے پھرے۔ پھر بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں نے انتقامی حملوں میں کوئی ایسا ظلم کیا ہو جو وہ کرتے رہے ہیں۔ حاملہ عورتوں کے لاتیں مار مار کر حمل نہیں گراتے۔ ننگا کر کے نہیں نچایا۔ عورتوں کی بے حرمتی پر تو وہ قادر ہی نہیں اس لئے کہ ان کے مذہب نے عورت کی عزت سکھائی ہے۔ جہالت میں ایسی شرمناک حرکتیں نہیں کر سکتے جو سکھوں نے ترقی کے دعوے پر کیں۔ ادھر اگر معلوم ہوا کہ وہ جو تصویریں دکھائی جاتی تھیں جنہیں دیکھ کر بعض صاف دل مسلمانوں کو بھی تعجب اور صدمہ ہوتا تھا وہ سب پروپیگنڈا تھا جسے دیکھ کر وہ لوگ بھی شریک کار ہو گئے جو مسلمانوں کی اس طریقے کی تباہی پر دل سے راضی نہ تھے۔ مغربی پنجاب میں جو کچھ واقعات گذرے وہ جوابی تھے جب انہیں مجبور کر دیا گیا تو جواب میں انہوں نے بھی قتل و غارت سے جواب دیا۔ مقابلے پر چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کو قتل کیا جنہوں نے فتنہ فساد اٹھا کر لٹنے پر آمادہ کیا تھا ان کی خبر لی جو ہاتھ آیا لوٹ لیا۔ جب یہ دونو قومیں کٹ پٹ کر مشرق کی طرف کھسک گئیں تو پیسے کے لالچ میں حملے کر کے زبردستی بھی کی۔ کوئی عورت ہاتھ لگی تو وہ بھی سنبھال لی۔ ان تمام واقعات میں کوئی ایک قصہ بھی ایسا نہیں کہ عورتوں کے کپڑے اتارے ہوں یا ننگے جلوس نکالے ہوں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے ہوں۔ حالانکہ بگڑے ہوئے جلوا نہیں ہٹا کرتا لٹھ پونگا ہی ہوا کرتا ہے۔ اور پھر جب تباہ کرنے والا طاقت ور دشمن زیر ہو جائے تو زیادتیوں کا ہو جانا قابل گرفت نہیں۔ ایسی بے غیرت تہذیبیں ہندوؤں نے صرف اس لئے اٹھائیں کہ کمینی حرکتوں سے بھی انتقام لیا جا سکے۔ ان سورماؤں نے بدلہ بھی کن سے لیا جن کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کیا واقعات ہو رہے ہیں کن علاقوں میں فساد ہے۔ بہادری تو یہ تھی کہ جنہوں نے زیادتی کی تھی ان سے ہی بدلہ بھی لے کر دکھاتے۔ جنہوں نے عورتیں چھینی تھیں ان سے ہی انتقام بھی لیتے۔ مشرق کے دور دراز کے علاقے پر ٹوٹے اور بے گناہوں پر انتقام کی آگ بھڑکائی۔ غریبوں محتاجوں مزدوروں پر بہادر بنے اور بے خبروں پر لام بندیاں کیں۔ اور حال یہ ہے کہ پولیس اور فوج ساتھ نہ دیتی تو وہ بے خبر مسلمان بھی ان کی سازشوں کو ناکام کر کے منہ پھیر دیتے۔ ہرگز مغلوب نہ ہوتے۔ اکثر جگہ ایسا ہوا ہے کہ جب تک دس گنی مدد نہ پہنچی یا پولیس نہ آئی مسلمان زیر نہ ہوئے۔ یہ حقیقت ہے ان تازہ دم سورماؤں کی۔ سکھ غیرت و حمیت سے بیگانہ تو ان زیادتیوں کو

کیا محسوس کرتا۔ عورت کی عزت ان کے یہاں حقیقت کیا رکھتی ہے تعجب ہندو پر ہے۔ اس کی سمجھ سے یہ باتیں بعید تحقیق مسلمانوں نے کچھ کیا تو میدان جنگ میں فتح پا کر کرتے رہے۔ ہندو سکھ بہادری نے گھروں میں امن سے بیٹھنے والوں کے ساتھ انسانیت سوز حرکات کیں اور بہت ہی بہادر بن گئے۔

ہوشیار پور کے علاقے میں اس سے بھی زیادہ مظالم ہوئے خاص کر تحصیل اونا میں۔ وہاں پٹھانوں نے اور راجپوت زمینداروں نے روک تھام کی۔ کافی دنوں ریلا پیلی ہوتی رہی۔ اکثر حملے پسپا کئے گئے آخر بے شمار ہجوم نے فوجوں ...... کی مدد سے اس میدانی اور پہاڑی خطوں کو بھی خالی کرا لیا۔ پاکستان جو ابھی پہلا سانس بھی کھل کر نہ لینے پایا تھا پناہ گزینوں کی سنبھال میں الجھ گیا۔ نہ فوج تھی نہ اور کسی قسم کا سامان تھا۔ ہر طرف جلے ہوئے گھر اور ٹوٹے ہوئے مکانوں کے انبار تھے۔ پریشانی گرانی اور کمیابی جان کھینچ رہی تھی دل اڑے ہوئے طبیعتیں بکھری ہوئی۔ سارے سامان ہندو کی مٹھی میں تھے جنہیں دبوچے بیٹھا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فیصلے میں اسی لئے جلدی کی تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ یہ ننگے بھوکے تازہ مصائب میں مبتلا ہو کر وطن سازی کی خوشی کو پھینک کر انگریز اور ہندو کے قدموں پر جھک جائیں اور حقوق طلبی پر پچھتاوا کریں۔ جو کام ایک سال میں ٹھیک ہوتا یعنی چیزوں کا بٹوارہ اور اجناس کی تقسیم اس مذکور کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور پاکستان کی خالی زمین حوالے کر کے اپنے شیروں کو للکار دیا کہ پکڑ لو یہی وقت ہے۔ پھر کہیں مسلمان اطمینان سے بیٹھ گیا تو غوغائے رقیباں کا کیا فکر کرے گا بزدلوں کی گرفت میں کب آئے گا۔ ہندو کے ساتھ انگریز نے مسلمان کو مٹانے کی کوئی تدبیر اٹھا کر نہ رکھی۔ تمام دنیا میں انہیں کمزور کیا۔ کہیں مکر سے کہیں زور سے اسلامی ممالک کو قبضایا ہندوستان میں تو وہ مظالم کرلئے کہ رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔ جس طرح ہندوؤں کو ابھار کے دستے کمر زندہ کیا تھا مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی کو بھی جھٹکے دیتا تو اس کی زندگی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایک انصاف پسند تیز نظر امریکی پادری نے اپنی سیاحت و قیام کے دوران میں مسلمانوں کی حالت کا صحیح مطالعہ کر کے صاف لکھ دیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں انگریز نے تباہ حالی کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ ان کی حالت بہت خراب ہے نہ تعلیم ہے نہ تجارت ہے نہ فہم و فراست ہے نہ حکومت میں اختیار و اقتدار ہے نہ بازاروں میں ہیں نہ دربار میں۔

پاکستان جس حال میں بھی تھا اس نئی مصیبت کو سنبھالنے کے واسطے مستعد ہی صبر و استقلال و ہمت کے ساتھ

اُٹھا۔ جتنے بھی ذرائع اور سامان تباہ شدہ بدحال مسلمانوں کو سنبھالنے کے میسر آ سکے مہیا کئے گئے دور دور تک پہنچا دیے اور آدمیوں کی ڈھلائی شروع کر دی۔ فوج کے جو تھوڑے سے سپاہی موجود تھے اس کام پر لگا دیئے۔ انہوں نے بھی قربانی اور ایثار کے ساتھ لاریاں گاڑیاں بھریں اور بے سروسامان قتل سے بچے ہوؤں کو جس طرح بھی ہو سکا پاکستان پہنچایا۔ تباہ حالت دیکھ کر مایوسی کی جگہ ہمت اور جوش بڑھایا اور جہاں تک بھی کوشش کا قدم پہنچا مردوں عورتوں بوڑھوں کو سمیٹ سمیٹ کر لے آئے۔ جنوبی ہند کی چھاؤنیوں سے چلے تو ہر سٹیشن پر تباہ حالوں کے جمِ غفیر دیکھے جو ہندو اور سکھ درندوں کی ٹھوکروں میں پامال ہو رہے تھے۔ عورتوں کو دیکھا کہ بے غیرت وحشیوں کی بے غیرتی کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔ جس کو چاہتے تھے بے پردہ کر دیتے تھے جس کو چاہتے تھے مظلوم وارثوں کے ہاتھوں سے چھین لیتے تھے۔ گاؤں، شہر اور وطن میں جو مظالم کر چکے تھے۔ اُن پر اکتفا نہ کر کے سٹیشنوں پر بھی چھاپے مار رہے تھے۔ کہیں چھپ جاتے تھے تو نکال کر بقیہ مظالم پورے کرتے تھے۔

مسلمان کیسا ہی جاہل اور بے حس کیوں نہ ہو۔ ناموس کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا۔ ناموس کے اوپر جان دے دیتا ہے۔ یوں روزمرہ کے حادثات اور قتل و خون میں بھی دوسری قوموں کے یہاں اگر روپے پیسے اور ڈھور کھیتی کے تصادم ہیں تو اُس کے یہاں پچاس فی صدی عزت و ناموس کی حفاظت میں ہیں۔ پاکستان آنے والی رجمنٹوں نے یہاں سے بھی گذر ہوا۔ ان مظالم کو دیکھا۔ بیشک مجبوری تھی۔ اُن کے علاقوں میں اُن کے ہی ہاتھوں کے درمیان آ رہے تھے لیکن اُن غیرت مندوں کو گوارا نہ ہوا کہ وہ پاکستان کے امن میں پہنچیں اور وہ تباہ شدہ درندوں کے ہاتھوں ذلیل ہو کر ختم ہوں اسی غیرت اور ہمدردی میں جہاں بھی ٹھیرے۔ اُن خانہ خرابوں پر ٹوٹ پڑے۔ عورتوں کی عزت بچائی اور اپنی گاڑی میں سوار کر لیا ایک مشہور ممتاز رجمنٹ متوسط ہند اور ریاستوں کی سرحد سے گذر رہی تھی۔ جب وہ لوگ سٹیشن پر ٹھیرے تو مسافر خانے میں دیکھا کہ کچھ بوڑھے بچے تباہ حالت میں بیٹھے ہیں اور ہندو سکھ پاس کھڑے عورتوں کو چھیڑ رہے ہیں۔ کوئی ہاتھ پکڑتا ہے۔ کوئی برقع کھینچتا ہے۔ دو تین سپاہی نیچے اُترے۔ دوسروں کو آواز دی اور جھپٹ کر اُن عورتوں کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پہلے تو وہ چھیڑنے اور تنگ کرنے والے کچھ گرم ہوئے۔ جب دیکھا کہ اسپیشل سے بہت سے سپاہی لپکے ہوئے آ رہے ہیں تو دم دبا کر کھسک گئے اور ہٹ کر سٹیشن کے سپاہیوں اور عملے کو آگے بڑھا دیا وہ بہت اُبلے اور دھمکیاں دیں۔ لیکن اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کر پیچھے ہٹا دیا گیا اور پھر اُن بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو اسپیشل

میں لا بٹھایا۔ اس طرح آنے والے سپاہیوں نے بہت سوں کی جان بچائی۔ ایسے واقعات ہوئے کہ مصیبت زدوں کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ اس خصوص میں جو کام بلوچ رجمنٹ نے کیا وہ تاریخ میں زریں حروف سے لکھا گیا ہے۔ کئی جگہ ظلم و ستم دیکھ کر ہجوم کی پروا نہ کر کے بزدلوں کو گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا کھیت ڈال دیئے۔ واقعی مسلمانوں کی سی شجاعت کے نمونے دکھائے اس طرح کہ بلوچ رجمنٹ کے نام سے ہندوؤں اور سکھوں کی جوتیاں ڈھیلی ہونے لگیں۔ بس ان دونوں کی بہادری اتنی ہی تھی کہ جب دیکھ لیتے تھے کہ بے بس نہتے ہیں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں تو بہت پینترے کاٹ کاٹ کر حملے کرتے تھے لیکن جہاں جھوٹوں معلوم ہو جاتا تھا کہ بندوق ہے یا کوئی جاندار سامان ہے تو اُدھر کو منہ نہ کرتے تھے۔

اُن علاقوں کے اکثر مسلمان بمبئی حیدر آباد یا بھوپال چلے گئے اور اکثر یونہی ٹھکرا ٹھکرا کر اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر دوڑتے بھاگتے چل بسے۔ ایسا ہوا کہ اطمینان دلا دیا گیا اپنے اوطان میں واپس گئے اور کمینے دشمنوں نے پھر حملے کر کے ریاستی علاقوں سے نکال دیا۔ پھر کہیں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ پٹیالے اور دیگر سکھ ریاستوں کے سپاہی فیروز پور جالندھر اور ہشیار پور کو تباہ کرتے ہوئے مقامی سنگھیوں اور سکھوں کو لیتے ہوئے کچھ تو لدھیانے انبالے اور سہارن پور کی طرف کو بڑھے اور کچھ ضلع کانگڑے میں گھس گئے جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ان کو نہایت ظلم و ستم سے مارا بیچارے بے کسی و بے لبسی کا بہت آسانی سے شکار ہو گئے۔ ڈوگروں نے آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر نہایت بے رحمی سے ذبح کر دیئے۔ ایک ملاجی کسی گاؤں کی مسجد میں امام تھے۔ ایک مہینے تک مصیبتیں جھیلتے بچتے کھنچتے ہانپتے کانپتے شملے پہنچے۔ کہانی سنائی کہ گاؤں پر حملہ ہوا۔ مسلمانوں کے دو مختصر سے محلے تھے۔ حسب دستور پہلے بلا امتیاز مرد و زن کو ذبح کیا اور پھر عزیبوں کو لوٹ کر جوان عورتوں کو پکڑے گئے۔ میں کسی صورت بچ کر قریب کے جنگل میں چھپ گیا اور اندھیرا ہونے تک جھاڑیوں میں دبا بیٹھا رہا۔ پھر نکلا اور ایک راستے پر ہو لیا۔ رات کے سناٹے میں ہر آبادی کے قریب سے گذرتے ہوئے چیخ پکار کی آوازیں سنتا تھا۔ کوئی ذرا سی بھی آہٹ معلوم ہوتی تھی تو قریب کی جھاڑیوں میں چھپ جاتا تھا۔ دن نکل آتا تھا تو راستے کی کسی جھونپڑی میں یا چرواہے کی پناہ میں تھوڑا بہت وقت گزار لیتا تھا۔ دو اک مرتبہ فاقوں نے ایسا ستایا کہ بیتاب ہو کر احتیاط بالائے طاق رکھ دی اور موت کے منہ میں پھنس کر نکلا۔ کہیں خوشامد کی کہیں پاؤں پکڑے اور ٹھکرا کر ایک طرف پھینک دیا گیا۔ پیری نے صید زبوں بنا

دیا تھا۔ اس سفید داڑھی نے بھی کئی جگہ شفاعت کی۔ ایک روز ڈھلان کے اوپر کی طرف شور سنا۔ نظر اٹھا کر دیکھا کہ گھروں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور پانچ چھ آدمیوں کو پکڑے ہوئے لا رہے ہیں۔ میں ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کچھ دور آ کر ان آدمیوں کو قتل کر دیا۔ میرا دل الٹ گیا اور دماغ قابو میں نہ رہا۔ وہیں سے پھسل کر پگڈنڈی سے الگ ہو کر بے راہ چلنے لگا۔ کچھ ہوش نہ تھا کہاں جا رہا ہوں۔ بس اتنا ہی محسوس ہو رہا تھا کہ رخ شملے کی طرف ہے۔ تیسرے پہر ایک چوراہے پر پہنچا۔ پانچ چھ آدمی بھالے اور خنجر لیے بیٹھے تھے۔ نیم جانی کی حالت میں سامنے سے گذرنے لگا تو ایک نے ٹوک کر ٹھیرا لیا۔ میں چادر اس طرح اوڑھے رہتا تھا کہ سر داڑھی اور آدھا جسم اس میں چھپا رہتا تھا۔ اس کی آواز پر گھبرا کر رکا اور چادر کے لپیٹ ڈھیلے ہو کر نیچے سرک گئے۔ ہاتھ بے قابو ہو گئے وہ میرے پاس آ گئے۔ مجھے یقین تھا کہ اب اس دردناک زندگی سے چھٹکارا ہو جائے گا لیکن داڑھی اور ضعیفی سفارشی بن گئی۔ دو چار سوال کر کے انہوں نے دھکیل دیا۔ اور پوچھنے پر شملے کے راستے کی طرف اشارہ کر دیا۔ ہر صدر مقام اور چوراہوں پر یہی حال تھا۔ بہر صورت میں کہیں راہ اور کہیں بے راہ پڑتا چلتا یہاں پہنچا ہوں۔ دو اک آدمیوں نے حیران ہو کر سوال کیا کہ لالہ جی اب سب کچھ تباہ ہو گیا تھا؟ ایسی کیا اللہ آمین کی جان تھی جس کے لئے اتنی تکلیفیں اٹھائیں ہیں۔ یہاں بھی کیا قلعے میں پہنچ گئے ہو حالات تو وہی ہیں۔ بیچارے نے آہ کھینچی اور چپکے سے کہا کہ جان بہت عزیز چیز ہے۔

تمام اطراف میں دوراہے چوراہے اور راڈے روک لیے گئے تھے۔ یہاں تک کہ اسٹیشنوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا تھا۔ اپنی طرف سے بچ کر نکل جانے کی کوئی راہ نہ چھوڑی تھی۔ انبالے چھاؤنی کا اسٹیشن خاص طور سے قتل گاہ بنایا گیا۔ ہر طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں کی باقاعدہ تلاشی لی جاتی تھی۔ مشتبہ لوگوں کو ننگا کر کے دیکھ لیا جاتا تھا۔ اس طرح چن چن کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ شملے کے راستے میں چاروں طرف سے مسدود کر دیے گئے۔ پہاڑوں کی پگڈنڈیوں تک پر پہرے تھے۔ نیچے کالکے سے آگے ٹھکر تک ہزاروں کی تعداد میں سکھ پھیلے ہوئے تھے۔ زمین کی سطح پر مسلمان کے لئے بچاؤ کی صورت ختم کر دی گئی تھی گویا وحشیوں نے اپنی طرف سے اس قوم کو ختم کر دینے کا پورا اہتمام کر لیا تھا۔ پروگرام اور تنظیم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک نقل و حرکت کے لئے دن منٹ اور سیکنڈ مقرر تھے۔ اس وقت بھی شملے میں چودہ پندرہ ہزار

آدمی موجود تھے۔ باقی آس پاس کے علاقے سے پہنچ کر تعداد میں اضافہ کر رہے تھے۔ ۱۵- اگست سے پہلے تک جان تھی کی سکت
تھا توان تھا۔ مقابلے کی ٹھان رکھی تھی۔ گو بے سروسامانی نہ ہی تھی جو اور مقامات پر تھی۔ بہت سوں کے پاس ڈنڈا چاقو بھی
نہ تھا بعض نے البتہ کچھ سامان مہیا کر لیا تھا۔ وہ وہی صاحب مکنت تھے جو جاپان سے یا دیگر ذرائع سے بندوقیں بہم پہنچا سکتے
تھے۔ تنظیم مفقود تھی نہ کوئی تجربہ تھی نہ پروگرام۔ خود مولوی ذکاء اللہ مرحوم کو بھی معلوم نہ تھا کہ حالات بگڑ رہے ہیں کیا
کرنا ہے۔ جو بھی عزیز وہاں کے اکلوتے لیڈر تھے۔ تیسری ستمبر سے جب فضا بگڑ رہی اور فارغ شدہ جتھے چاروں طرف سے
ٹوٹ پڑے تو خود ان کی جان کے لالے پڑ گئے اس لئے کہ سنگھی ان کے درپے تھے۔ مسلمان محلوں اور مکانوں میں
بند ہو گئے۔ جو فوج شہر کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی تھی وہی مسلمانوں پر تشدد کرتی تھی، کسی پر فائرنگ کا الزام
لگا کر کھینچتی تھی کسی پر بم سازی کا بہتان باندھ کر ذلیل کرتی تھی۔ کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی اس لئے باہر جھانک بھی نہ دیکھ
سکتے تھے۔ بالآخر کار تلاشیاں لے کر وہ چاقو اور ڈنڈے بھی ایک ایک سے لے لئے گئے۔ اب مسلمان گوسفند
کی طرح بالکل ہی بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔ ہر وقت کے نعرے ہر وقت کا خطرہ راتوں پہرہ دن بھر پہرہ۔ جب چاروں
طرف سے شور بلند ہوتا تھا تو جلانے کی لکڑیاں لے کر باہر آ کھڑے ہوتے تھے عجب بے بسی و بے کسی تھی۔ آدمی
پریس میں حاجی منظور علی صاحب اور ان کے نیک دل صاحبزادے فضل الشافی نے کیمپ بنا لیا تھا۔ ٹوٹے
حال پریشان مسلمان کافی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے۔ دو اک بندوقیں تھیں اسی وجہ سے سنگھی بہادر قریب نہ آتے۔ مہادیو
جی کو پکارتے رہے۔ یہی دیکھا گیا کہ جہاں مقابلے کا یقین ہوتا تھا۔ اور بندوق کی بھی خبر سن لیتے تھے اس مقام کی ہوا
نہ دباتے تھے۔ تارا سنگھ کے سورما جو کئی مہینے پہلے سے وہاں کے گوردوارے میں شمشیر زنی کی مشق کر رہے تھے۔
اتنا ہی سورماپن دکھا سکے کہ مزدوروں اور غریبوں پر تلواریں چلائیں یا اکا دکا راہرو کو دس بیس نے مل کر ذبح کر لیا۔ جہاں
دو چار گھر مسلمانوں کے تھے ان کو مارنے کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے۔ بہر صورت وہاں سے نکاس کا لگا لگا
اور کارگاہ میں کیمپ کھل جانے کے سبب سے مسلمان حضر سے زیادہ سفر کے خطرے بھگتتے ہوئے کیمپ میں پہنچنے
لگے۔ پہلی جمعیت کو تو دشمن نقصان نہ پہنچا سکے اس لئے کہ آٹھ دس مسلمان سپاہی وہاں موجود تھے جنہوں نے
حفاظت میں جان لڑا دی۔ جب پانچویں دن وہ چھاؤنی بھیج دیئے گئے تو ہنک رجمنٹ والوں کے جتھے لے کر
دوسرے دن ۲۲ ستمبر کو چھ ہزار آدمی نو بوگیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھر کر اور سامان کا حبہ حبہ لوٹ کر ان کے

کپڑوں کے ساتھ لاہور بھیج دیئے گئے اس طرح کہ نہ کہیں پانی تھا نہ روٹی۔ بیک یعنی دو دو گونیں گھڑے تھے ایک کا منہ دوسرے سے جڑا ہوا تھا۔ نہ ہاتھ کھینچ سکتے تھے نہ پاؤں اٹھا سکتے تھے۔ دوسری جمعیات جو کالکا پہنچی فوجیوں اور سکھوں نے ان پر حملہ کر کے جانی نقصان پہنچایا اور ایک مہینے تک ٹھہرا کر ایذائیں پہنچائیں۔

یہ ہنگامے پنجاب سے چل کر مغربی یو۔پی میں بھی پہنچ گئے۔ اگر حکومت کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھ جاتی تو دشمنا بالکل تیار تھی۔ گنگا جمنا کا دوآبہ مشرقی پنجاب کی طرح مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن جاتا۔ پھر بھی چند اضلاع میں سخت ہنگامے ہوئے۔ ضلع علیگڑھ بلند شہر اور میرٹھ میں حالات بگڑے۔ کوہاٹی پشاوری ہندو اور سکھ پہلے ہی سے اچھے مقامات تاک چکے تھے شملے تک کے ٹھنڈے سٹیشن اور ادھر دہرہ دون اور منصوری تک کے عمدہ مقامات پر ڈیرے ڈال کر بخت و نیز میں مصروف ہو چکے تھے۔ وقت آتے ہی منصوری میں فتنہ اٹھایا پھر ڈیرہ دون میں قتل عام کیا۔ سہارنپور میں ہنگامے برپا کئے۔ خاص کر ہردوار کے پاس جوالاپور والوں پر ٹوٹ کر گرے لیکن انہوں نے نہایت بے جگری سے مقابلہ کر کے کئی روز روکے رکھا اور جب تک فوج نہ آگئی آسانی سے تباہی پر راضی نہ ہوئے سخت مقابلے کے بعد فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے اور پھر جو گذرنی تھی گذری۔ منصوری اور ڈیرہ دون خالی کرا لئے گئے۔ سہارنپور کے مضافات سے بھی ایک تہائی مسلمان پاکستان کی پناہ گاہ میں پہنچ گئے۔ بہت سے ایسے بھی آگئے جو ہندوؤں کی ٹھوکروں کو گوارا نہ کر سکے بے عزتی اور مستقبل کی تکلیفوں سے گھبرا گئے۔

جب پٹیالے والے نے دیکھا کہ کام حسب منشا چل پڑا ہے تو پھر ریاست کے امن سے بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ظلم کئے کہ کسی حاکم نے رعایا کے ساتھ ایسے ظلم نہ کئے ہوں گے۔ گاؤں گاؤں پر یورشیں ہوئیں مجبور بے دست و پا مسلمان بے رحمی سے ذبح کئے گئے۔ قتل و غارت دنیا میں انوکھی چیز نہیں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ لیکن جو درندگی عورتوں کے ساتھ اس ریاست میں ہوئی اس کی مثال سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔ عزت سے گھر میں بیٹھنے والیوں کو ننگا کر کے جلوس نکالے گئے جنہوں نے ان میں سے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے پردہ پوشی کی ان کے ہاتھ کاٹے گئے۔ بال نوچے گئے۔ رکاوٹ ڈالنے والی عورتوں کو ننگے غنڈوں سے مارا گیا۔ اس قوم نے چالیس ہزار عورتوں کو ظلم و جور سے قابو کر کے بے حرمت کیا۔ جس قوم نے چھاتیاں کاٹ کر ہار پہنے ہوں جس قوم نے بچوں کو ذبح کر کے آگ پر بھونا ہو۔ گوشت چبا کر کھایا ہو۔ وہ اب انسانیت کا کس طرح دعویٰ کر سکتی ہے۔ ان وحشیانہ کاموں

کے لئے جواز یہ نکالا کہ مسلمانوں نے مغربی پنجاب میں ایسے ہی مظالم کئے تھے۔ ایک بے بنیاد پروپیگنڈے کو قلبی عداوت سے جامہ پہنا کر مسلمان کے سینے میں وہ ناسور ڈال دیا کہ جب تک زمین پر سورج چمکتا رہے گا مسلمان اس کو بھلا نہ سکے گا۔ یہ داغ نسل در نسل تازہ رکھا جائے گا۔ آنے والی نسلوں کو یہ درد وراثت میں ملتا رہے گا

ضلع کرنال کے ایک ستم رسیدہ انسان نے سنایا کہ گاؤں پر حملہ کیا گیا۔ دو ہزار کی آبادی پر ہزاروں کا جمِ غفیر ٹوٹ پڑا۔ شام کا وقت تھا جب مقابلہ کرنے والے پسپا ہو گئے تو گاؤں لوٹ لیا گیا۔ جو ہاتھ آیا اسے کاٹ پھینکا۔ کتنی عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگیں لگا کر پانی کی آغوش میں عزت بچائی۔ بچے کھچے جھاڑیوں میں جا چھپے۔ جب اندھیرا چھا گیا تو نکل نکل کر جدھر منہ اٹھا چل پڑے۔ راوی کے ساتھ چند آدمی جمع ہو کر کرنال کی طرف چلے۔ ساتھ کچھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اتنے میں کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اس لئے کچے راستے سے ہٹ کر پاس کی جھاڑیوں میں جا چھپے۔ آنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ آدمی ہیں چاروں طرف پھیل کر ڈھونڈنے لگے۔ کچھ ہاتھ آ گئے کچھ ادھر ادھر نکل گئے۔ کہا کہ میں ایک جھاڑی سے چیخ پکار کی آواز سنتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ دور تک اکیلا چلتا رہا۔ پھر کچی سڑک پر آوازیں آئیں۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ تین ساتھی جان بچانے ہوئے جا رہے ہیں۔ قریب تک کر آواز دی اور اکٹھے چلتے چلتے نہر کے کنارے پہنچ گئے۔ بائیں طرف گاؤں تھا جس سے چیخوں کی آواز آ رہی تھی۔ غنیمت ہوا کہ پل پر اس وقت کوئی نہ تھا۔ البتہ یہ محسوس ہوا کہ ایک گٹھڑی سی جنگلے سے لگی ہوئی رکھی ہے ہلایا جلایا تو مری سی آواز آئی کہ میں فلاں ہوں۔ پاس کے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ تھوڑی دیر ہوئی گاؤں والوں ہی نے حملہ کر کے بچوں کو مار ڈالا اور عورتوں کو ننگا کر کے درختوں میں لٹکایا ہوا ہے۔ یہ جو تم چیخیں سن رہے ہو انہیں کی ہیں۔ تین چار آدمی پیپل کے نیچے بندھے پڑے ہیں اور ان نیم مردوں کے سامنے بے حرمتی کر رہے ہیں۔ میں نے کچھ ہاتھ پاؤں مارے تو خوب کوٹ کر بوری میں بند کر کے یہاں نہر میں ڈال گئے۔ اتفاق سے پانی زیادہ نہ تھا۔ بصد مشکل کھسک کر کنارہ پکڑ کر باہر آ گیا اور یہاں تک توان نہ رہنے کے سبب پڑا رہا چل نہیں سکتا۔ ہم نے سہارا دے کر اسے ساتھ لے لیا۔ اب رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ نہر نہر مسلمانوں کے گاؤں میں جا پہنچے۔ دوسرے دن اسے بھی فوج نے آگھیرا اور سارا گاؤں لٹتا گھسٹتا کرنال کیمپ میں آ پہنچ گیا جانیں تو سلامت آ گئیں لیکن وہاں غلاظت اور ہیضے کی مصیبت جھیلی۔

ایک حوالدار نے چشم دید واقعہ سنایا کہ جب لاہور میں فسادات ہو رہے تھے تو میری ڈیوٹی باغبان پورے میں ہو رہی تھی۔ ایک سکھ عورت نہایت تیز طرار وہاں کے فسادات کی روح رواں و طبیعت ہر وقت تلوار میں دبائے جتھوں کی رہنمائی کرتی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ تم لوگ اپنی طرف سے کوئی فتنہ نہ اٹھاؤ۔ ہم حفاظت کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں تم پرواہ نہ ہونے دیں گے۔ ہر طرف سپاہی پھیلے ہوئے ہیں اطمینان سے گھروں میں بیٹھے رہو وہ مایۂ فساد ظاہراً تسلی دیتی رہی اور خفیہ طور پر سازشوں میں جان ڈال کر فساد کراتی رہی۔ ایک دن یہ ظلم کیا کہ گھر کے سامنے ایک مسلمان خاندان رہتا تھا اس پر حملہ کر کے تمام مرد عورتیں اور بچے ذبح کر دیئے۔ ہم خبر پاتے ہی دوڑے جب اس مکان پر پہنچے تو ایسا دردناک منظر دیکھا کہ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ زیادہ یہ کہ ظالم سکھوں نے مقتولہ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر بیرونی دروازے کے دونوں طرف کیلوں سے ٹھوک کر لگا دی تھیں۔ اس حالت نے خون کھولا دیا۔ اگر ڈیوٹی پر نہ ہوتے تو اس غم غصے میں کم سے کم اس عورت کو ضرور قتل کر دیتے۔ تاہم اس حرافہ کو پکڑ کر افسروں کے حوالے کر دیا۔ افسر بھی زیادہ تر ہندو اور سکھ تھے انہوں نے ظاہر داری برتا اور پوشیدہ طور پر اسے کسی طرف بھگا دیا آخر میں آزاد کر کے مشرقی پنجاب جانے کی اجازت دے دی اور ہم دانت پیستے رہ گئے۔ اس کی قساوت اب تک یاد آتی ہے۔

یہ ہیں دو چار واقعات ان بے گناہوں کی مصیبت کے جو اس مہذب زمانے میں ایسے وحشیانہ مظالم کا شکار ہے ہر مقام پر اس سرے سے کر اس سرے تک ایک ہی طرح کے حالات گذرے جن کو تاریخ جمع کرے گی تو مصائب و مظالم کا ایک دفتر بنے گا۔ یہ ہے مختصر سی روداد اس مہذب اور شائستہ زمانے کی جسے انگریز نے بنایا اور ہندوؤں نے شاگرد بن کر تعلیم کے دعوے کے ساتھ بربریت دکھائی۔ سکھوں نے چنگیز اور اٹیلا کے کارناموں کو گرد کر دیا۔ انسانیت کے دامن پر وہ داغ لگایا کہ جب قوموں کو اس کی تفصیل معلوم ہوگی اور حقیقت سامنے آئے گی تو انگشت بدنداں رہ جائیں گی۔ مادرِ وطن پر وہ دھبہ نقش کر دیا کہ جب ان کے پروپیگنڈے کی نجاست دنیا کی آنکھوں سے ہٹ جائے گی تو ان کی شقاوت پر لعنت بھیجے گی۔ یہی وہ ظلم تھا کہ جس پر مہاتما گاندھی تڑپ اٹھے۔ روکنے کی دوڑ دھوپ کی۔ چاہا کہ کسی طرح مسلمانوں کے زخموں کا اندمال کر دیں۔ کلکتے میں کامیابی ہوئی لیکن جو طبقہ پنجاب سے گیا تھا جس کے پروپیگنڈے نے فضا اتنی مسموم کی تھی اس پر اثر نہ ڈال سکے۔ ارادہ کیا کہ مشرقی و مغربی پنجاب کا دورہ کر کے کسی طرح بھڑکی ہوئی آگ

...لم کریں وہ آگ جو ان کے خیال سے بھی بہت زیادہ بھڑک گئی تھی۔ بس نہ چلا تو پراتھنا کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ ...ی کے عبادات میں محلوں میں جا کر روکتے رہے۔ اس ہمدردانہ خیال کا آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ ان پر پراتھنا کے وقت بم پھینکا گیا ...کہ وہ اس پند و وعظ سے باز آجائیں۔ جب وہ اس سے بھی نہ رکے تو ان تمام تباہیوں کی علمبردار پارٹی آگ بگولہ ہو گئی اور ...رام گاڈسے نے ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندو قوم کے ناجی اور اپنے اس محسن کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ صرف اس خطا پر کہ وہ قتل و غارت اور ظلم و ستم سے روکنا چاہتے تھے۔ اصل میں ہندوؤں کو یقین ہو چکا تھا کہ بس اب ہم مسلمانوں کو مٹا دیں گے کوئی ہمارا ہاتھ نہ روکے۔ جو قوم اپنے مہاتما کی جان لے چکی ہو ان کے عزائم کا اندازہ مسلمانوں کی تباہی سے نہیں اس انسان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے لگانا چاہیے۔ ان حادثات کے بعد بھی ہندو قوم نے جو ارادہ کر رکھا ہے گاڈسے کے عدالتی بیان کا ایک ایک لفظ اس کا ترجمان ہے۔ وہ کھلم کھلا ظلم و ستم سے اور بعض مصلحت اندیشوں کے خیال پر پالیسی اور چال سے مسلمانوں کو ہندوستان سے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ ذرا سی کامیابی پر آپے سے باہر ہو گئے ہیں نا عاقبت اندیشی سے یہ خیال باندھ لیا ہے کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ "ایں خیال است و محال است و جنون"۔

بیشک انہوں نے مسلمانوں کے تشدد سے فائدہ اٹھا کر تھوڑی سی کامیابی حاصل کر لی۔ ستر لاکھ بے خانماں کر دیئے دس لاکھ موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ حیدر آباد کو مٹا کر دس لاکھ تباہ کئے اور پانچ لاکھ کو بے دردی سے ذبح کر دیا لیکن ان مہاشے بہادروں کو واضح رہے کہ مسلمان کو سرزمین ہند سے مٹا دینا آسان کام نہیں۔ وہ کسی دیوی دیوتا اور گرو کا قائل نہیں ہے بلکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ کا قائل ہے۔ عنقریب جب اپنے اختلاف اور تشدد کو چھوڑ کر اتحاد اور رائے کی یگانگت پر آجائے گا تو وہ مصنوعی بہادروں کے خیال کو عملاً غلط ثابت کر دے گا۔ قائد اعظم مغفور نے پاکستان بنوا کر اس کی مستقل حیثیت بنا دی ہے۔ ہندو کے تمام عزائم کے باوجود ملک کے پانچویں حصے کا مالک بن چکا ہے اور اس مامن گاہ کا محافظ ہے۔ مستقل مزاجی سے ایسی ضربیں برداشت کر چکا ہے کہ دوسری قوم کے لئے ایسی ضربوں کا اٹھانا اور سہنا ناممکن تھا۔ ستر لاکھ تباہ حالوں کو سنبھال چکا ہے۔ قائد اعظم کے حواریوں میں سے جن کو مرکز کی ذمہ داریاں حوالے کی گئی ہیں وہ مخلص ہیں قوم کی بہتری بہبودی کے خواہاں ہیں۔ قوم کو ان کی ہمدردی پر اعتماد ہے۔ وہ نظام حکومت کو کینڈے پر لے آئے ہیں۔

بے جان جسم میں جان ڈال لی ہے۔ محکموں کے ڈھانچے کو کھڑا کر لیا ہے۔ بچاؤ کا سامان بھی مہیا کر چکے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی حالات کو حسبِ توفیق سنبھال رہے ہیں۔ جن چیزوں سے ہندوؤں نے بندر بانٹ کر کے محروم کر دیا تھا وہ بھی فراہم ہوتی جاتی ہیں۔ اختلافات قوم اور پاکستان کے نام پر فنا ہوتے جاتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں جن کی وجہ سے روز بروز دکھ سے سر رکھتی جا رہی ہیں جن کی کمزوری پر ہندوؤں کی چالوں کا بھوت نا چڑھ گیا تھا ہوش میں آ رہے ہیں۔ اخوتِ اسلامی میں منسلک ہوتے جاتے ہیں۔ عنقریب حالات بہتر ہو جائے گی اور مسلمان ایک خدا پر جمع ہو کر اپنے فطری اختلاف کو مٹا دے گا۔ اتحاد کی طاقت سے سرفراز ہو گا۔ تمام خیالات کی نیریاں توڑ کر صرف توحید پرستی کے نغمے پر کان لگا دے گا۔ پھر ایک مرتبہ توان پکڑ کر ہندو کے خواب کو پریشان کر کے رکھ دے گا۔

گو ذہنیت کا تنزل رہنماؤں کی فہمائشوں پر بھی آخری حد پر پہنچ کر رہا۔ کسی نشتر نے آنکھیں نہ کھولیں۔ خیالی وہمی مذہب پر جھک گئے جو ذہنی عیاشی ہی کا ایک جزو تھا۔ قرآن مجید کو چھوڑ دیا۔ اسے صامت کہہ کر ردی میں ڈال دیا اور ناطقوں کی پوجا پر لگ گئے۔ خدائے واحد کی پرستش سے ہٹ کر در و دیوار کو سجدے کئے۔ اسلامی اخلاق اور عمل سے بیگانہ ہو کر جہالت کی تاریکی میں گر پڑے۔ بے پروائی غفلت اور ناسمجھی پیدا ہو گئی۔ لچے اور لفنگے بن گئے۔ ہندو نے مدتوں پہلے سے ضربیں لگائیں انجام نہ سمجھا۔ اب اس نے آخری ضرب لگائی ہے آنکھیں کھلی ہیں۔ جس تفرقہ انگریزی نے خدا سے بیگانہ کیا ہے اس پر نظر ڈالی ہے۔ ملت کی جمعیت پر غور کیا ہے یقیناً اب حکومت کے استحکام کے ساتھ تعلیمی غفلت بھی دور ہو جائے گی۔ اسکولوں اور کالجوں کی ہوا جاتی رہے گی۔ بے حسی اور لفنگے پن کو دور کر کے سنجیدگی اور غور و فکر سیکھیں گے۔ علم کو علم کے لئے حاصل کریں گے۔ حصولِ سند زندگی کا مقصد نہ رہے گا۔ قومی خصوصیات تازہ ہو جائیں گی۔ اخلاق و عادات پر جو انگریزی نقالی کا غلاف ہے اتر جائے گا۔ تربیت کی رسم پھر تازہ کر لی جائے گی۔ ذہنیت پھر ترقی کرے گی۔ اسی کی کمی ہے سمجھ کی کمی ہے۔ ذہنیت بن جائے گی تو کسی تازہ تحریک کی ضرورت نہ رہے گی خامیاں آپ دور ہو جائیں گی۔ خدا والا اسلام ہو گا۔ بزرگانِ دین کی پرستش جاتی رہے گی۔ تفرقے مٹ جائیں گے۔ قوم ایک قوم ہو گی دین ایک دین ہو گا۔ کام کی دھن ہو گی اولوالعزمی تازہ ہو جائے گی۔ پھر دشمن خائب و خاسر ہوں گے اور مسلمان ہندوستان میں زندوں کی طرح جئے گا۔

سیفی! یہاں ہر بات ہے ممکن دم پکڑو مایوس نہ ہو
ہجر کی راتیں کٹ جائیں گی وصل کے دن بھی آئیں گے

گیارھواں عکس

علم و عقل۔ (مکالمہ)

جس نے دی ہے حیاتِ بشر کو تاب و تپش
دگرنہ پست ہی رہتا یہ بندۂ جذبات (کیفی)

ناظر۔ حبیب صاحب اس مرتبہ تو آپ مدت کے بعد تشریف لائے۔ فرمایئے کیسا مزاج ہے؟ خیریت ہے بچے اچھی طرح سے ہیں؟ اُس معاملے کا کیا ہوا؟ اب تو حسبِ منشا طے ہو گیا ہوگا؟

حبیب۔ جی ہاں خیریت ہے۔ کچھ تو اُس معاملے کی پریشانی تھی۔ پچھلے دنوں چھوٹا بچہ بیمار ہو گیا۔ اُس کی تیمارداری نے مہلت نہ دی۔ واقعی اس مرتبہ ذرا تاخیر ہو گئی۔ ورنہ خیال تو اِدھر ہی الجھا رہا ہے۔ پچھلے مہینے کے شروع میں حاضر ہوا تھا۔ یاد ہوگا وہ دو اجنبی سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان سے کھیتی باڑی زمینداری آموں کے باغ اور کسی وقف کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

ناظر۔ کیوں بچے کو کیا ہو گیا تھا وہ تو اچھا تندرست اور چست بچہ ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ ہوشمند اور توانا ہوگا۔ اب ٹھیک ہے؟

حبیب۔ جی ہاں حالت تو اب سنبھل گئی ہے۔ لیکن حکیموں اور ڈاکٹروں کی طرف سے بہت مایوسی ہے۔ ویسے تو کثرت ہے مریضوں سے زیادہ ہیں گلی کوچے بھرے پڑے ہیں لیکن بات وہی ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں پیسے کے لئے۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ محنت سے ہنر کمال حاصل کریں گے تو پیسہ آپ کھنچے گا مقناطیس کی طرح برسے گا۔ اُلٹی سیدھی سند لے کر چلے آتے ہیں محض سفارشوں سے۔ نہ فن سے طبعی مناسبت نہ علم نہ محنت۔ بیمار طبیعت کے زور سے سنبھل گیا تو واہ وا ورنہ اُن کی

بلا سے انہیں تو مرض نہیں چاہیے۔

ناظر۔ تو یہ فرمایئے کہ بچے کی حالت ابھی نہیں سنبھلی۔ پھر اس کا کیا تدارک کیا ہے؟ ان لوگوں کی کچھ نہ پوچھئے بہت بے سندی بے تعلیم ہی چلے آتے ہیں۔ بلکہ نفس اور موسم پر بن بیٹھتے ہیں۔

حبیب۔ حالت تو اب اچھی ہے۔ کمزوری البتہ بہت ہے۔ اس لئے کہ صحیح علاج نہ ہونے کی وجہ سے طول کھینچ گیا۔ کمزوری بھی رفتہ رفتہ جاتی رہے گی۔

ناظر۔ یہ بیماریوں سے پیدا شدہ کمزوریاں بڑا فتور پیدا کرتی ہیں ان کو خاص توجہ اور مشورت سے دور کرنا چاہیئے۔ اقتضا اور اعضائے رئیسہ پر اثر ڈال کر شباب میں بھی تازگی اور توانائی نہیں آنے دیتیں۔ پھر سوائے اس کے چارہ نہیں رہتا کہ ایسے بچوں پر لائحر گس کا قانون جاری کیا جائے تاکہ قوم کی توانائی کو نقصان نہ پہنچے۔

حبیب۔ خیر لائحر گس کا قانون تو بہت ہی بے رحمی پر مبنی ہے۔ قوم کا یہ بھی تو فرض ہے کہ اچھے معالج پیدا کرے انکی سمجھ میں تو نزلہ زکام بھی اچھی طرح نہیں آتا۔ نہ تجویز ہے نہ تشخیص

ناظر۔ مجھے تو حبیب صاحب! یہ علاج و لاج بھی اعتقادی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سول سرجن کہ دیتا ہے کہ بس یہ مریض اب نہیں جی سکتا۔ راستے میں ایک اناڑی عطائی بتا دیتا ہے کہ فلاں چیز دیدو وہ نیم مردہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

حبیب۔ یہ تو سب علوم و فنون کی حالت ہے۔ فلسفہ پڑھنے والے حقائق سے بیگانہ ہیں اور بعض صوفی یافتہ سمجھدار حقائق پر پہنچے ہیں۔ سیکھنے والے انکی دلکشی پیدا نہیں کر سکتے اور بازاری عطائی معمولی تان سے دل کھینچتے ہیں جلد ٹے کا حاصل بھی دماغ سے ہی وابستہ ہے

ناظر۔ بارے خیریت گذری خدا بچے کو بالکل تندرست کر دے۔ ہاں مجھے یاد آ گیا آپ تشریف لائے تھے اور لیے رنگ کی گفتگو کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے مجھے افسوس ہوا تھا۔ آپ معذرت کر کے چلے گئے اور میں افسردہ سا ہو کر رہ گیا تھا۔

حبیب۔ جی ہاں مجھے اس دن ایک ضروری کام تھا مجبوراً جانا پڑا اور تبادلہ خیالات کی حسرت ساتھ لے گیا ان حضرات کی باتوں سے کچھ طبیعت بھی الجھی۔ کام بھی اُس معاملے ہی کے بارے میں تھا۔

معافی چاہتا ہوں۔

ناظر۔ چھوڑیئے معافی وافی کو۔ آپ کا خلوص میرے لئے باعث صد تسکین ہے۔ آپ کی مہربانی اور مروت حقیقت میں اس تلخ وقت کا سہارا ہے۔ وہ حضرت وطنی انس کی وجہ سے کبھی کبھی آبیٹھتے ہیں۔ سے اُن کی سی باتیں کر لیتا ہوں کَلِّمِ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُولِهِم وطن تو کہاں اُس کے ذکر سے ہی تسلی دے لیتا ہوں۔

جیب:۔ کیا شک ہے وطن کی تکلیفیں بھی مسافرت کی راحتوں سے بہتر ہیں۔ اور اب تو واپسی سے بھی ناامیدی ہو گئی ہے۔ صرف ذکر رہ گیا ہے۔ تو اگلی نسلیں اسے بھی بھول جائیں گی۔ ہم کہاں بھول سکتے ہیں۔ جہاں چار آدمی جمع ہو جاتے ہیں یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ناظر۔ ٹھیک ہے ناامیدی میں یاد اور تیز ہو جایا کرتی ہے۔ لوٹ پھر کر وہی باتیں زبان پر آجاتی ہیں۔ سچ ہے۔ من احب شیئا اکثر ذکرہ وطنیت بہت جاندار جذبہ ہے۔ عالمگیر اخوتیں بھی اس کے سامنے ہو جاتی ہیں وطن کا دشمن بھی اجنبی بھائیوں سے قریب تر معلوم ہوا کرتا ہے لندن جا کر اس کی حقیقت کھلتی ہے۔ جہاں لالہ مکندلعل اور بھائی بیر سنگھ بھی مخلص رفیق محسوس ہوتے ہیں۔

جیب:۔ یہ تو ہی بات۔ عالمگیر اخوت میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ آؤ بھائیو! میرے وطن پر قبضہ کر لو اور میں تمہارے وطن پر قابض ہو جاؤں۔ مسلمانوں نے کسی آنے والے بدنیت بھائی کو بغیر جنگ کے داخل نہیں ہونے دیا۔ اپنے ملک کا مفاد بہر صورت دوسروں کے وطن سے مقدم ہوتا ہے۔ دوسروں کی بھلائی اجد میں ہے۔ اُس ملک میں یہ اور بھی زیادہ ہے جہاں مختلف قومیں رہتی ہوں

ناظر۔ ایک بات اور بھی ہے۔ پڑوس کا بگاڑ زیادہ موجب آزار ہے۔ ماحول کو موافق ہی رکھنا بہتر ہے۔ صلح عمومی گھر سے ہی شروع ہونی چاہیئے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمسایہ کسی شرط پر راضی نہ ہوتا اور رار پر آمادہ ہو جائے تو نپٹنا ہی پڑتا ہے

جیب۔ یہ ٹھیک ہے۔ اور ہم زبانی بھی تو یکجہتی اور باہمی اُنس کے بڑے اسباب میں سے ہے۔ اتنی موثر ہے کہ مختلف مسلک والوں کو اکٹھا کر دیتی ہے چاہے خیالات میں کتنا ہی اختلاف ہو۔ باقی رہی صلح عمومی

اور انسانی برادری تین سو سال سے یورپ کے دماغ میں یہ چیز گھوم رہی ہے مختلف اُلٹوں اور مختلف ملک

قوموں کا اکٹھا ہونا دشوار رہا ہے وطنی امتیاز ابھی تک ہلکا نہیں ہوا۔

ناظر۔ آپ نے یہ بھی سنا کہ مشرق کی پیغمبر سازی کے خدا حضرت بہاء اللہ جل جلالہ یورپ کی دوسری دماغی کاوش کے ساتھ اس صلح عمومی کو بھی اپنا کر بہائیت کے نور میں شامل کر چکے ہیں۔

حبیب۔ جی ہاں! بہائیوں کی یہ پچے بازی میرا ایک آدھ مرتبہ نگاہ پڑی ہے۔ شروع میں میرا خیال اچھا تھا لیکن جب یورپ کے خیالات کا مطالعہ کیا تو اس مشرقی نور سے کراہت آنے لگی۔ جو انسانی رفاہ کی چیزوں کے بجائے بتوں میں ایجاد کرتے ہیں۔ یورپ چاند اور مریخ میں پہنچنے کی فکر میں کر رہا ہے اور یہ لوگ انسان کے لئے جنجال گھڑنے میں لگے ہوئے ہیں

ناظر۔ مشرق کی ذہنیت بھی تو انہیں چیزوں کے لئے موزوں ہے۔ خرافات کو ہاتھوں ہاتھ سنبھال کر رگوں میں ایسا اتار لیتے ہیں جیسے کوئی شہد کا گھونٹ بھر لے۔ اور جب یہ جنجال سینے میں جمع ہو جاتے ہیں تو دونوں ہاتھوں سے مضبوط دبائے رکھتے ہیں کہ کہیں خرافات کا ایک آدھ شوشہ نکل نہ جائے۔ ایسا ہو گیا تو زمین و آسمان پھٹ جائیں گے۔ کوئی بیدار آدمی ضرب لگاتے تو سمجھتے ہیں کہ کافر ہے مردود ہے۔ ایسے آب زلال میں زہر ملاتا ہے ہلکا بتاتا ہے۔ بے بصیرت ہے۔

حبیب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بہاء نے شروع دعوے میں تو قرآن کی رگیں توڑیں تفسیروں کے جادو چلائے صوفیت کے خیالی نکات دکھائے۔ جب کچھ بنتا نظر نہ آیا تو دین سازی کے پلٹے میں جدت یورپ کے خیالات کو مذہب کے رومال میں لپیٹ کر مذہب زدوں کے سامنے رکھ دیا اور پیغمبرانہ انداز میں اسے الہام و وحی بنا کر دکھا دیا۔

ناظر۔ معلوم کیا ہوتا ہے۔ یہی ہوا ہے۔ ان کے ملک کی طبیعتیں ایسی تخم ریزی کے لئے تیار رہتی ہیں۔ ذرا شور مچا دیا کہ نور آگیا دوڑو نور آگیا۔ آب حیات برس رہا ہے جلد بناؤ۔ زمین پر گرنے نہ پائے۔ بی جاؤ۔ یہ باتیں خدا ہی بنا سکتا ہے بندوں کے بس کی نہیں

حبیب۔ خیر مذہب تو ذہنیت بنانے میں موثر ہے ہی ملک کو وطن نے بھی رُجحان کے بنانے میں بہت

حاصل حصہ لیا ہے۔ ہندوستان اور ایران ایسے خیالات پر چیل کی طرح گرتے ہیں۔

ناظر۔ جی ہاں! انگلینڈ کے عوام نے ایسٹ انڈیا کمپنی بنا کر ہندوستان جیسے برِ عظیم کو فتح کیا اور سونے کی چڑیا مٹھی میں دبوچ کر اپنی حکومت کو دے دی۔ ہم ہیں کہ مذہب کی قبریں کھول کر روحانی دنیا فتح کرتے ہیں اور لوگوں کو بانٹتے ہیں۔ گدے دے دے کر بھنساتے اور نوٹ کے ساغر پلا پلا کر دیوانہ بناتے ہیں۔ نہ ہوش رہتا ہے نہ عقل رہتی ہے۔ اندھے ہو کر بھیڑ بن کر ساتھ ہو لیتے ہیں۔

حبیب:۔ نہیں بہت اچھی دوکان بن جاتی ہے۔ محل کھڑے ہو جاتے ہیں کاریں دوڑنے لگتی ہیں۔ مظلومیت اور افلاس کی داستانوں میں خوشحالی کھیلنے لگتی ہے۔ لوگ ہاتھ پاؤں بھی چومتے ہیں اور جیب سے پیسے بھی نکال کر دے دیتے ہیں۔ ایجنٹ بن کر ایک کے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں کہ نور آ گیا ہے کیوں نہیں پہچانتے

ناظر۔ آپ نے کبھی یہ بھی خیال کیا ہے کہ پرانے پھندے ختم نہیں ہوتے جو نئے بھی آ دھمکتے ہیں۔ ایک سلسلہ جاری ہے۔ لوگ ہیں کہ بیتابی سے انتظار کرتے ہیں دعائیں پڑھتے ہیں کہ کوئی نیا جنجال آئے۔ صلح عمومی بھی ان فتنوں کا کیا انسداد کرے۔ ان کے دعویداروں کو اپنی فکر ہے کہ منہ میں جو لقمہ رکھا ہے کوئی یہ نہ چھین لے۔

حبیب:۔ اصل میں کیسے ہی اچھے خیالات ہوں ملک کی موثر فضا انہیں اپنے رسم و رواج پر ڈھال لیتی ہے دیکھ لیجئے یورپ کا وہی رنگ طبیعتوں پر چڑھا جس سے ہماری ذہنیت پہلے ہی سے قریب تھی۔ ان کے علم و ہنر سے بیگانہ رہے۔ پھر اگر جنجال کامیاب ہو جائیں تو کیا تعجب ہے۔

ناظر۔ ہمارے ان رجحانات اور ان کے ساتھ جاہل ذہنیت نے ہمیں ہمیشہ حکومت کے کندھوں کا جنازہ بنائے رکھا بس نہیں ورنہ کہہ دیں کہ نقشے توڑ کر دکھلاؤ۔ اور سنا ہے کچھ یکسوئی بھی ہوئی۔ معاملہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ کیا فیصلہ ہوا؟

حبیب:۔ کیا عرض کروں زمانے نے ایسا پٹا لکھا ہے کہ سب کی نیتیں خراب ہو گئی ہیں۔ دالانصاف ٹھیک رہے نہ مہاجر ورنہ اتنا کچھ تھا کہ بانٹ ٹھیک ہوتا تو دونوں کا بھلا ہو کر بیچ رہتا۔ نہ ان کا گلہ رہتا کہ ہم مقامی ہیں زیادہ تعداد میں ہندو سکھ ہے مشکل سے پیچھا چھڑایا ہے۔ پہلے وہ قدم نہ اٹھانے دیتے تھے۔ اب قسمت سے مہاجر کھوپڑی پر آ بیٹھے ہیں۔

ناظر:- نہیں مہاجر کیا رکاوٹ ہیں۔ ہندوستان میں تو ادھر کے گئے ہوئے ہندو بھول گئے ہیں۔ کاروبار الگ چھائے جارہے ہیں ویسے الگ اُن کی چھاتی پر چڑھے جاتے ہیں۔ زبان نہیں کھولنے دیتے۔ بات بات پر تلوار کھینچتے ہیں۔ بہو بیٹیاں الگ گھور رہے ہیں۔ وہ جو مسلمان کی تباہی پر خوش تھے ان حرکات سے سخت بیزار ہیں۔

حبیب:- ہاں اس میں تو شک نہیں کہ ادھر آنے والے نرے سپاہی نہیں ہیں اچھے پچھڑے کہ خنجروں سے بات کریں۔ لٹے لٹائے شکستہ کمر سہولت سے آ بیٹھے ہیں۔ بدنیتی اللہ پیدا ہوگئی ہے اس لیے کہ تن پر کپڑے بھی سالم نہیں سب کچھ کھو آئے ہیں۔ قتل و غارت کے مناظر دیکھے ہیں بیٹھے بٹھائے قوت لا یموت کو محتاج ہو گئے ہیں نتیجہ بدنیتی ہی ہے۔

ناظر:- اس حال میں بھی ہندو بہتر ہی رہے۔ اپنے سرمایہ ساتھ لے گئے۔ کیا ہوا اگر مکان اور جائداد چھوڑ دی نقد ان کی جیب میں ہے۔ جیب ہی تو جاتے ہی کاروبار کی داغ بیل ڈال دی۔ عمارتیں کھڑی کر لیں۔ بیچارے پہلے ہی کمزور تھے بھونی بھان سے بھی گئے۔

حبیب:- میرا مطلب یہ ہے کہ انصار کو گلہ ہے۔ حالات پر غور نہیں کرتے۔ اگر مہاجر جبراً نکال دیئے جاتے یہاں آنے کی بات ہی کیا تھی کبھی خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ وہ تو کچھ ایسی افتاد آ پڑی کہ چارہ نہ رہا۔ وہ اصل میں زیادہ چاہتے ہیں۔

ناظر:- اچھا! نتیجہ یہی ہونا تھا اچانک مصیبت آ پڑی ورنہ کوئی پروگرام پہلے سے ضرور بنتا۔ اب تو وہی ہوا جو باؤ سو سے بھگیو! اگر قوم میں صلاحیت ہوتی تو حکومت کو طعن تشنیع کرنے کے بجائے خود فوراً کوئی پروگرام بنا لیتی اپنی ڈفلی اپنا راگ ہو گیا۔

حبیب:- ایک اور مصیبت لیڈروں کی پیدا کردہ صوبائی لعنت ہے۔ پہلے تو جوش کا تار اُن کر دماغ میں یہ بٹھا دیا کہ تم خدائی نسل سے ہو۔ خطۂ ہندوستان میں کوئی تمہارا مد مقابل نہیں۔ حسن میں یوسف بہادری میں رستم سمجھ میں ارسطو، ادراک میں افلاطون، شعور میں بوعلی سینا اور سیاست میں سولن ہو۔ سب کو ہلکا اور ذلیل سمجھ کر نفرت کرو۔ اب کہتے پھرتے ہیں کہ نہیں نہیں۔ سب بھائی بھائی ہیں سب برابر ہیں کسی کو فضیلت نہیں۔ بھلا رگوں میں میٹھا بھرا تھا اتنی آسانی سے کیونکر نکل جاتے۔ دو تین نسلیں ختم ہوں گی

نکلنے کا۔ اور حال یہ ہے کہ پیسہ کھینچنے کی دُھن کے سوا جو اور کوئی ہوش ہو جبھی ان میں زیادہ حساس ہیں۔

ناظر۔ ہاں یہ تو انگریز کی صحبت نے سب کے کان میں پھونک دیا ہے کہ دوسرا کوئی نہیں ہم ہی ہم ہیں۔ سکھ بھی تو اپنے آپ کو افضل مخلوق اور مجوبہ روزگار سمجھتے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔ اچھا فرمایئے پھر کیا ہوا۔

حبیب۔ پھر یہ ہوا کہ اُس مکان پر ایک انصاری نے قبضہ جما لیا تھا اور پاس ہیں کوئی دور پار کے رشتے دار لا بٹھائے تھے۔ اتنا تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ نامزدگی ہو جانے کے سبب میں نے چارہ جوئی کی۔ اُن لوگوں سے چچا جان جا ملے اور ناتے سے لگا کر مکان دیدینے کا اقرار لے لیا۔

ناظر۔ اچھا یہاں بھی مخالفت تازہ کر لی ہے کیا موقع تھا اور دب گیا گنجائش رہ گئی ہے؟ خیر عزیزوں کا گلہ نہ ہونا چاہیئے۔ نیز نظر عرب نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ الاقارب کالعقارب۔ گلہ تو صرف دوستوں کا ہی ہو سکتا ہے اگر زیادتی کریں۔ اس لئے کہ ان میں خلوص کی جنس ہوتی ہے۔ عزیز تو واقعی بچھو ہی کی خاصیت رکھتے ہیں۔

حبیب:۔ آپ ہی خیال فرمایئے ہم دو کمروں میں اتنی عیالداری کے ساتھ کتنی تکلیف اٹھائی ہوگی۔ بارے وقت پر معلوم ہو گیا۔ دوڑ دھوپ کی عدالت نے بڑی مشکل سے مکان خالی کرایا قبضہ دلایا۔ دوستوں نے اس بارے میں بہت مدد کی کامیابی ہو گئی ورنہ چچا جان نے تو مایوس ہی کر دیا تھا۔

ناظر۔ اصل میں انہیں صاحبزادے نے اکسایا ہوگا۔ وہ بہت چالاک بنتے ہیں۔ ادھر آکر ہاتھ پاؤں نکالے ہیں۔ پہلے چھٹکارا پایا۔ سنا ہے اُس انصاری نے کئی مکانوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور اِدھر اُدھر کے آدمی مہاجر بنا کر بسائے ہوئے ہیں۔

حبیب:۔ اجی انصار پر ہی کیا موقوف ہے مہاجروں نے بھی ایسی کاروائیاں بہت کی ہوتی ہیں۔ مصروفیت اس درجہ سے بھی بڑھ گئی کہ دفتر سے پچھلے ہفتے کی چھٹی لے کر آ تو ادھر سے ملی۔ دو دن میں سامان اور مٹھرو وہاں پہنچایا۔ فاصلہ بہت تھا وقت بہت صرف ہوا۔ وہاں آس پاس سب مہاجر ہیں بس یہ بدمزگی البتہ ہے کہ ان کی عورتیں لڑتی رہتی ہیں۔

ناظر۔ یہ آپ نے عورتوں کی بھی خوب کہی۔ نہ معلوم قدرت نے یہ کیا چیز پسلی سے نکال کر کھڑی کر دی تھی نہ رکھتے بنتی ہے نہ چھوڑتے۔ جذبات کی پوٹلی ہے۔ انگریز جیسی قوم کی عورتیں بھی تو اس فطرت سے خالی

نہیں۔ ہوٹلوں میں رہتی ہیں آزاد ہیں تعلیم و تربیت سے بہرہ اندوز ہیں لیکن رشک و رقابت میں ان عورتوں سے بھی پیچھے ہیں۔ ایک کا کتا دوسری کے کمرے میں جا گھسے تو بھٹیاریوں کی طرح لڑتی ہیں وہی منہ بھی جلا یا وہی رنگا فضیحتی۔

جیب ا:۔ سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ یہاں مردوں کو ہوش نہیں تو ان کے جبر میں دبی ہوئی عورتوں کو کہاں سے ہوش آ جائے۔ کیونکہ معلوم ہو کہ دنیا پلٹا کھا گئی ہے۔ ملاؤں ہم بھی ذہنیت اور حقیقت کو بدلیں معززہ مشاغل میں انہماک ہے۔ کچھ خبر نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ گھروں کی چار دیواری ہے اور بچوں کی رکھت رکھایا اسی چکر میں ختم ہو جاتی ہیں۔

ناظر:۔ نہیں جیب صاحب! لکھ پڑھ کر باہر نکل کر بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ کچھ بناوٹ کچھ تلاش۔ کچھ منی سنائی باتیں۔ جب یہ وہ جلے کر کے خانہ داری میں پڑتی ہیں تو پھر وہی تنگ نظری زیچ خیالی اور رقابت بازی۔ سارے فلسفے بھول جاتی ہیں۔ بچے ہو جاتے ہیں وہی دنیا وہی مشاغل۔

جیب ا:۔ مشاغل تو خانہ داری میں مقررہ ہیں جو پیش آتے ہیں۔ بال بچے داری میں کیا فلسفے بچھائیں۔ بچوں کی سنبھال کیا آسان کام ہے انہماک کے بغیر یہ کام مشکل ہے۔ قدرت نے یہی فرائض دے دیئے ہیں وہی ان کے سر لگتے ہیں۔ یہ کام بھی سارا جذبات کا ہے۔

ناظر:۔ یہی تو میں عرض کر رہا ہوں کہ سرتاپا جذبات ہیں۔ دور اندیشی پیدا کریں تو اور معاملات کو بھی سوچ سکتی ہیں۔ صرف بچے داری ہی سے تو سابقہ نہیں۔ ان پر بھی ہر قسم کے حالات گذرتے ہیں۔ گھروں میں بھی شخصی طور پر وہی باتیں پیش آتی ہیں جو باہر کے بکھیڑوں میں ہیں۔ عورتیں ان کو سنبھالنے کی جگہ اور بگاڑتی ہیں۔ اگر ان میں غور و فکر ہو تو فضیحتے کم ہو جائیں۔

جیب ا:۔ آپ کا یہ مطلب ہے کہ شوہر بچوں کے علاوہ اور کسی کی شرکت نہیں دیکھ سکتیں۔ یا بچوں کی وجہ سے جو بگاڑ پیدا ہوتے ہیں انہیں گھٹانے کی جگہ بڑھا دیتی ہیں۔ یہ باتیں تو محبت کی وجہ سے ہیں جانوروں میں بھی بچوں کی حفاظت مادہ ہی کرتی ہے۔ پھر جب قدرت نے ہی یہ ڈیوٹی لگا دی ہے تو اس سے کس طرح بچ جائے۔ قدرت نے بقائے نوع اور حفاظت نسل کے لئے سرتاپا محبت بنا دیا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مرغی چیل

پر جھپٹ پڑتی ہے۔ ہاں اگر بچوں کی حفاظت اور راحت و آرام کے لئے کسی سے
جھگڑے تو کیا زیادہ بات ہوگئی۔

ناظر۔ ذرا غور کیجئے محبت ہی تو جذبات کی جڑ ہے۔ عقل کو ماؤف کر دیتی ہے۔ یہی وجہ تو
ہے کہ عورتیں زیادہ نہیں سوچ سکتیں۔ تحمل نہیں رہتا ذرا سی بات پر بھڑک جاتی ہیں۔
اتنا نہیں دیکھتیں کہ نا سمجھ بچے ہیں شاید ان سے ہی زیادتی ہوگئی ہو۔ حقیقت تو یہ
ہے کہ اولاد کی کمزوری دیکھنے میں بالکل اندھی ہوتی ہیں اُن کے عیب بھی ہنر نظر
آتے ہیں۔ دیوانے اور اندھے کو بھی بادشاہ سمجھتی ہیں۔ حُبُّ الشَّیءِ یُعْمِی وَیُصِمُّ۔
محبت ہی تو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔

حبیب۔ ناظر صاحب! اُن کی محبت ہی تو ہے جو غموں کا علاج اور پریشانیوں کا مداوا ہے
کیسے ہی مضطرب اور شکستہ خاطر گھر میں آئیں اُن کی باتوں نگاہوں اور دلجوئیوں سے
تسلی ہو جاتی ہے وہ نہ ہوں تو گھر نہیں چاہیے اولاد کا انبار لگا ہوا ہو۔ گھر نہیں تو زندگی
میں کیا دلچسپی ہے۔ آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ عورت کیا چیز ہے۔

ناظر۔ نہیں مجھے چیز ہونے سے تو انکار نہیں۔ وہ تو ایسی چیز ہے کہ خدا کی دھمکیوں کے باوجود آدم
کو پھسلا دیا تھا اور حضرت یوسف کو بھی لپیٹ ہی لیا تھا وہ تو خدا نے توفیق دیدی اور بچ گئے۔

حبیب۔ یہ آدم و حوا کا قصہ بھی عجیب ہے۔ جنت میں چھوڑ دیئے گئے تھے وہیں رہتے تو کیا
مزے کی زندگی ہوتی۔ میوے کھاتے پھرا کرتے زمین پر تو روٹی ہی کے چکر سے چھٹکارا نہیں ملتا

ناظر۔ قصہ قصہ عجیب نہیں۔ بتا کے سجدے کرا کے دونوں کو جنت میں چھوڑ دیا تھا۔ سختی تاکید
کر دی تھی کہ اُس جھگڑے کے پاس نہ جانا جو اولاد کا سبب ہے۔ یہ انسان کا پہلا امتحان تھا۔
بیچارے طبیعت پر قابو نہ پا سکے فیل ہو گئے اور ہم زمین پر فرشتوں کی پیش گوئی پوری کرنے کے لئے
فساد اور قتل و غارت بدبینی اور چھین جھپٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر طبیعت پر قابو رکھتے
تو یہاں کیوں آ ہوتے۔ ان مصائب میں کیوں پھنستے۔

حبیب - تو عیالداری اُس خطا کے نتیجے میں ہے؟ یہ آپ نے عجیب تفسیر بیان کی۔ میں نے اور کسی سے یہ مطلب نہیں سنا۔ خیر جنت تو تھی ہی یہ دنیا بھی دلچسپیوں میں کسی جنت سے کم نہیں۔ چاہے کیسے ہی مصائب ہوں مرنے کو جی نہیں چاہتا۔ واہ واہ یہ نہیں عورت کی ہی برکت سے ہی ہے۔

ناظر - آپ نے شاید بائبل کی وہ آیت نہیں سنی؟ بہت عجیب ہے جب سے میری نظر سے گذری ہے کبھی نہیں بھولا۔ ادھر اُدھر عیالداری کی تلخیاں دیکھ کر فوراً سامنے آجاتی ہے اور اسکا خیال باندھکر دل کو تسلی دے لیتا ہوں۔

حبیب - ہاں ہاں سنایئے! میں نے انجیل پڑھی ہے بائبل نہیں دیکھی۔

ناظر - خدا کہتا ہے کہ آدم نے گناہ کیا۔ ہم نے پاداش میں جنت سے نکالا اور عیالداری اس کی کھوپڑی پر مڑھ دی۔ کہدیا کہ جا اِس لعنت کو تو رحمت سمجھ کر لپٹا رہے گا!! یہ ہے عیالداری جس کی آپ اتنی خوبیاں بیان کرتے رہتے ہیں۔ واقعی یہ لعنت ہمارے لئے کتنی دلچسپ ہے۔

حبیب - ہاں عجیب آیت ہے۔ یہ کام دلچسپ بھی کیونکر نہ ہو جب خدا نے دلچسپ بنا کر چپکایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورت کی ہی موجودگی سے اس میں ساری دلچسپی ہے وہ نہ رہے تو اولاد اجیرن ہو جاتی ہے۔ دوسری کر لیں تو پہلی اولاد سے ویسی دلچسپی نہیں رہتی۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس بیوی سے زیادہ لگاؤ ہو اُس کی اولاد سے بھی زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔

ناظر - قرآن میں بھی تو اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اسے فتنۂ دنیا کہا ہے۔ ایک حد تک بہتر بھی سہی اس لئے کہ بقائے نوع کے لئے ہے لیکن کثرت تو بالکل لعنت ہے غریب تو غریب خوشحالوں کے لئے بھی مصیبت ہے۔ مَنْ کَثُرَ عِیالُہٗ کَثُرَ وَبالُہٗ۔

حبیب - قدرت کے کرشمے ہیں۔ اپنی مرضی کو کیا دخل ہے۔ اس معاملے میں انسان مجبور نہ بھی ہو تو بہت مجبور ہے۔ بچاؤ سے کیا ہوتا ہے۔ اس بخشش کا عطیہ اتنا ہے کہ بہت

تھوڑا ہوتا تو بھی کام چل جاتا۔ اُس خالق کے قربان جایئے جس نے زندگی کے اسباب اس کثرت سے بنائے ہیں۔ لیکن اب تو انسان سے زمین ڈھپی جا رہی ہے۔ وہی رحم کرنے والا ہے۔

ناظر۔ بات تو یہ ہے کہ فطرت بڑی مضبوط چیز ہے جو اسی کی مصلحت پر کام کر رہی ہے کیسی ہی تہدیدیں پیش کی جائیں کیسی ہی مصیبتیں سامنے نظر آ رہی ہوں فطرت پہلو نکال ہی لیتی ہے کیسی خاموشی سے جواز پیدا کر لیتی ہے۔ عورت بھی دو فطرتوں میں سے ایک زبردست فطرت ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ مرد جیسی رحجان کا اغلب مرجع ہے۔ رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں جو اوّل تو خاطر میں ہی نہیں لائی جاتیں۔ اور قدم رکتا بھی ہے تو روکی ہوئی ٹی جو ہے کو دیکھ کر شمع پھینک کر پیچھے دوڑ پڑتی ہے نہ سکھانے والوں کی پروا کرتی ہے نہ بادشاہ کا۔

حبیب۔ ٹھیک ہے اس سے انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ جراثیم تک کی دنیا بھی اسی دنیا میں ہے کھانے کی فکر ہے یا تو الدو تناسل کی۔ یہ بھی تو بات تحقیق ہوئی ہے کہ مادہ نر کو لبھاتی ہے۔ پرندوں کے رنگ طبیعت نے اسی رحجان پر دلکش بنا دئے ہیں۔ پھر جب قدرت نے اتنے اہتمام کئے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ اس فطرت کو کسی اصول قاعدے میں چلایا جائے۔

ناظر۔ ہم رات دن اس کوشش کا معائنہ کرتے رہتے ہیں۔ ہر دو رات دن انداز وضع قطع تراش خراش تاک جھانک دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے۔ نہ شریعت کو دیکھتا ہے نہ قانون کی پروا کرتا ہے۔ سونے جاگنے چلنے پھرتے شغل میں بیکاری میں رنج میں خوشی میں دفتر میں بازار میں اس فکر سے غافل نہیں۔ اسلام نے اپنی فطری تعلیم سے اس بے پناہ قوت کو کچلا نہیں بلکہ اس کو اصول قاعدے میں رکھنے کی سبیلیں بنائی ہیں اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ انسان کو مذہب کی سخت ضرورت ہے۔ کچھ تو روک تھام ہوتی ہے۔

حبیب۔ ہاں ہاں! مسجد میں مندر میں دیر میں خانقاہ میں گپھا میں گوردوارے میں گرجا میں شہری الاذکام میں دیدۂ و دل دونوں عذاب بنے رہتے ہیں۔ اسلام کے احکام کے قربان جایئے۔ اس نے واقعی

انسان کو اصول قاعدے میں رہنے کی سبیل سکھائی ہے - دین فطرت ہے -

ناظر - دیکھ لیجئے شہروں کی مال پر جو نظارے نگاہوں کے سامنے گذرتے ہیں - ساڑھیوں کے لپیٹ - بالوں کے تراش چہرے کا سفیدہ - رخساروں کی لپ اسٹک - گفتگو کے انداز - رفتار کے لوچ - جیب کا شیشہ پوڈر کا پھَیا - بناوٹ تصنع سب رجحان کا ہی نتیجہ ہیں - غور کیا جائے تو آپ کھل جاتا ہے کہ یہ اتنی محنت و مشقت کاہے کے لئے ہو رہی ہے -

حبیب - جی ہاں ! یہ باتیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - جنہوں نے یہ آزادیاں ایجاد کی ہیں انہوں نے زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی تو سنبھال کر چرخ چہارم پر پہنچایا ہے - ہم نقل پر بھی آئے تو اس نمائش کو ہی لپیٹ گئے - تحریر و تقریر اور فنون سے بھی اسی رجحان کی تبلیغ کی - حالانکہ پہلے ہی اتنے بہتے ہوئے تھے کہ گھٹانے کی کوشش ضروری ہے - مضامین بھی لکھے تو نپولین کی ساری زندگی میں سے جوزفائن کی ہی کہانی دہرائی - عورتیں تو خیر غور و فکر نہیں رکھتیں مجبور ہیں - جن خیالات میں الجھادی جائیں بغیر مزید غور و فکر کے چل پڑتی ہیں - حیرت تو ان بے حس بدعقل مردوں پر ہے جو کتنی بدذوقی دکھاتے ہیں - اصلی حسن کو بناوٹوں میں دبا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں -

ناظر - ہمارے نزدیک آزادی کے معنی بھی کچھ اور ہیں - یہی کہ نگاہیں الجھانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو - جس سے چاہیں مل لیں - جوان تو جوان ادھیڑ اور بوڑھیوں کو سفیدہ اور لپ اسٹک رگڑتے دیکھا - یورپ میں شاید یہ باتیں نبھ جاتی ہوں ہمارے اسلامی اخلاق تو ایسی آزادی کو گوارا نہیں کرتے انسان مدرک حیوان ہے - قانون قاعدے سے چارہ نہیں - زندگی کا کوئی اصول ضروری ہے ورنہ نظام درہم برہم ہے - ذرا نظر ڈالئے - ابھی گذر چکی ہے - منہ چھٹ آزادی نے قانون قاعدے کو ٹھکرا کر کیا فتنہ پیدا کیا - عورت کو مرد ہی چلانے والا ہے اس نے خود تو کبھی کوئی اصول نکالا ہی نہیں - تو بہتر یہی ہے کہ مرد اسے اعتدال سکھائے - اسلامی آزادی سے بہرہ اندوز کردے -

حبیب - بات تو یہ ہے کہ مرد بھی کچھ کم نہیں - بڑا بدنیت ہے - کہیں کوئی غلط انداز نگاہ پڑ جائے کوئی جھونٹوں دیکھ لے تو جھٹ بالوں کو سنوار کے چست ہو کر دوڑ پڑتا ہے - عورت صبر کر لیتی ہے - اس کی طبیعت میں اکتفا ہے - مرد تو بھٹکتا ہی رہتا ہے - اور آج کل تو یہ تجاہل حد کو پہنچا ہوا ہے وہ کیا اعتدال پر لائے گا خود ہی اعتدال پیدا کرلے -

ناظر - تاہم انہیں نفنگوں میں ایسے بھی ہوتے رہے جنہوں نے دنیا کو بدل دیا - مردوں میں جان ڈالی نامردوں کو راہ پر لگا گئے تمدن انسانی کو یہاں تک پہنچا دیا - اصل میں عورت کو جا ہے وہ صابر ہو یا فارغ کشش پیدا کرنے ہی سے کبھی فرصت نہ ملی اور ملی تو چوہدھرائن بن کر بچوں کی جو ما جائی پر لگ گئی - کئی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر -

حبیب - نہیں - عورتیں بھی بڑی بڑی قابل گذری ہیں اور اب بھی موجود ہیں - خود اسلام کو دیکھ لیجئے کیسی کیسی لائق عورتیں گذری ہیں - بدشعوری تو اس قید و بند کے تشدد نے پیدا کی ہے ورنہ وہ بھی تو مرد کے کاروبار میں دست و بازو رہے - ستم ہے خود تو سب کچھ کریں اور وہ آنکھ بھی نہ اٹھائے -

ناظر - ایسا نہیں ہے - بیشک وہ آزادی اور وقت سے فائدہ اٹھا سکتی تھی لیکن اٹھایا نہیں کیا ہی وقت آئے مرد کے لئے تفریح بن کر رہ جاتی ہے - یونان کے بعد رومیوں نے بھی ایک مرتبہ بالکل آزاد کر دیا تھا تو بجائے اسکے کہ ادراک و شعور پیدا کرتی سوسائٹی کو اتنا مسموم کر دیا کہ تباہی کے آثار دیکھ کر انہیں پھر گھروں میں بند کرنا پڑا اور جل بھن کر ایسے مظالم کئے کہ دیکھ کر رونگٹا کھڑا ہوتا ہے -

حبیب - کشش پیدا کرنے میں کچھ مرد کی بھی تو کوشش ہوتی ہے - نوجوان اپنے آپکو محروم دیکھ کر آزادی کا ڈھول پیٹنا شروع کرتے ہیں جب تک انہیں طشت از بام نہ کر دیں دم نہیں لیتے - فلسفے بنا لئے ہیں دلائل پیدا کرتے ہیں اور اعتدال پر نہیں چلنے دیتے - جب تک بناوٹ سجاوٹ اور ناز نخرے نہ ہوں انہیں لذت نہیں آتی - پھر عورت بیچاری بھی کیا کرے - کام سر ہو گیا ہے تو سنبھالنا پڑتا ہے - چھ چھ گھنٹے آئینے کے سامنے ناچ کود کر اپنے آپ کو ان کی لائق بناتی ہیں - ذرا روس کی عورتوں کو دیکھئے ملک و قوم کی تعمیر میں کتنا حصہ لیا ہے - جنگ میں بھی دوش بدوش تھیں اور امن میں بھی محکموں کی زینت ہیں

ناظر - حبیب صاحب! ہاں وہاں سمجھنے لگی ہوگی ورنہ یہاں گھروں میں انکی فطرت کا مظاہرہ دیکھئے اولاد کو کس طرح پالتی ہیں اور کیا سکھاتی ہیں - دوسروں سے کیا برتاؤ کرتی ہیں کن باتوں سے راضی ہوتی ہیں اور کن سے اکھڑ جاتی ہیں - آپ ذرا خوش اعتقاد سے ہیں - نگاہ تیز کر کے بلے جھجک ان کے عادات خصائل پر گہری نظر ڈالئے - رہی روس کی حالت انہوں نے البتہ کچھ راہ پر ڈالا ہے سو دیکھ کر بھی ناچ سکھا لیتے ہیں - نظیر اکبر آبادی کا بچہ مخرس تو بہت ہی کرتب دکھاتا تھا - اب دیکھ لینا چاہئے کہ ریچھ کے ٹھمکے اور گریٹا گاربو کے رقص میں کتنا فرق ہے -

حبیب - ناظر صاحب! یہ آپ کی باتیں ہی تو ہیں جو کھینچ لاتی ہیں - واہ واہ کیا مثال دی ہے! واقعی عورت کو اسی وقت دیکھنا چاہیے جب خانہ داری کے جھمیلوں میں پھنس جائے - نظر تو کبھی کبھی میں بھی ڈال لیتا ہوں لیکن تیز نہیں کرتا کہ اکھڑ نہ جاؤں - بغیر اس کے کٹتی بھی تو نہیں -

ناظر - تمہیں امید نہیں کہ آپ اکھڑ جائیں گے پھر بھی حقیقت کی جستجو چاہیے نتیجہ چاہے کچھ ہی نکلے یقین جانیے جو کچھ نظر آتا ہے خیالی نہیں فطرت ہے - اولاد کو زندگی سے الگ بیگانہ کرتی ہے - گھر میں کھنڈت ڈال کر الگ ٹکڑے بکھیر دیتی ہے - شرکت بالکل نہیں دیکھ سکتی - یہ نہیں سوچتی کہ پیسہ کہاں سے آئے گا آ جانا چاہیے - جب مٹھی میں دبا لیتی ہے تو پھر ہرگز نہیں پوچھتی کہ کہاں سے لائے ہو ڈاکہ ڈالا ہے یا مکر و فریب کیا ہے - دلہن بیٹی جلدی ہی بن جاتی ہے - آرزوئیں کرتی ہے حسرتیں کرتی ہے کہ بہو جلدی سے آ جائے اور جب آ جاتی ہے تو اسے خنجروں پر اٹھا لیتی ہے - ایسے ظلم و ستم کے ساتھ کہ اس کے لئے صرف خودکشی ہی باقی رہ جاتی ہے

حبیب - خیر یہ حالات تو دن رات سامنے گذرتے رہتے ہیں گھر گھر رونا ہے - صرف اسی کی خطا نہیں یہ اصل میں ہماری معیشت اور رسم ازدواج کی بھی لعنت ہے - سات پشتیں اگلی سات پشتیں پچھلی پھر نت نئے اضافے سب گڈمڈ ایک جگہ اکٹھے جمع رہتے ہیں فتنہ فساد نہ اٹھے تو کیا ہو - دوراندیش انگریز نے کیسے اچھے اصول نکالے ہوئے ہیں - سب سے الگ تھلگ رہنا ہے نہ شرکت ہے نہ الجھن ہے - اولاد بالغ ہو جاتی ہے تو ذمہ دار ٹھہرا کر اس کا بوجھ اس کے کندھوں پر رکھ دیتا ہے -

حبیب - یہاں تک ہے کہ آمد و رفت بھی آپس میں ہوتی ہے تو بیٹا باپ کے سامنے بل رکھ دیتا ہے اور باپ بیٹے سے پیسے وصول کر لیتا ہے - یہاں تو بَر الگ ڈھونڈو جہیز میں الگ گھر بار کی قرقی کراؤ قضیے الگ بھگتو - ساری عمر حقوق کی ادائیگی ہی سے جان نہیں چھوٹتی - کماتے جاؤ دیتے جاؤ تو سب خوش ہیں - ہاتھ روک کر اپنی ضرورتوں کو دیکھو تو سب اپنی اپنی جگہ منہ پھیر کر بیٹھ جاتے ہیں - بھلا ہمدردی اور خلوص کا تو ذکر ہی کیا ہے -

ناظر - تاہم عورت میں صلاحیت و دوراندیشی ہو تو حالات سنبھل سکتے ہیں - اس طرز معیشت کا بدلنا ہے بہت مشکل - اگر ارادہ ہو تو پہلے عورت کو ہی بدلنا چاہیے - اس لئے کہ لا شرکت غیرے رہنا بھی

چاہتی ہے اور پھر الگ رکھا جائے تو ملنے کے لئے بھی سارا زور لگاتی ہے۔ کسی طرح خوش نہیں۔ اصل میں اسے ضرورت کے مطابق تعلیم دی جائے۔ نشیب و فراز سکھائے جائیں۔ جذبات میں سمجھ کا پیوند لگایا جائے۔ یہی آزادی وہ تو اب رک نہیں سکتی۔

حبیب۔ نہیں روکنی بھی نہ چاہیئے۔ البتہ اصلاحی اخلاق کو لازم کر دیا جائے تو غیرت و خودداری کا احساس ہو سکتا ہے۔ نیک چلنی اور نیک نیتی آ سکتی ہے۔

ناظر۔ ہاں موجودہ زمانے کی ضرورتیں زمانۂ اقتدار کے رسمی پردے کو جاری نہیں رکھ سکتیں۔ اور اگر کچھ ضرورۃً آگے بھی قدم اٹھ جائے تو پردہ ضرورت اور حکم ہے اصول دین تو نہیں ہے۔

حبیب۔ خیر پردے کا حکم مصلحت پر موقوف ہے۔ اسلام خواہش کو کسی صورت میں سے بھی جائز نہیں رکھتا لیکن اب بہت سے کام ایسے ہیں جو عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ طبی اور تعلیمی اداروں میں وہ بہت مفید ہیں۔ اسلامی غیرت پیدا کر کے اگر اخلاق مضبوط کر دیئے جائیں فرائض کا احساس دلا دیا جائے قومی حمیت و خصوصیت کو بیدار کر دیا جائے تو بہت فرق پڑ سکتا ہے۔ مذکورہ باتیں بیکاری میں سوجھتی ہیں مصروفیت ہو فکر تعمیر ہو تو اس کے نیچے دب جاتی ہیں۔

ناظر۔ یہ آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ تمدنی امور میں اب عورت کی شرکت سے مفر نہیں اگر تربیت ٹھیک ہو مصروفیت ہو تو کام بھی ٹھیک چلیں اور اخلاقی تباہی کا بھی اندیشہ گھٹ جائے۔ خواہش کی آزادی تو بہرصورت قوموں کے لئے گھن اور دیمک کا حکم رکھتی ہے اس سے پہلے بچا لینا چاہیئے۔ موجودہ طرز تعلیم تو اسلامی حمیت فنا کر دیتا ہے عیاشی کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ مردوں سے بھی شتر بے مہار پن دور کر دینا چاہیئے۔ دونوں ہی کی اصلاح کچھ برکت پیدا کر سکتی ہے۔ ایک ہاتھ تالی نہیں بجے گی۔

حبیب۔ ناظر صاحب! ہم تو جیتے ہیں۔ ہیں۔ اس تعلیم نے بھی بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ یہ ہے کیا؟ یہ تعلیم گاہیں تو تباہی کے اڈے ہیں۔ اچھا خاصا بچہ دس پانچ روز میں ہی ہوٹل اور گردن بن جاتا ہے۔ بڑا لڑکا اب آٹھ سال کا ہے خود پڑھا رہا ہوں۔

ناظر۔ اب تک آپ خود ہی پڑھا رہے ہیں؟ ایک ہی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے سہے تو ذہین۔

ہنار اچھے ہیں لائق ہوگا۔

حبیب - جی ہاں ذہین ہے لیکن تھوڑی سی بے حسی اور بے پروائی ہے۔ میں اس خیال میں تھا کہ دو تین جماعتوں کی خواندگی ہو جائے گی تو تیسری یا چوتھی میں داخل کرا دوں گا۔ اتنے میں یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں آکر پریشانیاں رہیں اس لئے تیسری میں داخل کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پڑھنے پڑھانے کی رسم نہیں ہے۔

ناظر - کیوں؟ ماسٹر تو کچھ نہ کچھ کام کرا ہی دیتے ہیں۔ کیا بات ہوئی؟

حبیب - میں نے تو یہ دیکھا کہ جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی بھولتا جا رہا ہے۔ عادات میں بھی وہ بات نہ رہی بد تمیز سا ہو گیا ہے۔ نہ وہ پڑھنے کا شوق رہا ہے نہ وہ کھیل کا طرز ہے۔

ناظر - تو فرصت کے وقت خود سنبھال لیا کیجئے۔ پڑھایئے یاد کرایئے۔ آپ کی تھوڑی سی توجہ بھی کام کر جائے گی۔ دوسرے اسکول پر نہ چھوڑیئے گا۔

حبیب - ہاں اب حالات میں قدرے سکون ہوا ہے تو روزانہ گھنٹے آدھ گھنٹے کے لئے لے بیٹھتا ہوں۔ امید ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن ایسی صورت ہو تو اسکول کا کیا فائدہ ہے آدمی خود ہی پڑھا لیا کرے۔

ناظر - حبیب صاحب! بات یہ ہے کہ تعلیم کوئی سی ہو اور کسی طرح سے ہو اپنا اثر کرتی ہے۔ اصل میں ساری خرابی یہ ہے کہ اسکولوں کو یورپ کی نقل اتار کر آزاد کر دیا گیا ہے۔ ماسٹر بیسیوں کی کمی سے افلاس میں الجھ کر اکنّی دوّنی کا حساب جوڑتے رہتے ہیں گریڈ کے دن گنتے ہیں یا ٹیوشن کی فکر کرتے ہیں۔ گرفت نہ دیکھ کر غافل بھی ہو جاتے ہیں۔ افسروں کو نیچے ہلانے اور پیچھے مارنے سے فرصت نہیں جوتی والوں کو پتہ نہیں کہ نیچے کیا ہو رہا ہے اس لئے آوا بیٹھ گیا ہے۔

حبیب - ان سیاسی انقلابات نے ہر طرف اثر ڈالا ہے یہ محکمہ بھی محفوظ نہ رہا ہوگا۔

ناظر - نہیں یہ انقلابات تو اثر انداز ہوئے ہی لیکن یہ محکمہ کچھ تو اس وقت سے ابتر ہو گیا جب یورپ کی نقل کر کے مارنے پیٹنے اور تشدد کی سخت گیری سے نجات مل گئی اور کچھ سیاسی تحریکوں نے نقل بیڑا اٹھا دیا ورنہ ۱۹۲۰ء تک پچھلی باتیں چلی آ رہی تھیں۔ استاد پڑھاتے تھے۔ طالب علم

بڑھتے تھے۔ وہ تو طرف اپنے اپنے فرض کا احساس تھا۔ اصلاحات کیا شروع ہوئیں نفع نقصان
کے اسباب سے بے نیاز ہوگئے۔ انگلینڈ کے اصول کی نقالی کی گئی تو چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔
طلبہ کو گھورنا ڈانٹنا ڈپٹنا بھی ممنوع قرار پایا۔ اتنا نہ سوچا کہ اس پسماندہ ملک کی ذہنیت
انگلینڈ کی زندہ ذہنیت کی نقالی کر کے ڈوب جائے گی۔

حبیب۔ یہ قانون تو بہت دنوں سے رائج ہے۔ میرے نزدیک تو اچھا ہے وہ طریقہ بھی کچھ نہ تھا۔
کہ صبح سے شام تک کٹائی ہو رہی ہے۔ مدرسہ قصائی خانہ معلوم ہوتا تھا۔ طلبہ جتنی اکثر جاتی
نہیں بچے بھگوڑے بن جاتے تھے۔ رٹائی پر پڑھائی تھی۔

ناظر۔ لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا اثر کیا ہوا۔ اس ملک میں دماغ کیا اور تعلیم کیا۔ اسی سختی ہی سے
طالب علم پڑھتے تھے لیاقت پیدا کرتے تھے۔ جو کچھ سکھایا جاتا تھا اسے شوق سے سیکھتے تھے۔
جتنی محنت کی جاتی تھی اس کا نتیجہ سامنے آجاتا تھا۔ اب تو سال بھر کی دماغ پاشی میں ایک حرف بھی پلے نہیں پڑتا۔

حبیب۔ ہاں واقعی اس زمانے کے پڑھے لکھے قابل تو ہوتے تھے چھوٹی سی عمر میں اتنی انگریزی سیکھ لیتے
تھے کہ اسکول چھوڑ کر دفتر جا بیٹھے تو کام خوبصورتی سے سنبھال لیا۔ اب تو میٹرک کر کے بھی ایک صحیح فقرہ
لکھنا نہیں آتا۔ سند حاصل کرنے کی ایک رسم سی پڑ گئی ہے۔

ناظر۔ میں یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ وہ سختی بری تھی تو یہ آزادی بھی بد لیاقتی کا سبب ہے۔ اس میں
فائدہ تھا۔ اس میں سراسر نقصان ہے۔ اور وہ سختی بھی ایسی نہ تھی جتنی بدنام کر رکھی ہے۔
بدشوقوں اور شریروں ہی کے لئے تھی جو انہیں کام پر لگا دیتی تھی اور شوقین طلبہ سے استاد
شفقت سے پیش آتے تھے۔ اپنے علم اور محنت کی یادگار سمجھتے تھے وہ بھی انتہائی عزت کرتے
تھے۔ پنڈت جی کی بہلی اور مولوی صاحب کا گھوڑا اتنا مشہور ہے۔

حبیب۔ ایک نقصان تو تھا کہ حیا کی اور جرأت ماری جاتی تھی جو دنیا کی کشمکش میں کام آنے والی
چیز ہے۔ فارغ التحصیل ہو کر آیا ہے سے ہو جاتے تھے منمنانے لگتے تھے۔ بس مسجد مدرسہ کے ہی رہ جاتے تھے

ناظر۔ یہ بھی آپ نے خوب کہی۔ اس میں ان کی سختی نرمی کو کیا دخل ہے۔ یہ تو ملک و قوم کی گراوٹ کا نتیجہ تھا۔
کوئی زندہ راستہ سامنے نہ تھا جسے پہچانتے تھے۔ پھر بھی دیکھئے کیسے کیسے مولانا شبلی مولانا حالی مولانا ذکاء اللہ

دہلوی ڈپٹی نذیر احمد خود سر سید احمد اور ان کے تمام حواری انہیں مدرسوں اور پاٹھ شالاؤں کے پڑھے لکھے اور تربیت یافتہ لوگ تھے۔ کیا واقعی اس دور کے اسکولوں اور کالجوں نے کوئی ان جیسا پیدا کیا؟

حبیب۔ وہ بہت قابل اور سمجھدار لوگ تھے ان کی مثال نہ آئی۔ لیکن وہ تعلیم اُس وقت ہی کے لئے موزوں تھی اب علوم بہت آگے نکل چکے ہیں ہمارے مدرسوں میں وہی فرسودگی ہے۔ مجھے تو معلوم نہیں سنا ہے کہ ابھی تک وہی پرانے علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ کیا بات ہے ہم میں بدلنے کی صلاحیت کیوں نہیں رہی؟

ناظر۔ کیا کہئے آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ وہی ہزار سال پہلے کی قیاس آرائی اور تخیل بازی رٹی جا رہی ہے۔ بو علی سینا وغیرہ نے افلاطون و ارسطو کے نظریے توڑ دئیے تھے۔ وہ لوگ خیال الفاظ اور لفظوں پر اندھا دھند سر نہیں جھکاتے تھے لیکن کہاں زمانے کی اتنی تبدیلی پر ابھی تک ایک حرف نہیں بدل سکے۔ بیشک علوم دینیہ نہیں بدل سکتے لیکن دوسری کہنہ باتوں کی جگہ تو جدید تحقیقیں رکھ سکتے ہیں۔

حبیب۔ معلوم ہوتا ہے کبھی کوشش نہیں کی گئی ورنہ اس میں کیا دین کا خلل تھا۔

ناظر۔ نہیں چند زمانہ شناس علماء نے تجویز پیش کی تھی لیکن قدامت پرستوں نے چھانی کوٹ لی کہ درس نظامی بدلنا چاہتے ہیں یہ بہت بڑی تباہی ہے۔ وہ بھی چپکے ہو رہے ورنہ مصر میں تمام علوم جدیدہ کی تصانیف موجود ہیں رائج ہو جاتیں تو جدید علوم سے بھی واقفیت ہوتی۔ اور ساتھ ہی تھا عربی کا بھی چرچا ہو جاتا۔ طلبہ لکھنا پڑھنا سیکھتے۔

حبیب۔ میں نے یہ عجیب بات دیکھی ہے کہ فارسی عربی کے طلبہ تحریر و تقریر سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ دو ایک دوست ہیں جنہوں نے ساری عمر ان زبانوں میں گزاری ہے لیکن نہ بول سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔

ناظر۔ جی ہاں یہ خامیاں مدت سے چلی آتی ہیں کبھی کسی نے ادھر توجہ نہیں کی۔ سب کچھ موجود ہے ہر قسم کے ذخائر بھرے پڑے ہیں لیکن کوئی ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ طرز تعلیم بھی نہایت

بے مصرف ہے۔ پڑھتے ہیں لیکن گونگے کا گڑ ہے نہ مزہ بتا سکتے ہیں نہ خیس سمجھا سکتے ہیں۔ انگریزی میں جو آپ گٹ پٹ شروع کر دیتے ہیں بات یہ ہے کہ اوّل تو اس کا یہاں استعمال لازمی ہے دوسرے پڑھانے کا طریقہ ایسا ہے جو زندہ زبانوں کا ہونا چاہیئے۔ اس لئے معمولی کوشش سے لکھنا بولنا آجاتا ہے۔ عربی کے فاضل بھی دو چار فقرے بے تکلف نہیں بول سکتے۔

حبیب۔ خیر طرزِ تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں بھی کیا رکھا ہے۔ لیاقت پیدا نہیں ہوتی۔ عربی فارسی والے پھر بھی زبان و بیان سے کچھ لگاؤ تو پیدا کر لیتے ہیں۔ کم سے کم درسیات ہی اچھی ہوتی ہیں۔ نظم و نثر سے کچھ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔

ناظر۔ ہاں ان اداروں میں تو سوائے ہاؤ ہو کے کچھ بھی نہیں۔ کبھی کسی اسکول کو غور سے جا کر دیکھئے نہ نظم نہ ضبط۔ لڑکے ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ ہم پڑھنے آتے ہیں۔ کچھ نکلے پر کچھ پاخانوں میں کچھ اِدھر اُدھر چھپ کر سگرٹ پیتے ہیں تاش کھیلتے ہیں۔ آدھے وقت کے بعد ایک تہائی بھاگ جاتے ہیں۔ ان حالات سے بددل ہو کر وہ استاد بھی بیٹھے رہتے ہیں جو کام کرنے والے ہیں یونیورسٹی کے امتحان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی فریادیں اخباروں تک میں چھپتی ہیں وہ آپ کو معلوم ہی ہوا ہوگا۔

حبیب۔ اگر نظم و ضبط نہیں ہے تو بہتری کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اس ابتری میں مستقبل کی بھلائی کی معلوم۔

ناظر۔ اس ابتری ہی کا نتیجہ ہے کہ محنت کا ہزارواں حصہ بھی کسی کو نہیں دکھا سکتے۔ کوئی پڑھے بیٹھے تو آئے گئے کو نسائے معلوم ہو کہ پڑھانے والے نے کام کیا ہے۔ امتحان ہونے میں تو کتابیں لا کر نقل کر دیتے ہیں۔ وہ چھین لی جائیں تو آس پاس سے نقل کر کے پرچے رکھ دیتے ہیں۔ بدزبانی کی اسکولوں ہی میں بنیاد پختہ ہوتی ہے اسی وجہ سے باہر بھی ہر طرف اسی کا مظاہرہ ہے۔ مولانا حالی نے نو مولویوں کے بارے میں فریاد کی تھی انگریزی تعلیم نے اخلاق کی جڑیں نکال دیں ؎

وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

حبیب۔ میں بھی عرض کر رہا تھا کہ لڑکا جب تک گھر پر پڑھتا رہا اچھا خاصا تھا۔ اسکول میں پہنچتے ہی بدشوقی اور بدتمیزی کا شکار ہو گیا۔

ناظر۔ بدتمیزی اور بدشعوری حد کو پہنچ چکی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکول صرف ان اوصاف

کی ٹریننگ کے لیے کھولے گئے ہیں۔ میں عرض کر ہی چکا کہ طلبہ چھ گھنٹے کس طرح کاٹتے ہیں۔ یہ تعلیمی ادارے نہیں بھنگڑ خانے ہیں۔ یہ تو بچے ہیں کالجوں میں بڑوں کی تباہی ہے۔

حبیب۔ جی ہاں وہاں بھی صرف فیشن کی وارفتگی اور سینما کی ایکٹرسوں کا انتخاب ہے نہ حال کا ہوش نہ مستقبل کی فکر۔ کسی کی جیب میں نورجہاں کی تصویر ہے کسی کے کمرے میں نگاہ کی تسلی کیلئے مقیم اور بزم ہے۔

ناظر۔ ان اسباب سے تو حالت بگڑ ہی رہی تھی رہا سہا گریڈ بازی نے تباہ کر دیا جسے دیکھو جمع پاد رہا ہے۔ کسی کو ملک و قوم کی فکر نہ رہی نحو الف کو بھول گئے۔ انگریز کو کیا غم تھا اسے تو صرف کلرکوں کی ضرورت تھی سو سارا ملک کلرک بن گیا۔

حبیب۔ تو یوں کہیے کہ لاکھوں روپے بیکار جا رہے ہیں۔ اس سے تو واقعی وہ مکتب سسٹم ہی اچھا تھا کم خرچ بالا نشیں کُٹ پیٹ کر آدمی تو بن جاتے تھے۔ کچھ سیکھ تو لیتے تھے۔ ہم اب پیسے خرچ کر کے تباہی خرید رہے ہیں حاصل نوٹ ہو چکا ہے۔ نتیجہ میں لفنگا پن بدلیاقتی بدشعوری ناسمجھی سے گراں تعلیم کا ہو بہت زندگی کے میدان میں آتے ہیں آہ: بانو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی۔

ناظر۔ خرچ کی نہ پوچھیے حال یہ ہے کہ متوسطوں کے لیے بھی اولاد کو تعلیم دینا مشکل ہے غریب غربا کا تو ذکر کیا۔ ہر بات میں ظاہر داری نمود نمائش ہے جس کام میں پیسے خرچ ہونے تھے اب رقمیں اٹھتی ہیں اور حاصل کچھ بھی نہیں۔ ایم اے پاس کر کے نکلتے ہیں تو سوائے تھوڑی بہت زبان یا حساب کے کچھ بھی نہیں آتا۔ علم کی چاشنی سے بے بہرہ ہے روزمرہ کے نشیب و فراز کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ بات کرو تو جاہلوں سے زیادہ کودن۔ غلط فہمی کا مجسمہ لیکن ایم اے ہیں بی اے ہیں ان کے سامنے علم اور سمجھ کا دعویٰ نادانی ہے۔

حبیب۔ جی ہاں میرے ایک واقف ہیں ایم اے ہیں۔ وہ اک مرتبہ ان سے علمی ذکر چھیڑا تو معلوم ہوا کہ کوئی انگریزی ادبی نظم تو کیا اردو کا کوئی شعر الفاقیہ لے آتے ہیں تو وزن بھی ٹھیک ادا نہیں کرتے۔ انسانی خیالات سے کوسوں دور ہیں۔ خیر سے کسی کے مرید بھی ہیں۔ البتہ افسانے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسی کتاب ضرور ہاتھ میں رہتی ہے۔

ناظر۔ بس اسی سے اندازہ لگا لیجیے۔ آپ کو ایسی مثالیں بہت ملیں گی۔ عوام افسانوں پر گرتے ہیں تو بیچارے معذور ہیں۔ جن میں علمی ذوق ہونا چاہیے تھا وہ بھی اسی جگہ میں ہیں۔ اگر یہی بے

ہو گئی ہے تو عنقریب سائنس علم طبقات الارض ڈاکٹری فلسفہ علم ہیئت وغیرہ علوم بھی افسانوں
میں شائع ہوا کریں گے تاکہ ہمارے نوجوان دلچسپی سے پڑھنے لگیں ۔

حبیب ۔ سنیماؤں میں جو یہ اژدحام ہے یہ اسی انہماک کا نتیجہ ہے ۔ جوانی دیوانی عوام نوخیزان کا سوائے
جی جان کے اور کیا مقصود ہو سکتا ہے تعلیم یافتہ طبقے میں سے بھی اکثریت محبت کی گہرائی کہانی کا خاکہ اور
اداکاری دیکھنے نہیں آتی وہ بھی چہرے سے قد سڈول بازو کمر کی لچک ابرو کی خمیدگی آنکھوں کا نشہ چہرے
کا تراش یا جسم کی موزونی گردن کی لمبائی انداز کی دلکشی حرکات کی چستی ہی پر نظر ڈالنے آتی ہے تاکہ اصلی
مقصود میں کچھ گرمی آجائے اور مصنوعی آہیں ذرا گہری ہو کر لذت دینے لگیں ۔ اگر عوام لوٹتے
ہوئے گلی کا چکر کاٹ کر ایک آدھ شعر پڑھ دیتے ہیں تو یہ بھی کسی کی یاد میں گنگناتے ہوئے نکلتے ہیں ۔

ناظر ۔ آپ نے تو بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ۔ میں تو یہی کہوں گا کہ تعلیم یافتہ طبقے میں اگر علمی ذوق
ہو تو یہ سنیما بازی بھی مفید ہو سکتی ہے ۔ کوئی سنجیدہ فلم آجائے تو یہ لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں ۔
اور وہ پھیکی ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اصل میں ذوق کہاں سے آجائے اسکولوں اور کالجوں کی فضا نے
جوہر فنا کر دیا ۔ ایسے ماحول میں سمجھ اور ادراک کا پیدا ہونا محال ہے ۔ تعلیم کے طریقے بہت
نکالے گئے کسی نے یہ نہ سوچا کہ جب پڑھنے ہی والوں کو نکما بنا دیا تو یہ نت نئے طرز کس کام کے ہیں ۔

حبیب ۔ ہاں ایک بات خوب یاد آئی ۔ یہ نئے نئے طریقے ہمارے لئے ہی میدان میں آئے ہیں لیکن مصداق
اسی کا ہے کہ ۔ ایجاد بندہ اگرچہ گندہ ۔ تین چار روز ہوئے ننھے کو لے کر بیٹھا تو اس نے پانی کے
کم ہجے نئے ڈھب سے کئے ۔ وہ حرکت کو ساکن سے پہلے بولتا ہے ۔ میری سمجھ میں نہ آیا اس میں
کیا خاص بات ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ پرانے طرز کے ہجے رواں تھے اور اس طرز کے پڑھنے والے
اس جدت سے زیادہ لائق ہوتے تھے ۔

ناظر ۔ جی ہاں جب سے اس قسم کی قلابازیاں نکلی ہیں تعلیم کا دیوالہ نکل گیا ۔ یہ میں آپ سے عرض کرچکا
ہوں کہ تعلیم کسی طرز سے بھی دی جائے اگر طالب علم کی توجہ ہے تو اسی میں کیفیت پیدا ہو جاتی ہے
ذہین اور کند سب چل پڑتے ہیں ۔ شک نہ کیجئے کہ بے دماغ اور بدذوق کے لئے حضرت جبرئیل
کی پھونکیں بھی بیکار ہیں ۔ اس قسم کی نکتہ آفرینیاں کر کے گڑبڑ تو لئے لیکن کوئی خاص اصول

نہ نکالا۔ کوئی ایسی صورت نکالتے اور تعلیم کا وہ ڈھب سکھاتے کہ بے سروسامان جوہر داروں کو
جوہر دکھانے کا موقع ملتا۔ دماغی نشوونما میں ترقی ہوتی۔

حبیب۔ ایسا ڈھب بھی یورپ نے بہت پہلے اپنے ممالک میں رائج کر دیا تھا یعنی اشیا سے تعلیم دی جاتی تھی۔ غالباً بیکن پہلی مرتبہ اس طرز کو انگلینڈ میں جاری کیا تھا۔ اب بھی دہرہ دون میں بچوں کا اسکول کھلا ہوا ہے۔ ذرا ذرا سے بچے اپنے رجحان کے مطابق کام کرتے ہیں۔ کوئی ریل چلاتا ہے کوئی تصویریں بناتا ہے کوئی لوہا کوٹتا ہے کوئی لکڑی کا کام کرتا ہے۔ اس سے ان کا طبعی رجحان معلوم ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر آگے چلایا جاتا ہے۔ اس طرح وہ کمال پیدا کرتے ہیں

ناظر۔ بیشک یہ بہترین طریقہ ہے۔ ہمارے یہاں تو رجحان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ طبیعت کسی طرف چلتی ہے اور ڈالا کسی طرف جاتا ہے۔ بڑا افسوس یہ ہے کہ والدین بھی بچوں کی نازبرداری میں ان کے نفع نقصان کو بھولے ہوئے ہیں۔ استادوں کی ہمدردانہ مفید سختی کو مضر سمجھتے ہیں کوئی ان اداروں میں چلائے بھی تو کیا چلائے۔ پھر خدا کے فضل سے ہماری پیداوار بھی تو طبعی مناسبت لے کر نہیں آتی۔ اصل یہ ہے کہ پڑھنا نہ چاہے اسے حضرت جبریل بھی نہیں پڑھا سکتے۔ اس بات کو یہ سادہ لوح خلقت سمجھ نہیں سکتی۔ ساری ذمے داری پڑھانے ہی والوں پر ڈالتی ہے۔

حبیب۔ ان حالات نے ہی تو کام بگاڑے ہیں کودن بنا دیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ابا مجھے مکتب میں بٹھا آئے تھے اور منشی جی سے کہہ دیا تھا کہ ویسے نہ بیٹھے تو سختی سے پڑھائیے گا۔ ہمیں پڑھا ہوا لڑکا درکار ہے بید پڑے تو بھلا یا مرا بھلا۔ یہی وجہ تھی کہ میری بہت سی بری عادتیں ان کی پھچیوں نے ٹھیک کر دی تھیں۔ جاہل بزرگوں کا یہ حال تھا لیکن ان تعلیم یافتوں کا یہ حال ہے کہ تو نہیں کہنے دیتے۔

ناظر۔ خود مجھ پر بھی یہی حالات گذرے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ بڑوں کے لئے تو اتنے قانون قاعدے ہیں اور ناسمجھ بچوں کے واسطے کوئی روک تھام نہیں وہ جو اپنے نفع نقصان سے محض بیگانہ ہیں۔ یہ کیسے بزرگ ہیں! بات یہ ہے کہ وہ خود جس طرح ٹھگ پنے سے نقلیں کر کر کے سند لے گئے جانتے ہیں کہ یہ بھی سند لاکر کہیں کلرک ہو جائیں گے۔ ان سے کبھی لیاقت کا سوال نہ ہوا تو

ان سے کیوں ہوگا۔ کبھی اگر خبر نہیں پوچھتے۔ ہاں جب صاحبزادوں کی بدشوقی و بیہودگی پر سختی کی جاتی ہے تو گھوڑے کی طرح دوڑے چلے آتے ہیں۔

حبیب۔ میں سزا کے حق میں نہ رہا تھا لیکن اگر ہماری تعلیم گاہوں کی یہی حالت ہے تو پھر سزا ضرور ہونی چاہیئے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ سردھڑوں میں ضبط و نظم کی بالکل اہمیت نہیں رہی ورنہ یہ عالم ہرگز نہ ہوتا۔

ناظر۔ بس یہ نہ پوچھئے ان میں تو شاذ و نادر ہی کوئی ہوش و حواس والا ہو تو ہو۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ یہ اہم اور ضروری ادارے کس طرح چلانے چاہئیں۔ تاہم اگر گھروں سے تربیت نہ مٹ جاتی تو اتنی ابتر حالت نہ ہوتی۔ اب تو عورتیں سرزلف تمناؤں میں منہ چھپٹ پال کر اسکولوں کے حوالے کر دیتی ہیں ان کی بلا جانے کیا نتیجہ نکلے گا۔ انہیں تو یہ ابتر بھی افلاطون اور ارسطو ہی جچتے ہیں۔

حبیب۔ ناظر صاحب! ماسٹروں کی بھی اکثریت اب ٹھوس قابلیت سے عاری ہے۔ کچھ عجیب طرح کے ہونے لگے۔ ذوق اور طبیعت سے خالی۔

ناظر۔ اس کی ذمہ داری بھی تو محکمے کے منتظموں پر ہے جن کو اس اہم ترین محکمے کے لائق نہ دیکھیں نہ رکھیں۔ وہ ہمارے وقتوں کے ایسی ٹریننگ میں بھی نہ جانے تھے اور وہ مکتب کے منشی جی تو بہت ہی پرانے تھے لیکن اچھی خاصی لیاقت تھی۔ اب قوموں کا بناؤ بگاڑ اگر تعلیم ہی پہ ہے تو اس محکمے کو انتہائی محنت اور خلوص سے سنبھالنا چاہیئے۔

حبیب۔ مجھے والد مرحوم نے گاؤں سے بلا کر انگریزی اسکول میں داخل کر دیا تھا اب تک یاد ہے کہ کیا نظم و ضبط تھا کیسی تعلیم تھی۔ دو تین سال میں ہی بہت کچھ سیکھ لیا۔ علیگڑھ کی فضا بھی کیا فضا تھی وہ سمے یاد آتے ہیں۔ وہ کلچر اب نصیب نہیں ہو سکتا۔

ناظر۔ انگریزی اسکولوں کا کیا ذکر کرتے ہیں آپ ان سے ہمیں کیا نسبت ہے۔ نقل کے لئے بھی ہوش و حواس چاہئیں۔ افسوس ہم نے ذہنیت کو نہ سنبھالا۔ اس کی وجہ سے کتنی زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ اسکولوں اور کالجوں کی بے مقصد فضا میں یہ سمجھتے رہے کہ نکل کر دنیا کے مالک بن جائینگے۔ باہر نکل کر ٹھوکریں کھاتے ہیں تو لے جو ہو سو ہوتے سمجھا ہوا کیا۔ میں نے کتنے تباہ ہوتے دیکھے ہیں۔

کوئی گھر والوں کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ کوئی گریڈ پرست بے حس افسروں کو ملامت کرتا ہے۔ اس جنگ کا خدا بھلا کرے سب کار پر لگ گئے ورنہ پڑے انگڑائیاں لیتے تھے۔ آہ کھینچکر کہتے تھے کہ کوئی کام سیکھ لیتے تو پیٹ تو بھرتا۔

حبیب۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ گریجوایٹوں نے اس زمانے میں تنگ آکر بوٹ پالش کی۔ بمبئی کی تاریک کوٹھڑیوں میں قرض کے سگرٹ پی پی کر اللہ میاں کو برا بھلا کہتے رہتے تھے اور انگڑائیوں کے ساتھ آہیں کھینچے جاتے تھے۔ کتنے ایم اے زندگی سے تنگ آکر خودکشی پر تل بیٹھے بلکہ کئی نے جان دے کر افلاس سے جان چھڑائی۔

ناظر۔ ہیں یہ کیا؟ چل پڑے؟

حبیب۔ جی ہاں اب چلوں ساڑھے چار گھنٹے تو ہو گئے۔ خیال کیجئے کس وقت آیا تھا۔

ناظر۔ تشریف بھی رکھئے ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ ہم مزاج کہاں ملتے ہیں۔ ماحول خلاف طبیعت انسانوں سے بھرا ہوا ہے ایک آپ کا دم ہے سو یہ تعجیل ہے۔

حبیب۔ نوازش ہے آپ کی۔ اب چلوں ضرور بات بھی تو بہم پہنچانی ہیں۔

ناظر۔ ذرا اور بیٹھئے آپ کا یہ کبھی کبھی کا آجانا بھی رحمت ہے۔ مانا کہ پوری ہم خیالی نہیں ہے لیکن ہم مزاج ہوتے میں تو شک نہیں۔ میرے لئے خلاف مزاج انسان کا ساتھ سوہان روح ہے۔ آپ کو کس طرح غنیمت نہ سمجھوں۔

حبیب۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ مروت تو مروت کو کھینچتی ہے۔ آپ کے اخلاق اور خیالات کشاں کشاں لے آتے ہیں۔ باقی رہے خیالات سو اکثر باتوں میں تو آپ کا ہمنوا ہوں رعایات اور اضافوں کا احساس ہے جو مذہب کے ارکان و اصول بن کر ہماری زندگی پر حاوی ہو گئے ہیں اتنا ہے کہ کدو کاوش نہیں۔ عوام سے کون الجھے کون ملامتیں سمیٹے۔

ناظر۔ نہیں میں اتنا ہول [illegible] آپ کے پاس لطیفہ بھی ہے۔ خیالات کا اختلاف بھی گھٹ جائے گا۔ آپ جہاں تک پہنچے ہیں خود پہنچے ہیں۔ فرسودہ ماحول میں اتنا احساس بھی آپ کی ذکاوت پر دال ہے۔ مزید جستجو ہوگی تو اور منزلیں بھی طے ہو جائیں گی۔ آپ نے مطالعے کے ذوق سے فائدہ اٹھایا ہے

حبیب - نہیں ناظر صاحب! میرا خیال ہے کہ اتنی جستجو کافی ہے۔ زیادہ تلاش میں سرا ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ رہی آپ کی وسعتِ نظر۔ میں تو کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اس کی بھی حد ہونی چاہیئے۔ آپ بہت دور پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے سننے والے کی فکر ڈانواڈول ہو جاتی ہے۔ کوئی نظریہ سامنے نہیں رہتا جس سے عام یکجہتی کی دیواریں ٹکی رہیں۔

ناظر - مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے یکجہتی کو بہت محدود کر لیا ہے۔ اصلاحی اشتراک تو بہت وسیع چیز ہے۔ خیر میرا مطلب یہ ہے کہ اس بے حس زر پرست ماحول میں آپ کی ملاقات وجہ تسلی ہے۔ ورنہ پریشان خیالی اور غموں کے سلسلے کا تصور نہ ٹوٹنے دیجیئے۔ ذرا اوپر سنبھل کر بیٹھ جائیے جوتا اتار دیجیئے ٹوپی رکھ دیجیئے۔

حبیب - جی چاہتا رہتا ہے کہ آپ کے خلوص سے اکثر حاضر ہو کر فائدہ اٹھاؤں لیکن کچھ تو یہ آلام و افکار اور کچھ عیالداری کی الجھنیں حاضری سے قاصر رکھتی ہیں۔ اصل میں اس کشش کا سبب ہم مزاجی ہی نہیں ہم وطنی بھی اثر انداز ہے۔ ایک بستی نہ سہی ضلع تو ضلع سے ملا ہوا ہے۔ قومی یگانگت بھی میلانِ طبع کا سبب ہے۔ غرض کئی گونہ نسبتیں ہیں۔

ناظر - مدت کے بعد اکٹھے رہے ہیں لیکن کس حال میں۔ آلام و افکار بھی کیسے نہ ستائیں۔ جو تھوڑے سے بہت اسباب زندگی مہیا تھے وہ بھی چھن گئے۔ وہ لوگ نہ رہے وہ سوسائٹی نہ رہی۔ بے سروسامانی نے دونوں ہاتھوں سے سنبھال لیا۔ نہ سکون نہ اطمینان اب تو دن ہی پورے کرتے ہیں۔

حبیب - آپ تو بالکل ہی قلندر ہو گئے نہ کرسی ہے نہ میز نہ کوئی اور سامان ہے۔ خیر اکیلی جان کا گذارہ ہر طرح ہو سکتا ہے میرے لئے بڑی دقت ہو گئی ہے۔

ناظر - آپ کو معلوم ہے اپنے ہاتھ سے فرنیچر بنا لیتا ہوں۔ وہ سب کچھ وہیں رہ گیا یہاں اوزار نہ ہتھیار اور اب جی بھی نہیں چاہتا۔ اسی طرح گذر جائے گی۔

حبیب - خیر لوگوں نے تو نہ معلوم کیا کیا سمیٹ لیا۔ جن کے وسائل تھے یا علمی طبیعت تھی مکان بھی لئے سامان بھی کھینچا انہیں بھی قبضایا۔ جو خوددار تھے محروم رہ گئے کسی نے پوچھا بھی نہیں کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔

ناظر - حبیب صاحب! یہ دنیا ہے یہاں وہی کامیاب ہوتا ہے جو نیچ اونچ نہ دیکھ کر اندھا دھند دوڑے دماں بنائے فریاد کرے فضیلتوں کو کون پوچھتا ہے الدنیا بالوسائل لا بالفضائل - چالاکی اور مکر و فریب ہی پروان چڑھتے ہیں -

حبیب - ہے تو یہی بات - اور پہلے نہ تھی تو اب تو آنکھوں سے دیکھ لی -

ناظر - ذرا اور غور سے دیکھئے جو ضمیر خودداری اور ہلکے پن کو خاطر میں نہ لائے وہ گنا سنبھال بیٹھے ضمیر والوں کو خود ہی کسی نے ترس کھا کر دیدیا ہو تو خیر ورنہ اب تک یاس و حسرت میں لپٹے پڑے ہیں - کوشش اور فریاد نہایت ضروری ہیں - مَن جَدَّ وَجَدَ - جس نے کوشش کی پایا -

حبیب - ہم تو خیر ملازمت کے سلسلے میں تھے وہی مقررہ یہاں بھی مل جاتا ہے - لیکن بہت سے دھکے کھا کر گراوٹ پر آ گئے - وکیپ افعال سے مفر نہ رہا -

ناظر - ایسا ہی ہوتا ہے - پیسہ نہ ہو تو ساری وضع داریاں رکھی رہجاتی ہیں - حالتیں بدل گئیں - ذہنیتیں الٹ گئیں بنیتیں بگڑ گئیں "مالَ المالُ فتغیرتِ الاحوال"

حبیب - پھر اس پر طعنے اور ملامتیں بھی تو ہیں کہ بھاگ آئے -

ناظر - یہ بھی ایک مصیبت ہے کسی کو سمجھا بھی نہیں سکتے کہ حالات کیا ہو گئے تھے - جن پر گذری ہے وہی جانتے ہیں - نہ بھاگتے تو کیا کرتے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن - بھاگنے کا بھی موقع آجاتا ہے - ان لوگوں پر گذری نہیں - الفرار وقت ظفر" - ایک وقت بھاگنا بھی عقلمندی ہے

حبیب - بعض ہیں جو ایسی گفتگوؤں پر سنجیدہ ہو کر چپکے سے کہتے ہیں کہ یہ تو یاس انگریزی ہے - ہماری داستانوں کا ان پر بس اتنا ہی اثر ہوتا ہے - اور جنہیں سمجھے تو ان اذکار سے بھی نفرت ہے - کوئی ذکر چھیڑ دیتا ہے تو بات زبان پر آجاتی ہے - پناہ گزیں بننا ذلت کے مترادف ہے بجائے افسانہ گوئی کے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں -

ناظر - لیکن آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ سب پناہ گزیں یکساں نہیں ہیں - صنعت و حرفت والے یہاں بھی اپنے لیئے رزق کی سبیل نکال سکتے ہیں دقت یہ ہوگئی کہ کارخانے نہیں - کارخانے کھل جائینگے

عنقریب ان کا کام چل پڑے گا ۔ مصیبت تو کسانوں کی ہے یا زمینداروں کی جو بونے جوتنے کے
سوا کچھ نہیں جانتے ۔

حبیب ۔ گورنمنٹ نے اس بے سروسامانی پر بھی پناہ گزینوں کی مشکلات پر قابو پا لیا ہے ۔ باقی بھی
اسی طرح چپکا رہیں گے ۔ مصیبت تو متوسط طبقے میں اُن کی ہے جو ذرائع نہیں رکھتے ۔
پھر بھی ایسی حالت نہیں ہے جو ہندوستان کے اتنے وسیع ذرائع میں پیش آرہی ہے تعجب ہی ہوتا ہے

ناظر ۔ بات کہتے ہیں آجاتی ہے ۔ مسلمان نے وقت سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔ انگریز کے دیئے ہوئے
امن کو غفلت میں کھویا ۔ تعلیم سے بے بہرہ رہا ۔ رسمیات کی چوکھٹ پر اوندھے منہ گر پڑا ۔
مذہب میں پان پھول لگائے ۔ ان مشاغل میں زندگی کی ضرورتوں سے دور رہ گیا ورنہ وہ زندہ تھا ۔
ہندو کو کہاں بڑھنے دیتا ۔ اس حالت کو دانائے عجم حکیم شیراز شیخ سعدی نے کئی جگہ بیان کیا ہے ۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

حبیب ۔ ہاں ہندو نے فائدہ اٹھایا لیکن مسلمان کا ہاتھ کون روک رہا تھا اگر میدان میں کود پڑتا ۔
جن قوموں نے ان میں سے ہاتھ پاؤں مارے خوشحال ہیں صاحب ہنر ہیں بمبئی میں جا کر اس بات کا
اندازہ ہو سکتا تھا ۔ اب بھی وہ لوگ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہیں ۔ ان زمیندارے والے
علاقوں میں چار بیگھے کے سہارے نے بہت تباہ کیا ہے

ناظر ۔ آہا ایسا نہ کہئے ۔ کوئی کالج سے تازہ دم نکلا ہوا نوجوان سن لے گا تو وہ جو اس نے ایک لفظ
کہیں اتفاقیہ کسی کتاب میں دیکھ لیا ہے یا کسی سے سن لیا ہے دہرا دے گا ۔

حبیب ۔ وہ کیا؟

ناظر ۔ وہ یہ کہ جب کوئی اندازہ لگا کر کہتا ہے کہ فلاں قوم ہم سے بہتر حالت میں ہے تو فرائڈ
کے چیلے بن کر سر نہوڑا کر چپکے سے فلسفیانہ انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ "یہ تو احساس کہتری ہے"۔

حبیب ۔ نہیں نہیں ۔ یہ کیا بات ہے ۔ اگر طبیعت ابھارنے کے لئے مقابلہ کر کے دکھایا جائے تو اس
میں کیا حرج ہے ۔ ہاں آج کل نفسیات کا لفظ ہر زبان پر چکر کاٹ رہا ہے حالانکہ خود کبھی

نہیں دیکھا کہ اس نے کیا لکھا ہے۔ فرائڈ بننے کی جگہ دست و بازو سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیں اسلاف پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ ان کے کارنامے اب بھی مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ ہمارا ماضی بہت شاندار تھا نئے پرانے طریق کار کو ملا کر ہم اپنے مستقبل کو بہت شاندار بنا سکتے ہیں۔

ناظر۔ دیکھیئے ماضی کا ذکر نہ کیجیئے کوئی حال پرست چیخ پڑے گا کہ ان کی ہر تان ماضی پر ٹوٹتی ہے۔ مستقبل کی فکر نہیں کرتے پچھلے دکھڑے روتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں بتاتے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

حبیب۔ واہ واہ یہ بھی خوب کہی۔ مستقبل ماضی کا آئینہ ہے۔ یہ ہونا چاہیئے کہ شعاعیں پہلے سے تیز پڑیں پھلانے کی کیا بات ہے ہم ایسے کیا ذلیل رہے ہیں۔ ماضی کو دیکھ کر تو دل ابھرتا ہے۔ زندگی کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔

ناظر۔ یہ ٹھیک ہے لیکن مسلمانوں نے تو ماضی و حال دونو بھلا رکھے ہیں مستقبل پر کیا نظر ڈالیں غنیمت ہے کہ مرکز ہوشمند مل گیا ہے۔ آپ کے بقول یہ صوبائی لعنت معمولی رکاوٹ نہیں اور خرخشے کیا کم تھے کہ ایک پھٹکار یہ بھی نکل آئی۔ کھینچنی کی فکر ہونی چاہیئے۔

حبیب۔ کیا کہئے کہ کیونکر ہونی چاہیئے۔ اپنی اپنی جگہ تھے تو تکلف کا احساس تھا۔ آپس کی ہمدردی تھی اکٹھے ہو گئے تو تفرقوں میں ابال آ گیا۔ واقعی آپ کا فرمانا کچھ ٹھیک ہی ہے کہ وطنیت اور ہم زبانی اچھا رشتہ ہیں۔ دینی اخوت اس وقت دب کر رہ گئی۔ گر ابھی تک یہ طے نہیں ہے کہ کل کیا ہوگا اور کس پر آئے گی۔

ناظر۔ یہ بات ہمیشہ رہی ہے۔ پہلے بھی ہر ملک دوسرے سے کھنچتا تھا۔ عرب ہندی بطال کہتے تھے۔ ایرانی سو سو گز زبان نکالتے تھے۔ ہم ان سے مل بیٹھے تھے اور دوسروں سے طبیعت میل نہ کھاتی تھی۔ وطنیت جاندار چیز ہے گو اسے اسلامی اخوت میں دب جانا چاہیئے۔ یہی دیکھ لیجیئے کہ دینی اخوت کے لئے تبلیغ کرنی پڑتی ہے اور یہ بلا تبلیغ ہی دل پکڑ لیتی ہے۔

حبیب۔ میرا خیال یہ ہے کہ عالمگیر برادری میں انسانی بہتری ہے۔ اسی کے لئے یورپ مدتوں سے

کوشش کر رہا ہے۔ روس نے خاص طور سے انسانی برادری پر زور دے رکھا ہے لیکن ظاہر یہ ہوا کہ اس کے لئے بڑے ایثار کی ضرورت ہے۔ ملکی تفریق بالکل چھوڑنی پڑتی ہے۔

ناظر۔ حبیب صاحب! یورپ جو کچھ چاہتا ہے وہ اور چیز ہے اور ہمارا دین اسلام ازم کچھ اور ہے۔ یہ اس کے مقابلے میں چھوٹی برادری ہے اور اس میں شک نہیں کہ پڑوس سے بنی ہوئی ہے تو وہ اخوت ہمارے لئے زندگی ہے ورنہ گھر کی فکر ہے۔

حبیب۔ آہ! اس صوبائی لعنت نے اخوت بھی بھسم کردی۔ جدھر جائیے دُور دُر پھٹ پھٹ نظر آتی ہے۔ تعلقات بیسیوں ابھی ہو جائیں تو دل میں نفرت ہی دبی رہتی ہے۔ ذرا سی بات پہ فوراً کہہ دیتے ہیں یہ ہندوستانی ہے بنگالی ہے مدراسی ہے پنجابی ہے دکنی ہے۔

ناظر۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سب علم و عقل کی کمی ہے۔ غلط فہمی ناسمجھی سے مہیا ہوتی ہے۔ فخر و مباہات انسان کا خاصہ ہے لیکن وقت اور حالت پر بھی نظر پہنچنی چاہیئے۔ فضیلتوں کی غلط فہمی تو بہت ہی اندھا کر دیتی ہے انسان اپنی کھلی عیاں کمزوریوں کو ہنر سمجھنے لگتا ہے۔

حبیب۔ کیا کہئے اس عقل نے بھی بہت فتنے جگا رکھے ہیں۔ یہی ہے جس سے ہر طرف اختلاف کے چشمے ابل رہے ہیں۔ کس کی سنئے کس کی مانئے۔ یہی دیکھا کہ جن کے پاس یہ جنس نہیں ہے وہی کچھ سکون میں ہیں۔ سمجھنے والے ہی کی موت ہے۔

ناظر۔ ہاں خود غور و فکر کرنے والے بھی تنگ آ کر اسے دھتکار دیتے ہیں۔ گمراہیوں کا شبہہ بنالیتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ایک مرکز پر نہیں ٹکنے دیتی۔ آبائی میراث کو اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔ زندگی کی کشمکش سے بیزار کرتی ہے۔

حبیب۔ کچھ ہے تو ایسا ہی۔ سوچنے والے دین دنیا سے اکھڑ جاتے ہیں خانقاہ کے گوشے میں جا بیٹھتے ہیں یا دیو جانس کلبی کی طرح ساری عمر مٹکے میں گذار دیتے۔ یا جب سرا نہیں ملتا تو چیخ پڑتے ہیں کہ دنیا خلائے لنگری ہے۔

ناظر۔ یعنی جو کچھ دیکھ رہے ہیں حقیقت اس کے خلاف ہے یہ مطلب ہے؟

حبیب - جی ہاں عقل کی بے چینی یہاں تک پہنچا دیتی ہے -

ناظر - تو آپ کا یہ خیال ہے کہ عقل بیکار چیز ہے یا اتنی ہی ہونی چاہیئے جس سے معتقدات و خیالات سنبھلے رہیں - زائد کی ضرورت نہیں ؟

حبیب - دیکھ لیجئے نشیب و فراز سوچنے والے آزاد خیالی پر پہنچکر کس مطلب کے پہچانتے ہیں - باریکیاں نکالتے رہتے ہیں کوئی مقصد و مدعا سامنے نہیں رہتا - وہ دھن وہ پختگی اور خیالات کا وہ عشق نہیں رہتا جو میدان جنگ میں تلوار کی باڑھ اور خنجر کی نوک پر جھونک دیتا ہے - جوش کے ساتھ اعتقاد کی پختگی کو عملی جامہ پہنا کر قومی شیرازے کو مستحکم کرتا ہے - خیال کی ہم آہنگی سے تشتت و اختلاف سے بچاتا ہے -

ناظر - یہ آپ کیا کر رہے ہیں ذرا سوچیئے - پہلی بات تو یہ کہ جو سوچتے سوچتے کسی زندہ مقصد پر نہیں پہنچتے وہ عقل کے خام ہیں ایسے مجہولوں کا ذکر کیا - دوسری بات یہ کہ عشق دین و مذہب میں ہی نہیں ہے جس خیال پر بھی انسان پہنچ جائے عاشق صادق ہو جاتا ہے بلکہ دیوانہ بن جاتا ہے جان مال عزت آبرو ہر چیز کی مٹی لگا دیتا ہے - اشتراکیوں کی حالت دیکھ لیجئے مذہب زدوں سے کہیں زیادہ دیوانے ہیں -

حبیب - نہیں میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آزاد خیال ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور پابندوں پر پھبتیاں کسنے لگتے ہیں میں نے تو ان کے پاس کوئی مقصد دیکھا نہیں -

ناظر - میں عرض تو کر چکا کہ ایسے لوگ علم و عقل سے محروم ہیں ورنہ سوچنے والے جس خیال پر بھی پہنچے اس کی دھن لگ گئی - روحی یونانی چینی ہندی بربری دنیا کی مذہبی تاریکی اور روشن خیالی پر پروانہ وار مرتے کھپتے رہے ہیں - فلسفے نے بھی ہاتھ پاؤں مارے ہی ہیں - اشتراکیت میں مذہبی جوش اعتقادی نہیں - آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے گھروں کے ناز پروردہ تعلیم یافتہ اجڑے حالوں لگے ہیں ڈھیلے ڈھالے میلے کچیلے مزدوروں اور محنتیوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں - زندگی تباہ کر بیٹھتے ہیں قید و بند کی سختیاں جھیلتے ہیں پھانسی پر لٹک جاتے ہیں -

حبیب ۔ ہاں ایسے مجنوں میں نے بمبئی میں بہت دیکھے ہیں۔ پھر بھی یہی کہوں گا کہ زیادہ عقل بھٹکاتی ہے مسلمان مسلمان نہیں رہتا ہندو ہندو نہیں رہتا گو ہندو بہت کم بدلتا ہے۔ اسی خدشے میں شاید اہل یونان نے سقراط کو زہر پلا دیا تھا کہ اپنی فلسفیانہ جستجو سے اہلی سے نوجوانوں کے خیالات بدل کر قوم میں تفرقہ نہ ڈالے۔

ناظر ۔ ایسا نہ کہئے۔ حضرت عیسیٰ بھی نئے خیالات کا پرچار کرتے تھے۔ یہودیوں نے صلیب پر چڑھا دیا تو ٹھیک کیا تاکہ ان کی وجہ سے قوم میں کھنڈت نہ پڑے۔

حبیب ۔ نہیں وہ تو مذہبی دشمنی تھی ۔ اس قوم کو تو عادت پڑ گئی تھی انبیاء کو قتل کرنے کی ۔

ناظر ۔ سقراط کا معاملہ بھی مذہبی ہی تھا ۔ پیغمبر ہیں خدا کا پرچار کرنا چاہتا تھا۔ جس کی تبلیغ افلاطون نے کی گو یونانیوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور آخرکار اس کے شاگرد ارسطو نے منطقی دلائل سے اس کی الٰہیات کا خاکہ اڑا دیا۔

حبیب ۔ اچھا یونان میں بھی یہ چرچا تھا؟ وہ تو بہت ہی بت پرست تھے ان کی خرافات الاصنام کا ہندو ہندی تخیل سے بھی فوقیت لئے ہوئے تھا۔

ناظر ۔ مطلب یہ ہے کہ آپ عقل کو بے مصرف چیز سمجھتے ہیں ۔ ہے نا؟ خیال یہ ہے کہ یہ جو انسان اپنی دنیا کو یہاں تک کھینچ لایا یہ سب بدعقلی کا نتیجہ ہے؟

حبیب ۔ نہیں ناظر صاحب! یہ مطلب کس طرح ہو سکتا ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس کی زیادتی بے چینی کا سبب ہے۔ جنس تو بہت اچھی ہے لیکن فضیلتا محیا کے رکھتے ہے ۔

ناظر ۔ خیر کم ہو یا زیادہ خدا کا ہی عطیہ ہے اسی کی تقسیم ہے جس کو مل جائے ۔ جب ہی تو کہتا ہے "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" جس کو دانائی دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی ۔ ہاں عطیہ ہے بنانے سکھانے سے نہیں آتی ۔ کسی جنرل مرچنٹ کے یہاں نہیں ملتی ۔ اور ہم تو بہت ہی محروم ہیں ۔ باقی رہا کام لینا رہا تو انسان کام کرکے ہی جانتی ہے کوئی اکھڑے یا جسے ۔ جس میں ہے اس پر عمل کر سکے چھوڑتی ہے وہ اس سے کتنا ہی اجتناب کرے ۔

حبیب ۔ دکھ تو یہ ہے کہ مذہب میں بھی کھنڈت ڈالتی ہے معتقدات کی جڑیں کھوکھلی کرتی ہے ۔

ناظر ۔ یہ آپ بار بار کہتے ہیں میں مذہب وذہب تو جانتا نہیں یہ بتائیے کہ دین اسلام پر اس سے کیا زد پڑتی ہے ۔ یہی نا کہ عقلا سرے سے خدا کے ہی منکر ہو جاتے ہیں؟ سنئے حبیب صاحب! کوئی نہ کوئی طاقت ہے جو جہان میں کام کر رہی ہے ۔ اتنا تو بہرصورت ماننا ہی پڑتا ہے اگر بہت تفصیل سے نہ سہی تو مجمل ہی سہی ۔ مسلمان قوم چونکہ خدا کے ہی نام پر بنی ہے اس بنیاد کو مان لینا چاہیئے کوئی محال لازم نہیں آتا ۔

حبیب ۔ دقت تو یہی ہے کہ اس کارخانے میں انہیں کوئی کارفرما نظر نہیں آتا ۔

ناظر ۔ اچھا نہ ہیں لیکن زندگی گذارنے کے لئے تو کسی نہ کسی نظام کی ضرورت ہے ۔ مسلمان کے لئے آئین اسلام بہت بہتر چیز ہے جو خدا کے ذرا سے اقرار میں ملتا ہے بس قوم کے ساتھ مل کر کام میں شریک رہیں ۔ پھر بھی اس دین میں محالات نہیں ہیں ۔ جن کو دیکھ کر طبیعت بہت اکھڑ جائے ۔ اور اکھڑے بھی تو قوم کے لئے جما رہنا چاہیے ۔ باقی رہے پان پھول تو انہیں اور بنتے ان سے اکھڑ جانا ہی اچھا ہے ۔ کب تک انہیں سینت سینت کر رکھیں گے ایک مرتبہ جرأت کر کے جھٹکارا کر لینا چاہیے تاکہ اکھڑنے والوں کے سامنے بدگمان کرنے والی بے حقیقت شوشے بازیاں نہ رہیں اور تنگ آکر قوم کے اصلی اصول کو نہ چھوڑیں قوم سے الگ نہ ہوں ۔

حبیب ۔ اچھا وہ پان پھول کیا ہیں؟ معلوم ہوتا ہے آپ اپنے مبحث بہکانے لگے ہیں؟

ناظر ۔ نہیں اس وقت میرا مدعا عام زیادتیوں سے ہے ۔ اسے چھوڑیئے اس پر تو پھر کبھی گفتگو ہوگی ۔ آپ فکر میں نہ پڑیں ۔ سب کی یہاں خدا کے خوف اور روزمرہ کے عمل سے غفلت ہے ۔

حبیب ۔ خود سمجھئے یہ عقل کے ہی تقیضے نہیں ہیں؟ انہی نے تو اپنی اپنی فکر کر کے مطابق اسلام جیسے دین عمل کے ٹکڑے کر دئے؟ اہل بیت رسول کی راہ کو چھوڑ دیا ۔ پھر بھی ہر شخص یہی کہتا ہے

کہ اسلام میرے پاس ہے۔

ناظر۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس مبحث پر پھر کبھی گفتگو ہو گی۔ تاہم اتنا کہہ دوں کہ مسلمانوں نے قرآن کے مقصد یعنی توحید پرستی کو چھوڑ کر اور رسول عربی کی کوشش کو نظر انداز کر کے ذاتی اغراض سے اس دین متین کے ٹکڑے اڑائے ہیں۔ افسوس میں کھل کر اس راز اور اس روداد کو آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔ عقل بیچاری کی اس میں کیا خطا ہے؟ وہ ہوتی تو خدا و رسول اور روزمرہ کے عمل سے ہرگز نہ ہٹنے دیتی۔

حبیب۔ تو کیا آپ کو عقل کے خلفشار سے انکار ہے؟ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ کسی خیال کو سامنے نہیں چھوڑتی۔ سب کچھ صاف ہو جاتا ہے۔ کبھی دل پر ہاتھ رکھنا پڑتا ہے کبھی دماغ پر جن پر یہ کیفیت گذری ہے کچھ وہی جانتے ہیں۔ وہی مثل صادق آتی ہے جو آپ کہا کرتے تھے" سَلِ المجرّبَ ولا تَسئلِ الحکیم"

ناظر۔ خلفشار اصل میں ہمیں محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جنجالوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ عقل چیز کیا ہے اور اس کا کیا کام ہے۔ ہاں پہلے اسی کو جانچ لیجیے کہ وہ کیا چیز ہے جسے قرآن نے اہمیت دی ہے اور خیر کثیر کہا ہے۔ بار بار فہم اور اہل فہم کو خطاب کر کے قدر افزائی کی ہے " کتٰبٌ انزلنٰہُ الیکَ مُبٰرکٌ لِیدّبّروا اٰیٰتہٖ ولِیتذکّر اولوا الالباب " قرآن ایک بابرکت کتاب ہے۔ جس کو ہم نے تجھ پر اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت پکڑیں۔ " افلا یتدبرون القرآن " یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ غور و فکر سے ہدایت حاصل ہوتی ہے

حبیب۔ اور یہی چیز راہ سے ہٹا بھی دیتی ہے۔ یہ تو صرف قرآن میں ہی غور و فکر پر توجہ دلائی گئی ہے

ناظر۔ آپ ذرا سنئے تو سہی۔ اصل میں عقل دماغ کا وہ حصہ ہے جو کلیات و جزئیات کا ادراک کرتا ہے۔ اشتخاص کے ساتھ صغریٰ کبریٰ بناتا ہے اور صحیح نتائج نکالتا ہے۔ حقیقتیں ڈھونڈتا ہے خرافات کو ٹھکراتا ہے۔ مرئی اور غیر مرئی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ زمین میں گھستا ہے

آسمان کو ٹٹولتا ہے قیاس اور اندازے سے پوربیش اور نیچون تلاش کر لیتا ہے۔ آٹھ ہزار سال کے واقعات و حالات کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ اُن انسانوں کے اخلاق و عادات کو پرکھ لیتا ہے۔ پتھر کو پگھلاتا ہے لوہے کو بغیر پاؤں کے چلاتا ہے۔

حبیب۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی گمراہ ہو جاتا ہے اپنے خالق کو بھول جاتا ہے۔

ناظر۔ تعمیر اور صنعت و حرفت کے حسن کو بدنمائی سے الگ کر کے مقبول شکلیں دیتا ہے۔ گوشت پوست سے ڈھکی ہوئی نسوں رگوں کو ناپ لیتا ہے۔ گمراہی کو پرکھ کر انہی میں سے ہدایت کے چشمے بہاتا ہے۔ پرانے طریقے بند کر کے نئے دل آویز طریقے ایجاد کرتا ہے۔ اور ہاں یہی تو ہے جو انسان کو حیوانوں سے ممتاز کر کے اشرف المخلوقات کا خطاب بخشتا ہے۔ یہی تو ہے جو پاتال تلے کی دلدل کو محسوس کر کے خود بھی جھٹکے کھا کر باہر نکلتا ہے اور دوسروں کو بھی ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے۔ یہ جنس کسی سے مخصوص نہیں۔ محلوں میں ہی نہیں ہوتی جھونپڑیوں میں پیدا ہو جاتی ہے بادشاہوں کے پاس نہیں مزدوروں میں مل جاتی ہے۔

حبیب۔ خیر مخصوص تو واقعی کسی سے نہیں۔ ہر ملک اور ہر طبقے میں مثالیں موجود ہیں۔

ناظر۔ عالموں میں نہیں ملتی جاہلوں میں مل جاتی ہے۔ اتنے درجوں میں تقسیم ہو چکی ہے کہ حد مقرر کرنا ناممکن ہے۔ بعض پڑھنے لکھنے میں نہایت تیز ہیں لیکن نشیب و فراز کے سمجھنے میں محض کودن ہیں۔

حبیب۔ یہ باتیں تو حقیقت پر مبنی ہیں کیا انکار کی گنجائش ہے لیکن فلسفہ جو عقل ہی کا دوسرا نام ہے کس کام کا اور کس مصرف کا ہے سوائے اس کے کہ عوام سے الگ کر کے بٹھا دیتا ہے۔

ناظر۔ فلسفے کو تو پھر دیکھیں گے پہلے آپ عقل کی کارفرمائی سن لیں بہت سی باتوں کا پتہ چل جائیگا۔ غور کر کے دیکھئے کہ عقل کی کیا برکتیں ہیں اور بدعقلی کے کیا نقصانات ہیں۔ بعض تعلیمی مناسبت نہیں رکھتے لیکن نشیب و فراز سمجھنے اور حقیقت کے پرکھنے میں تیز ہیں ذکی ہیں۔ بعض بی۔ اے ایم۔ اے اور فاضل ہیں لیکن کسی علم و فن سے لگاؤ نہیں لاتے۔ سمجھ کی بات ان کے لئے

گوز شتر ہے۔ بعض صحبت کے فیض اور مطالعے کے شوق سے خاصی معلومات بہم پہنچا لیتے ہیں۔ اور فاضلوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ بعض گھر میں بیٹھ کر دنیا کا جائزہ لے لیتے ہیں لیکن بعض ہیں کہ ساری دنیا گھوم آتے ہیں اور گھر پہنچ کر اپنی ہی گاتے ہیں۔ بعض مدرسوں میں پڑھ کر جدید و قدیم علوم کو پی کر پھر لیتے ہیں اور جنہوں نے کالجوں میں عمریں صرف کی ہیں پرانے اور نئے دونوں سے بیگانہ ہیں:- ولو لبس الحمار ثیاب خز۔ لقال الناس یا لک من حمار۔ اگر گدھا ریشم کے کپڑے پہن لے۔ تو لوگ یہی کہیں گے کہ دیکھو اگدھے کو۔

حبیب — ہاں یہ عقل کے ہی درجوں کی وجہ ہے۔ کم اور زیادہ کا فرق ہے۔

ناظر — سنئے بعض جاہل ادبی ذوق رکھتے ہیں نتیجہ باندھنے جانتے ہیں اور شعر کہنے جانتے ہیں۔ شعر بھی صاف اور ستھرے جن میں زبان و بیان کی لذت ہے۔ جنہوں نے علم ادب پر وقت صرف کیا ہے وہ بے شعور ہیں اپنی زبان کی شاعری سے بھی دلچسپی نہیں رکھتے۔ شعر پڑھتے ہیں تو نثر بنا دیتے ہیں۔ بعض علم کی بصیرت اور عقل کی باریکیوں سے بہرہ اندوز ہیں لیکن دنیا چلانے میں پھسڈی ہیں ضروریات بھی ڈھب سے نہیں خرید سکتے۔ دنیا کے معاملات اور روزمرہ کی الجھنوں میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔

حبیب — مجھے خیال آیا کہ میرٹھ میں ایک جاہل بازاری بہت اچھا شعر کہتا تھا۔ اہل علم سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ اور میرے ایک تعلیم یافتہ دوست شعر سن کر منہ کھول دیتے تھے اور آنکھیں پھاڑ دیتے تھے۔ واقعی ذوق طبعی مناسبت سے ہے۔

ناظر — بعض نہایت مکار ہیں رگ رگ میں فریب کی گرہیں لگی ہوئی ہیں موقع پڑے تو خدا کو بھی گدا دے جائیں۔ نہ نیک نیت کو بخشتے ہیں نہ فرشتے کو معاف کرتے ہیں۔ بعض ہیں کہ سارے دن وضو کرنے اور نماز پڑھنے کی دھمکیاں دیتے پھرتے ہیں اور کہیں خودی سے کہیں نرمی سے کہیں بے ضمیری سے مطلب برآری کر لیتے ہیں اور زندگی میں کامیاب رہتے ہیں۔ بعض کے پاس دماغ سرد ہے لیکن نگاہ بلا کی تیز ہے۔ بعض فلاسفر جو ستاروں اور سیاروں کے جگر میں گھس جاتے تھے روزمرہ کی زندگی میں

سادہ لوح اور بے حس رہے ہیں۔ بعض فلسفی عقل کے پتلے بے حقیقت اٹکل باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔ غرض عقل کے بے حد درجے ہیں اور بے حد کام کاج ہیں کہاں تک گنوں پھر یہ کہ علم و عقل اکٹھے نہیں ہوتے۔ اگر کسی میں اتفاقیہ اکٹھے ہو جائیں تو پھر اس کی بات سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔

حبیب۔ ایک اور بات بھی تو ہے۔ وہ یہ کہ عقل خود تو بے چینی ہے۔ جس میں آ بیٹھتی ہے۔ اسکی زندگی کو بھی بے چین کر دیتی ہے۔ بلکہ تباہ کر دیتی ہے۔

ناظر۔ حبیب صاحب اچھا ہے عقل کو کتنا ہی بے اصولا کہا جائے۔ اسمیں ذرا سا بھی شک نہیں کہ انسان کو وحشت سے نکال کر یہ جو تہذیب و تمدن کی نعمت تک پہونچا یا ہے۔ عقل نے ہی پہنچایا ہے۔ حیوانی خصوصیات کو اسی نے چھڑایا۔ غاروں کی جگہ گھر بنوائے۔ گھاس پھوس پتے پھل اور شکار کے گوشت پر قناعت نہ کر کے زمین سے غلہ اگانا سکھایا۔ دفینہ فطری چیز تھی۔ لیکن پتھروں یا ہڈیوں کے دھار دار آلوں کی بجائے لوہے کا استعمال سکھایا۔ بعد میں جو مدارج طے کئے۔ اسی نے کئے۔ برتر ہستی کا تصور اسی کی جستجو کا نتیجہ ہے۔

حبیب۔ تو یہ جو ہم ایک خیال پر نہیں جمتے۔ عزیز خیالات کو بھی پھینک دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی کا عطیہ ہے۔

ناظر۔ ہاں وہ عزیز رکھنے کے قابل نہیں ہوتے۔ وقت کی رفتار انہیں مردود کر دیتی ہے اس بات کو یہی پہچانتی ہے۔ ورنہ انسان دلدل میں الجھا پڑا رہے۔ خیر اس کی کوشش پر نظر ڈالئے۔ اخلاق و عادات کے اصول منظم راہیں قانون قاعدے موجودہ زمانے کے علوم و فنون روشن خیالیاں آزاد خیالیاں ہر شعبے کے فلسفے سیاسی پیچ و خم نئی راہ و روش مشینوں کی صنعت طرازی سب کچھ اسی ایک حد پر نہ رکنے والی ہمیشہ آگے بڑھنے والی چیز نے بنا کر انسان کو فخر سے پھولنے کیلئے دیدے۔ اسکی بے چینی

سے جان چھڑا کر عشق کو پلٹنے والے بھی اسی کی کاوش سے اس فیصلے پر پہنچے ہیں۔

حبیب۔ ہاں بعض نے مردود کہہ کر عشق کو سکون پرور اور کارآمد سمجھ کر اسکے دامن میں پناہ لی ہے۔

ناظر۔ لگتا یہ ہے۔ کہ معیار سے گر جانے والے یہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ یہ گرم رفتار چیز ایک حد پر رک جائے۔ یا اُنکے بوسیدہ خیالات سے آگے نہ بڑھے۔ یہی تعصب ہے۔ جو عقل کی خوبیوں سے منکر کرکے وہم پرستی پر چپکاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ دین میں عقل کا کام نہیں۔ کوئی آرام طلب عیش پسند نکارتا ہے۔ کہ دنیا عقل سے نہیں ہے۔ اتفاقات سے ہے۔ حال یہ ہے۔ کہ مذہبی بنیادوں میں جب ناسمجھی خوبصورت ملمع چڑھا کر جسم کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ تو عقل پکار ہی اپنے مرکز سے ٹھوکر مار کر گمراہی سے آگاہ کرتی ہے۔ اور چاہے دیوانے کتنی ہی چھپاتی کوڑیں اپنا کام کر جاتی ہے۔

حبیب۔ ایک کرشمہ اور دیکھئے۔ زیادہ تو نہیں۔ لیکن اتنی سب کے پاس ہے۔ کہ حیوانوں سے ممتاز کر رہی ہے پھر بھی کچھ غلط فہمی ضرور ہے۔ کہ میں ہی سوچتا۔ اور سمجھتا ہوں۔ باقی تو یونہی ہیں۔

ناظر۔ ہاں اعتماد ذاتی سے صرف دیوانے خالی ہیں۔ تاہم ان خامیوں کو بھی وہ آپ ہی سمجھتی ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ عقل کوئی جامد چیز نہیں۔ پیچھے کبھی نہیں ہٹتی۔ آگے ہی قدم مارتی رہتی ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ اسلام کے مخصوص تین چار اصولوں پر اُس کی زد نہیں پڑتی۔

حبیب۔ خیر عقل کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر تو لگتا ہے۔ لیکن واقعی اسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب وقت پہلے حالات پر نظر جاتی ہے۔ تو عبرت ہوتی ہے۔ ہندو جیسی بکھری ہوئی قوم جسمیں سناتن دھرمی جینی بدھ، والمیکی، برہمو سماجی دیو سماجی آریہ سکھ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں فرقے طبقے تھے۔ کسطرح مسلمانوں کو مٹانے کیلئے سب اکٹھے ہو گئے۔ شودر کا بھی امتیاز نہ رہا۔ پھر کیسی باریکی اور رازداری سے کام کیا آفریں ہے اُن پر سمجھ کی ہی برکت تھی۔ مسلمانوں میں بنیادی باتیں سب کی ایک ہیں۔ لیکن اکٹھے نہ ہو سکے۔ عقل ہی کی کمی تھی۔ اور یہ دیکھ کر تو غم ہوتا ہے۔ کہ سب کچھ گذر جانے کے بعد بھی ویسے ہی ہیں۔ باہم ایک دوسرے سے غیر ملت کی طرح حقوق مانگتے ہیں۔

ناظر۔ ہاں اتنی ضربوں کے بعد بھی کیا فرق پڑ گیا ہے۔ اب بھی یکجہتی پیدا نہیں ہوئی۔ سب جہالت اور

ذہنی جہالت کے کرشمے ہیں۔ تعلیم سے بھاگتے ہیں۔ چاہتے ہیں۔ کہ چالوں سے ہی کام بن جائیں۔ بے پرواہی اور بغیر مآل اندیشی ہماری رگوں میں بیٹھ گئی ہے۔

جلیب۔ علم بھی کیا شہر ڈال رہا ہے۔ تعلیم سے بھی کچھ تبدیلی نہیں ہوتی۔ جون کے لون آجاتے ہیں۔ اور چالاکیوں مکاریوں سے خوشامدوں سے لائقوں کو دھکیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ بیچارے لئیب دفراز سوچنے والے ٹک ٹک دیکھتے ہیں۔ دم نہیں کھینچتے۔ نگاہ مفقود ہے۔ جوہر کے پہچاننے والے سب کو رد کر ہیں۔ آہ! یہ مسلمان کب ہوں گے۔

ناظر۔ جلیب صاحب! عقل کو دھتکارنے والے بھی عقل سے ہی نتائج نکال رہے ہیں۔ قرآن نے عقل کو بڑا مرتبہ دیا ہے۔ وہ اور مذہب کی طرح نہیں۔ صاف کہدیا ہے۔ کہ تم اندھا دھند ایمان نہ لاؤ۔ سمجھ سوچ کر خیالات کو پکڑو۔ "وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا"۔ اور وہ لوگ کہ جب اُن سے خدا کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو وہ اُن پر اندھا دھند نہیں گرتے" یعنی سوچ سمجھ عقل سے کام لے کر اختیار کرتے ہیں"۔

جلیب۔ بڑی ہی عمدہ آیت ہے واہ وا۔ واقعی قرآن روشن خیالی ہے۔ کاش کوئی سمجھے۔

ناظر۔ پھر کہتا ہے "إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ" نصیحت تو بس وہی پکڑتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں"۔ رسول صلعم نے بھی فرما دیا تھا۔ کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن" دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ یعنی ڈھونڈھنی چاہیئے۔ یہ سب تاکیدیں اسلئے ہیں۔ کہ اسلام خلاف عقل باتیں نہیں کہتا۔ مذاکورہ بتین چیزوں میں کوئی محال نہیں۔ ان سے ملت میں جمعیت ہے۔ اور باقی سے تشتت۔

جلیب۔ ناظر صاحب! دشوار تو یہی ہے۔ کہ دشوار بھی نہیں۔ عقل تو رکی بھی رہی۔ لوگ غور و فکر کرکے تعلیم سے اکھڑے ہیں۔

ناظر۔ چھوڑیئے ان تعلیم یافتوں کو اور تعلیم کو۔ تعلیم تو آپ کے بقول بیکار ہی ثابت ہوئی ہے۔ ان نیچرل چیز ہے۔ اور ہے تو وہ بھی عقل کے لئے ہی ایک اچھا ذریعہ ہے۔ ناسمجھ کو تو غلط فہمی کا مجسمہ بنا دیتی ہے۔ لیکن عقل اس سے تیز پا ہوکر زمین و آسمان ناپتی ہے۔ تعلیم بغیر عقل کے کتابوں کا کیڑا

بنا دیتی ہے۔ اور بعض بدعقلوں کو کتابوں سے بھی کوئی تعلق نہیں رہتا۔ تیز نگاہوں کو جھٹلانے ہی پر لگے رہتے ہیں۔ یہ بات ضرور ہے۔ کہ علم وعقل یہاں بے قدر چیزیں جوہر سے زیادہ ناقدری کسی چیز کی نہیں۔

حبیب۔ ہاں یہ تو دیکھا ہے۔ کہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ جاہلوں کی طرح پیٹ پالنے اور بچے کھلانے ہی جوگے رہتے ہیں۔ دیوانے بھی سمجھداروں میں سو سو حماقتیں نکالتے ہیں۔ واقعی جن میں زیادہ ہے۔ ان کو ملامت نہ کرنی چاہیئے۔ گو یہ تصفیہ ناممکن ہے۔ کہ یہ جنس کس میں ہے۔ اور کون اس سے محروم ہے۔ وہ ایک مولانا روم کا بھی تو شعر ہے۔

بر تعقل گر مدارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

ناظر۔ ہاں میں حیران ہوں۔ یہ انہوں نے کیا فرمایا ہے۔ شاید انکا مطلب یہ ہے۔ کہ روحانیت کی ریاضت اور توجہ سے خدا نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ ظاہری حکم احکام اور فلسفے غور وفکر اور ذہنی کاوش اُس تک نہیں پہنچا سکتے۔ روحانیت کے بارے میں اس وقت کیا عرض کروں۔ کبھی موقعہ ملے۔ "تحفۂ عجم" دیکھ لیجئے گا۔

حبیب۔ ہندوؤں نے سمجھا۔ اور بڑے صبر وتحمل سے بڑے فائدے اٹھائے۔ عقل نے انہیں بڑے بڑے نازک وقتوں سے نکالا ہے۔ اور اب تو سازشوں کی باریکی سے کمال ہی کر دیا۔

ناظر۔ ہاں بڑی کامیابی حاصل کی رازداری کی وجہ سے۔ رازداری بڑی چیز ہے۔ انگریز نے جو اُن کے استاد ہیں۔ خود بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اُنکے چہرے پر سب کیفیتیں دیکھی جاتی تھیں۔ پھر بھی دل کی بات سے دل ہی واقف ہوتا تھا۔ کسی دانائے عرب نے ٹھیک کہا ہے۔ "مَنْ كَتَمَ سِرَّهُ بَلَغَ مُرادَهُ" جس نے اپنا بھید چھپایا۔ مراد کو پہنچ گیا۔

حبیب۔ ایک مولوی صاحب نے سنائی تھی۔ کہ عقلمند کی زبان کچھ ایسا تھا بہت اچھی تھی۔

ناظر۔ وہ یہ۔ اوہ ...... ہاں ... قلبُ الاحمقِ فی فیہ و لسانُ العاقلِ فی قلبہ

فِی قَلْبِہٖ"۔ نادان کا دل مُنہ میں ہے۔ اور سمجھدار کی زبان دل میں، یعنی نادان کے دل میں جو کچھ آتا ہے۔ بک دیتا ہے۔ اور نقصان اٹھاتا ہے۔ لیکن عاقل سوچ سمجھ کر زبان کھولتا ہے۔ احمق اور دانا میں یہی فرق ہے۔

حبیب۔ کیا خوب باتیں ہیں! باتیں نہیں بلکہ جواہر ریزے ہیں۔ آپ نے ٹھیک فرمایا تھا کہ بعض طبیعتیں اپنے ساتھ خاص باتیں لاتی ہیں۔ زندہ قوموں میں یہ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر ایسی طبیعتوں کو تعلیم و تربیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ عجیب طرح کی ایک تڑپ اور بےچینی ہوتی ہے۔ جس سے بغیر لیاقت علمی کے وسائل بنا کر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بیٹھے کھا کھا کر بلندی پر جا بیٹھتے ہیں۔ جن میں وہ طبعی تڑپ نہیں۔ ہزار کمالات پیدا کر لیں۔ تو بیکار ہیں

ناظر۔ حبیب صاحب! رُجحان پیدائشی چیز ہے۔ اسمیں آپ ذرا سا بھی شک نہ سمجھیں۔ چاہے وہ کسی رنگ کا ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض ذہانت لاتے ہیں۔ پڑھنے میں نہائت تیز لیکن عام فہمی کا نام بھی نہیں جانتے جو ذکاوت اور عام فہمی لائے ہیں۔ وہ سُن سُن کر عقل کی باتیں سیکھ لیتے ہیں۔ اگر تربہ گانے کی ہوئی چیز انکے گلے میں اُتر جاتی ہے۔ کتنے گویّوں سے زیادہ دلکشی سے ادا کرتے ہیں۔ بغیر استاد کے مصوّری سیکھ لیتے ہیں۔ اسطرح کہ بہت سے استادوں سے سیکھنے والے انکے سامنے طفلِ مکتب بن جاتے ہیں بے رجحان والے ساری عمر سارنگی بجاتے ہیں استادوں سے برش گھستے ہیں۔ کچھ نہیں آتا۔ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

حبیب۔ خیر پیدائشی رجحان پر میرا ایمان ہے۔ گو ان باتوں کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ذہانت اور چیز ہے۔ اور ذکاوت و عام فہمی اُس سے بالکل الگ شے ہے۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ جو بھی لکھ پڑھ آئے۔ اسے عقلمند سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ واقعی میں نے دیکھا ہے۔ کہ اب بچے کوئی خاص رجحان لیکر نہیں آتے۔ اور اگر کوئی لاتا بھی ہے۔ تو گھر والوں کی بے ترتیبی میں دب جاتا ہے۔

ناظر۔ یہ آپ نے تربیت کا ذکر خوب چھیڑا۔ افسوس ہے خانگی تربیت رخصت ہوئی جا چکی ہے۔ بچے دو دو سرے عورتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ اُلٹا سیدھا پال کر دنیا کے حوالے کر دیتی ہیں۔

دخل دو تو گڑتی ہیں اور جب ان کے ہاتھوں کے بگاڑے ہوئے دنیا میں ٹھوکریں کھاتے ہیں تو پھر دیکھنے بھی نہیں آتیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک تربیت پہلے سے نہ آئے گی عقل اور تعلیم بیکار رہے گی، وہ جو طبعی تڑپ سے اچھل جاتے ہیں۔ کتنے ہیں۔ اوّل تو بے دماغی پھر بے تربیتی یہ دو بڑی تباہیاں ہیں۔

حبیب۔ کاش بچے طبعی مناسبت اور پیدائشی رجحانات لے کر آنے لگیں۔ حقیقت یہ بڑی کمی ہے۔ رفتہ رفتہ تعلیم بھی اثر ڈال کر خوبیاں بڑھا دیتی ہے۔ رجحان بڑی برکت کی چیز ہے۔ میرے ایک دوست ہیں پانچویں جماعت تک شرارتوں میں رفتہ رفتہ کر اسکول چھوڑ گئے تھے۔ اب چھبیس سال کے بعد ملاقات ہوئی تو ایک فرم کے شریک بیٹھے ہیں۔ رئیسانہ ٹھاٹھ۔ کوٹھی رہنے کو ہر وقت کاریں اڑے پھرتے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گڈے بازی سے اکھاڑا جیتا ہے۔

ناظر۔ ہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ میرے بھی ایک مخلص رفیق ہیں جماعت سے بھاگ گئے تھے کئی سال تک کلکتے بمبئی میں دھکے ٹکے کھاتے رہے۔ کبھی تخت کبھی تختہ۔ اب ایک فلم سٹوڈیو کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ بڑے بڑے باکمال سامنے ناک رگڑتے ہیں۔ دروازے پر لاتعداد ہیں کاریں کھڑی رہتی ہیں۔ مجھے کئی مرتبہ بلا چکے ہیں کہ آئیے اپنے خیر طلب کی شان دیکھ جائیے۔ ارادہ بھی کیا لیکن نیت باندھتے ہی فسادات نے کم دبایا اب کہاں موقع مل سکتا ہے۔

حبیب۔ طبعی رجحان بڑی چیز ہے۔ کالجوں میں پڑھے ہوئے انجینیروں نے سوئی نہ بنائی اور جارج اسٹیفن سن نے انجن بنا دیا۔ شکسپیر ساتویں کا بھاگا ہوا پروفیسر کا امام بن گیا اور کالجوں کے ایم۔ اے۔ بی۔ اے گھر میں بیٹھ کر ڈھورو کی طرح بجے۔ فیڈیاس ایتھنز میں بت تراشی کی تکمیل کر گیا تھا آج سے چار ہزار سال پہلے۔ اور یہ ملک آرٹ میں اب رجعت قہقہری کر رہا ہے۔ سیکڑوں مثالیں ہیں۔ تاریخ بھری پڑی ہے

کہ رحجان نے کس طرح تعلیم و تربیت پر سبقت حاصل کی۔ میں اس حقیقت سے کس طرح منکر ہو سکتا ہوں۔

ناظر۔ لیکن یہ ناسمجھ لوگ تو ان حقیقتوں کو پرکاہ کی برابر بھی نہیں سمجھتے۔

حبیب۔ سمجھنے کی بھی آپ نے ایک ہی کہی۔ اب میں یہ سمجھ چکا ہوں کہ سمجھ بہت کم ہے علم کافی ہے پھر کیا غم کھاؤں اور کیا ہائے ہائے کروں۔

ناظر۔ اصل میں یہ لوگ اپنے ہی اوپر قیاس لگا لگا کر اندازے لگاتے ہیں اور انکا قیاس جتنا محدود ہے ہے آپ جانتے ہیں "المرء یقیس علی نفسہٖ"؟

حبیب۔ جی چاہتا ہے کہ عرب کے مقولے آپ جمع کر دیں تو میں انکو زیر مطالعہ رکھ کر فائدہ اٹھاؤں۔

ناظر۔ آہ اب تک جو کچھ جمع کیا اس سے کس نے فائدہ اٹھایا اور جو کچھ جمع کرونگا اسکا انجام بھی مجھے معلوم ہے اب کسی کام کو جی نہیں چاہتا۔ ملامتیں ہی ملتی ہیں جیسا آپ نے شروع میں فرمایا تھا "من صنف فقد استہدف" جس نے تصنیف کی ملامتوں کا نشانہ بن گیا۔

حبیب۔ نہیں آپ ایسی باتیں نہ کریں میرا دل دکھتا ہے۔ زمانہ بدل گیا ہے اب ان خیالات کو پہچاننے والوں کی کمی نہیں۔ کیا عجب ہے جو کسی کی نظر پڑ جائے

ناظر۔ یہ کیا؟ پھر تیاری شروع کر دی۔ بس چلے آپ؟

حبیب۔ ہاں اب اجازت دیجیے۔ آج تو اتنی باتیں ہوئی ہیں کہ لذت آگئی۔ کونسا مبحث تھا جو درمیان میں نہ آگیا۔ آپ کی صحبت روحانی غذا ہے۔ جب آ بیٹھتا ہوں طبقے کھل جاتے ہیں۔

ناظر۔ حبیب صاحب! خدا آپ کو سلامت رکھے۔ ایک دم ہے جس سے گاہ گاہے گفتگو کرکے تنہائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ سمجھا آپ کا ملنا بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے۔ یہاں کون ہے جس سے بات کر کے غم غلط کروں۔

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے وقتوں میں اک رہا ہے یہ

حبیب۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ کاش میں آپ کے غم بہلا سکتا! ناظر۔ فرمائیے اب کب تشریف لائیے گا؟

حبیب۔ آپ تو کبھی تکلف فرماتے نہیں۔ کوشش کروں گا کہ اس مرتبہ جلد حاضر ہوں۔

ناظر۔ کیا عرض کروں کچھ تو مصروفیت ہے اور کچھ فاصلہ بہت ہے۔ یوں بھی چلنے پھرنے کا چور ہو گیا ہوں۔

حبیب۔ اچھا خدا حافظ۔ سلام علیکم! ناظر۔ وعلیکم السلام! فی امان اللہ! خدا جلد لائے!

بارہواں عکس

مباحثہ

جن سے امید تھی کہ لگائیں گے راہ پر
بے راہ کر گئے ہیں وہی رہنما مجھے (سیفی)

کھٹ کھٹ کھٹ!

کون!

کھٹ کھٹ ..... کھٹ!

کون صاحب ہیں؟

حبیب حاضر ہوا ہے!

آہا! حبیب صاحب! ذرا ٹھہریئے حاضر ہوتا ہوں۔

چٹ کھٹ (چٹخنی کھول کر)

ناظر۔ آیئے آیئے (دروازہ کھول کر) اس دفعہ تو بہت جلد عنایت فرمائی۔ زیادہ انتظار کرنا پڑا۔

حبیب۔ میں پچھلی مرتبہ عرض تو کر گیا تھا کہ جلد حاضر ہوں گا۔

ناظر۔ ٹھیک ہے "الکریم اذا وعد وفی"۔ ایک ہی اتوار بیچ میں گزری ہے اتوار کو خود نیت باندھی تھی کہ پہنچوں لیکن دو تین حضرات تشریف لے آئے۔ مجبور ہو گیا۔

حبیب۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ کرم فرماتے۔ اس دن دو ایک احباب جمع تھے اور آپ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب کی طبیعت

ہیں بڑی صلاحیت ہے۔ ذوق رکھتے ہیں آپ کی باتیں سن کر بہت محظوظ ہوتے۔

ناظر۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ انہیں یہیں لے آتے؟ اس عیالدار گھر میں کہاں اتنی یکسوئی سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ یہاں سکون ہے خاموشی ہے گوشۂ تنہائی ہے نہ کوئی خلل ڈالنے والا نہ اکھڑی باتوں پر بدکنے والا۔

حبیب۔ مجھے حیرت ہوتی ہے آپ کس طرح اس تنہائی میں رات دن گذار لیتے ہیں نہ کوئی ہمدم نہ مونس نہ غمخوار نہ غمگسار۔ عجیب زندگی ہے۔ کچھ تو رشک بھی آتا ہے۔

ناظر۔ تشریف تو رکھئے۔ بیٹھ جایئے۔ کیا عرض کروں چمگادڑ کی مہمانی ہے آؤ اور لٹک جاؤ۔ اس کھوڑی چارپائی پر اتنے اصرار بٹھانے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کمبل نہ ہٹایئے۔ بچھا رہنے دیجئے!

حبیب۔ چھوڑیئے ناظر صاحب! ان باتوں کو۔ خلوص کے چنے بے مروتی کے شکر پاروں سے اچھے ہیں۔ اور آپ کی قلندری کے لئے تو یہ سامان بہت ہے بے تکلف ہو کر بیٹھتا ہوں۔ جدھر چاہتا ہوں پہلو بدل لیتا ہوں جھک جاتا ہوں لیٹ جاتا ہوں۔ مجھے تو یہی حیرت ہے کہ آپ تنہائی سے اداس نہیں ہوتے۔

ناظر۔ بعض حیران ہوتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ سوسائٹی اور میل جول سے بیگانہ ہوں آپ حیران نہ ہوں۔ میں تنہا نہیں ہوں۔ جب مصروفیت سے تھک کر بیٹھ جاتا ہوں۔ کبھی ان گذرے ہوئے حوادث کی تفصیل سامنے آتی ہے۔ کبھی گاؤں کی فضا اور بچپن کی دلچسپیاں یاد آتی ہیں۔ کبھی وہ شہر اور قصبے نگاہوں میں گھومتے ہیں جہاں عمر کے لمحات گذارے ہیں۔ تعلقات و احباب واقعات و حالات دہراتا ہوں۔ کبھی عیالداری کے نشتروں میں گھر جاتا ہوں اور جب ان سے دماغ پھٹنے لگتا ہے تو جھٹ دل کی دنیا سامنے آ جاتی ہے۔ پھر چاروں طرف ایک سکون سا محسوس ہوتا ہے۔ تصور کی وسعت سمٹ کر نقطے پہ آ جاتی ہے۔ یا جسے دہرا کر بیخودی میں ڈوب جاتا ہوں۔

پھر تصوّر باندھ کر لیٹ جاتا ہوں۔ نیند آجاتی ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ اس سے زیادہ کوئی رحمت اور سکون نہیں کہ خلافِ مزاج ساتھ سے بچا ہوا ہوں۔

حبیب۔ خیر ان لوگوں کو کیا معلوم کہ آپ کن صحبتوں سے نکل کر آئے ہیں۔ بیچارے مسکین جن کا مبحث خانگی معاملات یا دفتر کی روداد کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ یہ کیا جانیں سوسائٹی کیا ہوتی ہے۔ رہی دل کی دنیا یہ اس سے کوسوں دور ہیں یہ بوالہوس کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اس دنیا کو بھی آپ نے نرالے ڈھب سے آباد کیا قیس و فرہاد ہوتے یا میرؔ صاحب کہیں اٹھ بیٹھتے تو داد دیتے۔

ناظر۔ نہیں یوں کہئے کہ سٹڈی کا رٹش ہوتا تو سینے سے لگالیتا۔

حبیب۔ میں آپ کے بہتر نصف کو بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس صبر و ضبط کی میں نے جنس لطیف میں مثال نہیں دیکھی۔

ناظر۔ شک نہیں کہ اس میں سمجھ اور باریکی تھی۔ گو عورت کو ادراک کا حصّہ کم ہی ملا ہے۔

حبیب۔ مجھے اس سے تو انکار نہیں لیکن اسے ضرورت کے مطابق تو فیض پہنچا ہی ہے سمجھ سے بیگانہ نہیں ہے۔ ذرا یہ خیال کر لیا کیجئے کہ وہ انسانی زندگی کی زینت ہے۔ وہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔

ناظر۔ بیشک جو کچھ بھی ہے بہت خوب ہے لیکن اتنا قصیدہ نہ پڑھنا چاہیئے۔ اس میں مرد سے زیادہ کمزوریاں ہیں۔ اور عقل و ادراک میں تو اس سے کم ہے ہی گو برابر رکھنا پڑتا ہے۔

حبیب۔ ہاں دوش بدوش رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ زندگی کا بڑا جز ہے۔ کیا یہ زہرہ اور مریخ کا جوڑ نہیں ہے؟ نسل انسانی کی بقا اسی کے دم سے ہے۔

ناظر۔ آپ ذرا اور گہری نظر سے دیکھتے۔ تو ایسا نہ کہتے۔ بیشک بقا اسی کے دم سے ہے۔ لیکن

احسان نہیں۔ وہ تو اس تکلیف پر مجبور ہے۔ اور کوئی ایسا اہتمامی کام بھی نہیں۔ ہر مادہ وقت پر یہ کام کر لیتی ہے۔ منع بھی کرو۔ تو نہیں رکتی۔ بعض قابلِ داد ایسی ہیں۔ کہ آٹھ آٹھ اور بارہ بارہ کا اپنی جنس میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ اور پھر نر سے کبھی کہنے نہیں جاتیں۔ کہ کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اتنے نہیں پلتے۔ آ ذرا ہاتھ بٹا لے۔

حبیب۔ ناظر صاحب! ہا ہا کیا باتیں ہیں آپ کی بھی۔ خیر ادراک و شعور میں مرد سے کم ہی سہی لیکن وہ کمی اسکی دلچسپیوں سے محسوس بھی نہیں ہوتی۔ اتنی تھوڑی ہے۔

ناظر۔ دیکھئے حبیب صاحب اس ذکر کو چھیڑ لیا ہے۔ تو اب سُننی پڑے گی۔ بُرا نہ مانئے گا۔ اصل میں فرق بہت ہی ہے۔ اور یہ قدرت کے منشاء کے عین مطابق ہے۔ اگر وہ بہت ہی حساس اور مدرک بنا دی جاتی۔ تو حیوان تو لاشعوریت سے بقائے نوع میں لگے رہتے۔ لیکن نسل انسانی بہت جلد ٹھپ ہو جاتی۔ اس لئے کہ شعور کی گہرائی اس مصیبت کی اجازت نہ دیتی۔

حبیب۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے۔ کہ اُس سے ہی نسل انسانی کی بقا ہے۔

ناظر۔ ذکر تو یہ ہے۔ کہ اسے باریک دماغ دے دیا جاتا۔ تو مصیبت کا احساس کر کے بہت جلد الگ جا کھڑی ہوتی۔ آپ دیکھتے نہیں۔ کہ نو مہینے بوجھا لادے پھرتی ہے۔ پیدائش کی ناقابلِ برداشت تکلیف برداشت کرتی ہے۔ راتوں جاگتی ہے۔ ہر وقت پوتڑے بدلتی ہے۔ دودھ پلاتی ہے۔ گھٹنیوں چلاتی ہے۔ پاؤں پھراتی ہے۔ چھاٹے پھرتی ہے۔ دو اک بچوں کے بعد جوانی کھو بیٹھتی ہے۔ اگر کہیں سوچ لیتی۔ تو کارخانہ ہی اُلٹ جاتا۔

حبیب۔ افسوس ہے۔ کہ نالائق حق ناشناس انسان اس کی قدر نہیں کرتا۔ باپ اگر چھُٹا ہے۔ تو خیر ماں کی تو بہت ہی قدر کرنی چاہیئے۔ ایسے احسانات کا بدلہ کون دے سکتا ہے۔ اکثر یہی دیکھا۔ کہ اولاد جیسی قدر کرنی چاہیئے۔ ویسی نہیں کرتی۔

ناظر۔ نہیں ایسا بہت کم ہے۔ باپ کی بہ نسبت ماں کی کہیں زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ نا اہلوں کو چھوڑ دیئے۔ ان کے نزدیک تو سب برابر ہیں۔ جن میں ذرا سا بھی احساس ہے۔ اسکی دلجوئی کرتے ہیں۔

جبیب۔ اوہ عورت خدا کا کتنا گراں قدر عطیہ ہے۔

ناظر۔ ہاں اس کی محبت نعمت عظمٰے ہے۔ اس لئے اس سے محبت کا ہی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ سمجھ کی توقع باندھنا البتہ فعل عبث ہے۔ وہ اس چیز کے لئے نہیں بنائی گئی

جبیب۔ تو کیا آپ اُسے بالکل عقل سے بیگانہ ہی سمجھتے ہیں؟ آپ ذرا سوچیں۔ ہزاروں سال سے ٹھکرائی جا رہی ہے۔ اگر زیادہ باریکی نہ رہی ہو۔ تو کیا بعید ہے۔ میں نے تو ان میں سمجھدار بھی دیکھی ہیں۔ کیونکر کہدوں۔ کہ سب یکساں ہیں۔

ناظر۔ نہیں میں بیگانہ تو نہیں کہتا۔ بس یہ ہے۔ کہ میں اسے جذبات کا دلدادہ سمجھتا ہوں۔ سمجھ بہت محدود ہے۔ ویسے ہی جیسے کپڑے کی مشین صرف کپڑا ہی بُن سکتی ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا۔ کہ ٹھکرائی گئی ہے۔ تو یہ جبیب صاحب ایسا ٹھکرایا جانا۔ اس کی تو پرستش ہوئی ہے۔

ایک دنیا نے جبہہ سائی کی ÷ اسے بتو! ہم نے بھی خدائی کی (میر)

قصہ سارا یہی ہے۔ کہ آزادیوں سے بھی فرق کچھ نہیں پڑتا۔ جھٹ تفریح بن جاتی ہے۔

جبیب۔ یوں کہئے۔ کہ آزادی دے کر پھر اس کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے

ناظر۔ یہ آزادیاں بھی ہیچوں قسم ہیں۔ آزادی تو اسے اسلام نے ہی دی ہے۔ جو اس کی عزت و شان کو بڑھاتی ہے۔ عظمت پیدا کرتی ہے۔ تفریح بننے سے بچاتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ مرد نے ہی اس کے لئے کوئی اچھا اصول نکالا۔ اگر نکالا۔ خود اس نے کبھی اپنے لئے اچھی راہ نہ ڈھونڈی گراوٹ پر جھٹ راضی ہو جاتی ہے۔ محض ظاہری باتوں پر ریجھ کر کبھی محسوس نہ کیا۔ کہ اسٹیج پر ننگا ہو کر ناچنا۔ بازار میں پل کھانا۔ یا سپاہیوں کی طبیعت بہلانے کے لئے دیکائی بننا اس کو کتنا ہلکا کر دے گا۔

جلیب۔ ایسے تمام کاموں پر اسے مرد ہی مجبور کرتا ہے۔

ناظر۔ اسے ایسے معاملات پر سر نہ رکھنا چاہیئے۔ اب وہ آزاد تو ہو کر رہے ہی گی۔ لیکن ادراک و خود کا جوہر پیدا کرنے اور امور ضروریہ میں مردوں کے دوش بدوش چلنے کے لئے میدان میں آئے تو مبارک ہے۔ اس کی آزادی۔ بیشک تعلیم و تربیت غیرت و حمیت پیدا کرکے انسانی مزدوروں کو سنبھالے۔ خوددار بنے۔ اپنی حیثیت کو پہچانے۔ یہ ثابت کرے۔ کہ مسلم خواتین آزادی میں بھی اسلامی اخلاق کا نمونہ ہیں۔ غیرت دینی و ملی سے بیگانہ نہیں ہوسکتیں۔

جلیب۔ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ خود مردوں کو بھی وہی حیاء و حمیت برتنی چاہیئے۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں تھی۔ جو "غضوا ابصارکم" پر عمل کرکے محرم و نامحرم کا امتیاز رکھتے تھے۔ ایسا ہو۔ تو عورتوں کو سنبھلنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ دونوں ہاتھ تالی بجتی ہے۔

ناظر۔ آخر کب تک۔ یہ کچاپن تو جاتا ہی رہے گا۔ مردوں کا بنانا بھی تو اسی کے اختیار میں ہے۔ ماں کا ایک حرف باپ کے دفتروں سے زیادہ مؤثر ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ بچے کو رات کے وقت لے کر لیٹتی ہے۔ ہوشمند بچے سمجھدار ماؤں کے ایک فقرے کو بھی ساری عمر نہیں بھلاتے افسوس ہے۔ کہ اچھی بات سکھانے سے نہایت قاصر ہے۔ تاہم جب تعلیم و تربیت سے مائیں پھر ہوشمند ہو جائیں گی۔ تو اولاد کو موجودہ غفلت سے ہٹا کر علم و عقل کے راستے پر ڈال دیں گی۔ گلے میں تعویذ گنڈے ڈالنے۔ اور توہم پرستی سکھانے کے بجائے اصول صحت سکھا کر کمر میں خنجر باندھ دیا کریں گی۔ کہ پھر مسلمان موت سے کھیلے۔ اور خرس بچوں کا شکار کرے۔ صلح اور جنگ دونوں کو پہچاننے لگے۔

جلیب۔ بیشک عورت اگر یہ باتیں سکھائے۔ تو نسلیں بہت جلد سنبھل سکتی ہیں۔

ناظر۔ مصیبت تو یہ ہے۔ کہ عورت نے گری ہوئی حالت کو کبھی نہیں سنبھالا۔ کبھی نہ کہا۔ کہ میاں! باہر دنیا اجڑی جا رہی ہے۔ پہلے اسے سنبھال لو۔ میں تو گھر میں بیٹھی ہوں۔ پھر آ جھیٹنا۔ افسوس یہ ہے کہ گرتوں کے لئے اور ٹھوکر بنی۔ اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ ہو گئی۔ یہ حالت ہم پر ہی نہیں۔ سب قوموں

پر گذری ہے۔

جبیب۔ آپ تو رکتے ہی نہیں۔ چو رنگ کاٹتے ہوئے چلتے ہیں۔ کچھ تو لگی لپٹی بھی رہنے دیجئے۔ لوگ سُن لیں گے، تو پر اجماکر آپڑیں گے۔ یہ یقین کیجئے۔ کہ عورت ضرور لاسے گی۔ اب زمانہ اور ہے۔ آپ کیوں اتنے اکھڑ گئے ہیں۔ کیا آپ کو مرد کے ظلم سے انکار ہے۔ اسے مرد نے اتنا ہو جنے جوگا ہی کب چھوڑا۔

ناظر۔ جبیب صاحب۔ آپ چھیڑ لیتے ہیں۔ منہ پر آئی رکتی نہیں کہ ڈالتا ہوں۔ کیا رکھ چھوڑا ہے۔ جو پھانسی پر راضی ہوجائے۔ وہ کیا دبا کر رکھ سکتا ہے۔ میری جنون انگیزی پر برا نہ مانئے۔ باقی رہی چو رنگ کاٹ سو گھاس تو نہیں کاٹتا۔ وہی باتوں کے تنے اڑاتا ہوں۔ کہتا بھی کس سے ہوں۔ آپ سے ہی کچھ دکھڑا رو لیتا ہوں۔ آپ خیال نہ فرمائیں۔

جبیب۔ نہیں نہیں۔ یہ آپ نے کیا فرمایا۔ میں تو آپکی گفتگو میں انتہائی دلچپی لیتا ہوں۔ کچھ یہ بھی خیال ہے۔ کہ چالیس کے بعد آدمی رنگینیوں سے اکتا کر فلسفے پر جا ٹکتا ہے۔ شاید آپ اس بات کو بھول گئے ہیں۔ کہ عورت کے دم سے علوم کی نہیں۔ تو فنون لطیفہ کی تو رونق و زینت ہے۔

ناظر۔ نہیں میرے دل میں عورت کی بڑی عزت ہے۔ اور جو اُن میں سمجھدار ہیں۔ اتفاقیہ طور پر ان کو تو صحیح معنی میں دیویاں سمجھتا ہوں۔ بس غم یہ ہے۔ کہ ایسی ہیں کتنی؟ فنونِ لطیفہ کی روح رواں ہونے میں مجھے ذرا سا بھی شک نہیں۔ غالب مرحوم نے بھی اُن کی تقریبِ ملاقات کے لئے مصوری سیکھ لی تھی۔

جبیب۔ فنونِ لطیفہ واقعی حسن و عشق سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور دونو کا مجموعہ عورت ہے۔ گو زندگی کی کشمکش میں تو یہ فن زیادہ کام نہیں دیتے۔ لیکن زندگی کو خوشگوار بنانے میں تو اکسیر ہیں۔ دماغ کو ذوق اور شعور سے بھر دیتے ہیں۔ نگاہ کو تو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ غم غلط کرتے ہیں۔ تلخیاں دبا دیتے ہیں۔

ناظر۔ خیر ان میں سب بیکار نہیں ہیں۔ مصوری اور اس کی شاخیں بے حد کام آتی ہیں۔ ہم تو ان سے کام نہ لے سکے۔ اس لئے۔ کہ چاقو کے دستے کی بھی شکل بدلنا بزرگوں کی سنت کے خلاف تھا۔

البتہ یہ جو آج کل یورپ کی مصنوعات میں حُسن ہے۔ دلکشی ہے۔ تنوّع ہے۔ وُہ آرٹ کی ہی برکت سے ہے۔ اسی کا فیض ہے۔ کہ ایک چیز ایجاد ہوتی ہے۔ اور چند دن میں اس کے نئے سے نئے ڈیزائن نکل آتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ہزاروں سال ایک ہی شکل چلتی رہتی تھی۔ تیلی کے کولھو کو دیکھ لیجیے۔

جبیب۔ ہاں ساری باتیں دماغ سے کام لینے کی ہیں۔ یہاں تو قدامت پرستی ہی سے فرصت نہیں۔ آرٹ کو بجائے آگے بڑھانے کے پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ گانے میں گنجائش نہ تھی۔ تو اپنی مصوری ہی کی اصلاح کر لیتے۔ اس کو بھی تو دین و ایمان کی طرح قدامت پر رکھا۔

ناظر۔ گانے کے تو قربان جائیے۔ لیکن جبیب صاحب یہ ڈانس کیا چیز ہے؟ اگر ورزش ہے۔ تو عورت ڈنٹر بیٹھک کرکے ہاتھ پاؤں نکال سکتی ہے۔ تفریح ہے۔ تو تفریح کی اور صورتیں تھوڑی ہیں۔ یورپ کے ڈانس میں تو خیر حرکات سخات بھی ہیں۔ لیکن یہ ہندوستان کا ڈانس تو نرا مسخرہ ہے۔ مردے کی سی آنکھیں ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ٹینگے کرکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اس میں جذبات و خیالات کی تصویر ہے۔ ستم یہ کہ یورپ والے بھی اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے باہر اُن ملکوں کا چکّر لگا کر داد لے کر آتے ہیں۔ واہ وا۔ ہمارے بگڑنے میں بھی اِک ادا ہے۔

جبیب۔ آپ کو شاید معلوم نہیں۔ ڈانس اس زمانے میں مہذب ملکوں کا لازمہ ہے۔ بہت باریک فن سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بغیر تو سوسائٹی ناممکل ہے۔ یہ چیز ہر قوم میں ہے۔ فرطِ خوشی میں انسان ناچتا ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں۔ کہ جوشِ مسرت کا اظہار ہے۔

ناظر۔ جبیب صاحب! یہ یورپ والے ہمیں اُلّو تو نہیں بناتے؟ ہماری ہر ان نیچرل بناوٹ کی تعریف کر دیتے ہیں۔ تاکہ ہم پرانی تخیّل بازی میں لپٹے رہیں۔ وہ انڈین آرٹ کی بھی تو بہت تعریف کرتے ہیں پھر آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔ بعض کو تو ایسا غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو رین ہاڈو کا بھی استاد سمجھتے ہیں۔ مجھے تو دیکھ کر روحانی تکلیف ہوتی ہے۔

حبیب۔ خیر یہ آرٹ تو مجھے بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس لئے کہ آرٹ دراصل قدرت کی نقل ہے۔ اور قدرت کی کسی چیز میں یکسانیت نہیں۔ تصویر جتنی اصل سے قریب ہے۔ اتنی ہی بہتر ہے۔ یورپ میں بھی اب ایک سرپھرا طبقہ پیدا ہوا ہے۔ جو قدرت کے نقائص نکالنے کو آرٹ سمجھتا ہے۔

ناظر۔ نا۔ آپ ذرا غور تو کیجئے۔ ہمیشہ سوئی ہوئی بکری کی سی آنکھیں۔ ہر جگہ یکساں سکرات کا سا عالم ہاتھ اور انگلیاں جیسی لکڑی کی گھڑ کر لگا دی ہیں۔ کسی آدمی کی ایسی شکل ہو۔ تو دیکھ کر نفرت آئے۔ مانا۔ کہ حسن اعتباری چیز ہے۔ لیکن یہ آرٹ تو حسن کی کسی قسم میں بھی نہیں آتا۔

حبیب۔ کیا عرض کروں۔ کوئی خوبی دیکھوں تو بتاؤں۔ سوائے اس کے کہ یہ ہمارا فن ہے۔ سب سے بہتر ہے۔ چہرہ ہی چہرہ ہوتا ہے۔ اور تو کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ بھی جیسا آپ کہہ رہے ہیں۔ یکسانیت کا مرقع۔ رہی تعریف۔ تعریف کرنیوالے تو نکل ہی آتے ہیں۔ جیسے خیالات کے مؤید پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح فنون کے مداح بھی ابھر آتے ہیں۔ پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔

ناظر۔ غور کیجئے۔ مثلاً بھائی حامد کی تصویر بنائی جائے۔ اور بالفرض ایسی ہی بنے۔ تو یہ دیکھ کر کیا خوش ہونگے کہ آنکھیں بکری کی سی آگئیں۔ بیٹھے کس طرح سے تھے۔ اور اب خوف زدہ بندر کی سی پوزیشن ہو گئی۔ اپنی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں۔ کہ یہ رجعت پسند لوگ کس بات کی داد دیتے ہیں۔ یہ لوگ تیز نظر ہیں۔ ہمارے پاس نگاہ اور دماغ کہاں خدا انہیں برکت دے۔

حبیب۔ مجھے یورپ کے ہر خطے کا آرٹ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ کیا تصویریں ہوتی ہیں! مناظر ہیں اصلیت۔ اشیاء میں حقیقت۔ دریا کا بہاؤ کاٹ تراش بل اور موڑ سکون اور دھارا ایک ایک کونہ گوشہ۔ موجوں کے ہیر پھیر کھنچاؤ تناؤ۔ جنگلوں کا نظارہ۔ تو ہر درخت کی اصلی شکل نوع اور جنس الگ الگ قسم۔ دور و نزدیک کی چھوٹائی بڑائی چھدراپن اور گھناؤ۔ گھاس ہے تو ایک ایک تنکا ہر گھاس کی تازگی۔ اور خشکی۔ پودوں کی اصلی شکل صورت۔ آدمی ہیں۔ تو قدرتی چہرے۔ ہر کام کی پوزیشن حرکات سکنات خوشی و رنج مہربانی اور غصہ سنجیدگی یا مسکراہٹ۔ رگ، رگ میں اصلیت کھڑے بیٹھے کا فرق۔ جنگ، کا خاکہ ہے۔ تو غضب غصہ جھلکے کی ہر ایک پوزیشن کھلتا ہے گرنے کی شکل بزدلی،

پوزیشنیں دباؤ ابھار کے اصلی انداز۔ غلبے یا شکست کی حالت۔ گھوڑوں کے گرتے بڑھتے مڑتے کھڑکتے تمام پہلو۔ ہماری تصویروں میں تو پہاڑوں کی شکل روئی کے گالوں کی سی ہوتی ہے۔ اور جنگل میں تو آم ہی آم نظر آتا ہے۔

ناظر۔ اس فن میں یورپ کی تیز نگاہی نے دو ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ کہ تکمیل ہوگئی۔ ایک تو دور و نزدیک کی چھوٹائی بڑائی اور دوسری چیز سایہ اور روشنی۔

حبیب۔ یہ جسے انگریزی میں لائٹ اینڈ شیڈ کہتے ہیں۔ واقعی کیسی معمولی چیز ہے۔ جو ایشیا کو ہزاروں سال میں نظر نہ آئی۔ یہ تخیل بازی کا نتیجہ نہیں۔ قدرت پر غور و فکر کا مآل ہے۔ وہ بہت جلد اس بات پر پہنچ گئے۔ اور انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ ہماری طرح ہر چیز اپنی ہی طرف سے بناتے رہتے۔ اور اصل کو نہ دیکھتے۔ تو یہ کام ابھی تک نامکمل رہتا۔ واہ رے ہماری تخیل بازی۔

ناظر۔ یہ بھی صرف انہیں کا خیال ہے۔ کہ ہر چیز اصلیت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ یہ مطالعۂ قدرت ہی کی برکت تھی۔ کہ ہر چیز اصلیت پر آگئی۔ اور حسن پیدا ہو گیا۔

حبیب۔ یہ دو تصویریں آپ نے کب اضافہ کر لیں؟ ان تینوں میں کتنی مشابہت ہے۔ معمولی سا فرق ہے سو خیر اتنا فرق تو فوٹو میں بھی پڑ جاتا ہے۔ اس چہرے کی آپ کو کتنی مشق ہو گئی ہے!

ناظر۔ یہ پچھلے دنوں کی فرصت میں بنائی تھیں۔ اب یہ دونو فریم بچ گئے۔ اور چہرے کی آپ کیا پوچھتے ہیں ساری جگر سوزی کا اتنا ہی تو حاصل ہے۔ اور اکبر مرحوم نے ٹھیک کہا ہے "اس سے اگر بڑھو۔ تو شرارت کی بات ہے"

حبیب۔ آپ کا یہ خیال درست ہے۔ کہ فنون لطیفہ کی آبیاری عورت کے وجود سے ہوئی ہے۔ لیکن شاعری کی نشو و نما بھی تو اسی چشمے سے ہوئی ہے۔ پھر شاعری سے گانے میں جان پڑی۔ خالی خولی آ آ میں کہاں تک دلکشی ہو سکتی تھی۔ زنجیریا مار گئی؛ موزوں کر کے دل برباد گئے۔ خیال ٹک گیا۔

ناظر۔ شاعری؟ آہ یادش بخیر! اپنی تباہی میں ہم اس فن کے بہت ممنون ہیں۔ جہاں اور باتوں نے زندگی سے غافل کیا۔ اس نے بھی بہت پیچھے ہٹایا۔

جلیب۔ فن تو برا نہ تھا۔ لیکن بقول مولانا حالی مرحوم کے۔ "جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے" ہماری طبیعتوں کی افتاد نے بجائے فائدہ اٹھانے کے اس سے بھی نقصان ہی اٹھایا۔ سب کچھ چھوڑ کر شاعری پر لگ گئے۔ ورنہ زندہ مشغلوں کے ساتھ یہ بھی بزم کی رونق رہتا۔

ناظر۔ دیکھ لیجئے۔ دو سو سال سے مسلمان شاعری پر لگے ہوئے ہیں۔ سارے کمالات چھوڑ کر شاعری کو کمال انسانیت سمجھ بیٹھے۔ اس طرح کہ آغاز میں بڑے بڑے سپاہی ڈھال تلوار بیچ کر یا تو کسی حضرت جی کی بیعت کر کے اللہ ہو کی ضربوں میں اُلجھ گئے۔ یا شاعری کے لئے دوات قلم سنبھال بیٹھے۔ گھربار بازار دربار سرکار سب میں شاعری ہونے لگی۔ جب کوئی زلف و رُخ اور گل و بلبل کی منظوم باتیں کرنے لگتا تھا۔ تو اسے علم کا ماخذ سمجھ لیتے تھے۔ ایک طرف رسمی قال اقول۔ 'ضرب یضرب' تھا۔ تو دوسری طرف "خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پیٹا کر" کا الجھاوا تھا۔

جلیب۔ جی ہاں۔ سیاسی جد و جہد ختم ہو چکی تھی۔ گراوٹ میں جو نکھٹوؤں کا فلسفہ چل پڑا کرتا ہے جاری ہو گیا تھا۔ نکمے ہو کر یاس و حسرت کی تصویریں کھینچتے تھے۔ اور دل کو الفاظ و خیالات سے تسکین دیتے تھے۔ آخر میں یہی باتیں رہ جاتی ہیں۔ ہائی پیتھیا کا فلسفہ بھی ایسا ہی رہا ہوگا۔

ناظر۔ یہی ہوا کرتا ہے۔ یونان کی تباہی کے بعد سینکڑوں سال تک نسلیں آباؤ اجداد کے الفاظ دہراتی رہی تھیں۔ عملی زندگی سے بیگانگی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شاعری کو کمال علمی سمجھ لیا گیا۔

جلیب۔ تاہم اُن بزرگوں کی یہ تفریح بھی کچھ فائدہ دے ہی گئی۔ اتنی جلدی زبانِ اُردو کی نشو و نما اس تفریح کا ہی نتیجہ ہے۔ وقت صرف کیا۔ تو ایک کام ہو گیا۔

ناظر۔ بات یہ ہے۔ کہ تھوڑی سی بھی زندگی کام سنبھال لیتی ہے۔ بگڑی حالت کو نہ بنا سکے۔ تو خیر زبان تو بنا دی۔ وہ ایسی حالت کو بھی نہ پہنچے تھے۔ جو بعد میں رونما ہوئی۔ غدر تک زندگی اور غیرت بھی سمجھ تھی۔ بعد میں تو دو نمبرے مٹھی میں شاعری ہی رہ گئی۔ جس نے عیاشی میں پر لگا دئے۔

جلیب۔ اب آخری دنوں میں تو یہ حالت ہو گئی تھی۔ کہ جسے دیکھو بیاض دبائے پھر رہا ہے۔ اے حضرت!

اسے جناب! رات کچھ طبیعت لڑ گئی تھی۔ غزل کے چند شعر نکل آئے ہیں سنئے گا۔ آنے والے کس طرح انکار کریں۔ حقّے پان سے تواضع ہو رہی ہے۔ شعر ما حضور ہی آہا واہ وا! سبحان اللہ! کیا بات پیدا کی ہے۔ کہ سن کر کسی اور شعر زدہ کے یہاں جائے میں جا شریک ہوتے تھے سوسائیٹی کا علمی مذاکرہ صرف شاعری میں محدود ہو کر رہ گیا۔ داد پیٹ بھر ملتی تھی۔ بوڑھے جوان سب مصروف ہو گئے۔

ناظر۔ ایک بڑی زیادتی یہ کی۔ کہ مذہب کو بھی شاعری کے بناوٹی غلاف میں لپیٹ کر لندھور ابن سعدان کی داستان بنا دیا۔ شاعری کی تمام شرطیں پوری کر دیں۔ سچی تاریخ افسانہ بن کر رہ گئی۔ ہاں تاریخ جس کے بارے میں مسلمان اتنے محتاط رہے تھے۔ تمام رطب ویابس افسانوی روایات کا پشتارہ دین میں بھر دیا۔ یہاں تک کہ صحیح واقعات بھی جھوٹے معلوم ہونے لگے۔ شاعری کی رنگینیوں میں جو کچھ کہہ دیا۔ یا جو کچھ باندھ دیا۔ وحی والہام ہو گیا۔ اب کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔

جبیب۔ خیر واقعات کو نظم کر دینے میں کیا حرج ہے۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ ہاں روایت کی کمزوری البتہ احتیاط کے قابل ہے۔ مذہبی نظمیں تو اور مذاہب میں بھی بہت ہیں۔

ناظر۔ یہ کیا فرمایا آپ نے؟ جبیب صاحب! مذہب سچی تلی چیز ہے۔ اور شاعری تخیّل بازی ہے۔ جس میں اصلیت کی بالکل شرط نہیں۔ جو چاہو کہو۔ مذہب اور شاعری کو آپ اکٹھا کئے دیتے ہیں؟

جبیب۔ نہیں میرا مطلب یہ ہے۔ کہ مذہبی خیالات کو اگر وزن دیدیا جائے۔ تو کوئی خلل کی بات نہیں

ناظر۔ تو کیا مرثیہ گو شعراء نے اتنی ہی کوشش کی ہے؟ میرا تو خیال ہے۔ کہ بہت آگے چلے گئے ہیں۔ ذرا ان باتوں پر نظر ڈالئے۔ ہفتخوانِ رستم کے نقشے جمے ہوئے ہیں۔

جبیب۔ ہاں خیر۔ زیادتی زیادتی ہی ہے۔ بعض کمزور روائیتیں بھی ہیں۔ لیکن مرثیت میں تو کمال کیا ہے!۔

ناظر۔ کیا شک ہے۔ لیکن زورِ شاعری کہیں اور صرف کرتے تو بہتر ہوتا۔ یہ مختصر حالات وواقعات افسانے کی صورت اختیار نہ کرتے۔ اور جہلا کے لئے گمراہی کا دروازہ یوں چوپٹ نہ کھل جاتا۔

جبیب۔ رطب ویابس تو بعض وقت جوش میں مقررین بھی بیان کر جاتے ہیں۔ ہم میں اس بات

کی شاید گنجائش بھی ہے۔ محض غم کو بڑھانے کے لئے۔

ناظر۔ ہاں ان گنجائشوں ہی نے تو ہمیں تباہ کیا ہے۔ جبیب صاحب! مجھے ایک بات سے بڑی ہی حیرانی ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کے لئے شاعری کی گنجائش نکلنی مشکل تھی۔ کیونکر نکل آئی؟ دوسرے احکام پر اتنا زور دیا گیا۔ کسی نے قدم نہ روکا۔ قرآن نے شاعروں کی سخت مذمت کی۔ تو جنہیں نکلنے کی جگہ اور تیز ہو کر لوٹ پڑے۔

جبیب۔ کیا مثلاً۔ ذرا وضاحت کیجئے۔ میں سمجھا نہیں۔

ناظر۔ وہ یہی۔ کہ "الشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ"

جبیب۔ کیا ترجمہ ہوا۔

ناظر۔ یعنی "شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا اے رسول! تو نے انہیں دیکھا نہیں۔ کہ ہر خیالی دنیا میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جو وہ کرتے نہیں۔ البتہ ان میں ایمان لائے اور نیکوکار رہے ایسے بخیر پائیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ "ہم نے اپنے رسول کو شاعری نہیں سکھائی۔ اور نہ اُس کے لئے مناسب ہے۔ فرمائیے۔ جو کام رسول کے لئے مناسب نہیں۔ وہ ہمارے لئے شیر مادر کسطرح ہو گیا

جبیب۔ ہاں مذمت کا پہلو تو سخت ہے۔ شاعری کے بارے میں تو پھر احتیاط کرنی چاہیئے۔ لیکن ایمان والوں کے لئے گنجائش بھی تو ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔

ناظر۔ گنجائش ہے۔ تو خرافات بکنے کی تو نہیں۔ اور شاعری میں کیا دیکھتے ہیں آپ۔

جبیب۔ وہ ایک اور آیت بھی تو ہے؟ میں نے کسی کتاب کے سرورق پر مع ترجمے کے لکھی دیکھی تھی۔

ناظر۔ ہاں وہ ہے ...... وہ .... اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃ وَ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا۔ ترجمہ ہے۔ کہ اشعار میں سے بعض میں دانائی ہے۔ اور بعض بیانوں میں جادو ہے۔

جبیب۔ لیجئے۔ اس سے تو اور گنجائش نکل آئی۔ شعر دانائی ہے۔ تقریریں جادو ہیں۔

ناظر۔ ہاں آپ کا مطلب تو پورا ہو جاتا۔ لیکن یہ آیت نہیں ہے۔ کسی کا مقولہ ہے۔

جلیب۔ طرزِ ادا تو بالکل آیت کا سا ہے

ناظر۔ اب ذرا آپ کو جائزہ لینا چاہیئے۔ کہ ہماری شاعری کے ذخیروں میں سے کتنے اشعار دانائی سے مملو ہیں۔ چاہے دینی ہوں۔ چاہے دنیاوی۔ کھلی گندگی کا تو ذکر کیا۔ جو مثنویوں اور غزلوں میں بھری ہوئی ہے۔ خیالی دنیا میں ہوائی گرہیں لگائی جائیں۔ تو وہ غنیمت ہیں۔ چہ جائیکہ مذہبی خیالات میں افسانے ٹھونک دئیے جائیں۔ مذہب ان باتوں سے بالکل مسخ ہو جاتا ہے۔

جلیب۔ آپ کو معلوم ہے۔ مجھے شعر سے کتنا شغف تھا۔ لیکن کچھ تو شعراء کی حالت دیکھ کر طبیعت اکھڑی۔ اور کچھ اس فن کی ناکارگی سامنے آئی۔ اس طرح بیزار ہوا۔ رہی سہی دلچسپی اس تباہی و بربادی نے کھو دی۔ وہ شوق جاتا رہا۔ اس آہا واہ واہی نے تو ہمیں زندہ مشاغل سے دور پھینک کر ناکارہ کیا ہے۔ ورنہ مسلمان شائستہ اخلاق کے ساتھ تپا ہوا انگارہ تھا۔ ایسے ہی مشاغل سے بجھ کر رہ گیا۔

ناظر۔ جلیب صاحب! قوموں کی گراوٹ کے اسباب یکساں ہیں۔ چند باتیں ہیں۔ جو بلند کر دیتی ہیں اور چند دلچسپیاں ہیں۔ جو گراوٹ پر پہنچا دیتی ہیں۔ جب گراوٹ کے اسباب گھیرتے ہیں۔ تو ایسی خوبصورتی سے پکڑتے ہیں۔ تو ہوشمندوں تک کو محسوس نہیں ہوتا۔ کہ دلدل میں دھنس رہے ہیں۔ بچارے عوام تو یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ زندگی یہی ہے۔ اسلاف یہی کام کرتے رہے ہیں۔ یوں بھی ہر ایک قوم کی مدت مقرر ہے۔ چاہے کوئی دلدل کو محسوس ہی کیوں نہ کرلے۔ "لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ" لیکن مسلمان قوم کے اصول ایسے نہ تھے۔ کہ یہ قوم اتنی آسانی سے تنزل پر پہونچ جاتی۔ اصل میں اہل غرض نے غافل کیا۔ کچھ تو مذہبی ٹھیکہ داروں نے ہاتھ بٹایا۔ کچھ عیاشی نے مدد کی۔ ذہنیت ماری گئی۔ شاعری کو بھی اسی عیاشی کی ایک شاخ سمجھ لیجئے۔

جلیب۔ کیا عرض کروں۔ سمجھ چکا ہوں۔ کہ یہ ذہنی عیاشی بیکار بے مصرف ہے۔ لیکن اب بھی جب

کوئی اچھا شعر کانوں میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار جھوم جاتا ہوں۔ پرسوں حامد صاحب تشریف لائے۔ آپ جانتے ہیں وہ بھی ان باتوں پہ پہنچ چکے ہیں۔ گراوٹ اور بلندی کے اسباب کو بھانپ لیا ہے۔ یونہی باتوں باتوں میں ایک شعر اُن کی زبان سے نِکل گیا۔ پھر کیا تھا وہ بھی جھومنے لگے میرا سر بھی نِصف دائرہ بنانے لگا۔

ناظر۔ کیا شعر تھا سنائیے تو سہی؟

حبیب۔ وہ ہے نا سوداؔ کا مشہور شعر:۔

سوداؔ جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وُہ
کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا!

ناظر۔ واہ وا! کیا طرزِ ادا ہے! کیا خیال ہے! ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ وقت کی خصوصیت دو بالا کرکے دکھا دیتی ہے۔ اور لیلیٰ کی سیاہی مجنوں کی آنکھ میں شمس و قمر کا نور بن کر کھب جاتی ہے۔ پھر ایک مرتبہ جچ جانے کے بعد نظر دوسرے وقت ہلکا بھی دیکھے تو خود اپنے آپ توجیہیں کرکے جھٹلا لیتی ہے۔ آخر سوداؔ وہی ہیں جن کو میرؔ صاحب نے پورا شاعر مانا ہے۔ کیا بات کہی ہے!

حبیب۔ آپ بھی تو اُس روز سوداؔ کا ایک شعر گُن گُنا رہے تھے۔ باتوں میں اُلجھ کر سرسری طور پر گذر گئے۔ ہاں ذرا دُہرائیے گا۔ بہت اچھا خیال ہے وہ بھی!

ناظر۔ کونسا تھا بھلا؟ آ.....آ..... ہاں یاد آگیا:۔

سوداؔ جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دلِ پُر آرزو لئے

حبیب۔ اہا! کیا خیال ہے! کیسی چسک ہے! ایسی چیز لے گئے کہ ڈھونڈنے والے کو نظر نہیں آ سکتی حالانکہ کچھ داغ ہیں جو ہر درد مند لے جاتا ہے۔ سوداؔ کی نگاہ بھانپ گئی۔ میرؔ صاحب کی طرح بعض کے یہاں طرزِ ادا ہی دردناک ہو جاتا ہے۔ معمولی بات بھی کہتے ہیں تو چوٹ لگتی ہے۔

ناظر۔ اگر شاعری کوئی چیز ہے تو اس کے جسم کی رُوح درد ہے۔ کوئی حقیقت بیان کی جائے فلسفہ ادا

کیا جائے تو اور بات ہے۔ ورنہ جس سے دل نہ کھٹکے وہ کیا شعر۔ جذبات ادا نہ ہوں واقعہ نگاری نہ ہو۔ یونہی ہوا میں گرہیں لگائی جائیں تو شعر نہیں لعنت ہے تضیعِ اوقات ہے۔ حالی مرحوم نے درد کو حاصل قرار دے کر شاعری کا فیصلہ کر دیا ہے:۔

اے شعر! دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دلگداز تو

حبیب۔ ظلم تو یہ ہے کہ متقدمین کی جذبات نگاری چھوڑ کر بکواس نویسی پر ڈھل گئے اور شاعری کو ہاسہا بے روح کر دیا جو علمِ ادب کی ایک اچھی شاخ تھی۔ اس سے بالکل سروکار نہ رہا کہ محبت میں واقعات کیا پیش آتے ہیں اور دنیا کے حالات کو اُلٹ کیا ہیں۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں قابلِ وقوع باتیں ہیں یا محض خیالی ڈھکوسلوں پر وقت ضائع کر رہے ہیں۔ برتاؤ سلوک معاملہ بندی حقیقت نگاری قدرتی تغیر و تبدل کو چھوڑ کر نری وہم و تخیل کی دنیا آباد کر لی۔ کسی نے جذبات نگاری کا دامن پکڑا بھی اُسے تک بند کہہ کر اپنی خرافات پر لگا لیا۔

ناظر۔ جی ہاں! ایسی باتوں پر ٹوٹ پڑے جو نہ انسان پر گذرتی ہیں نہ دنیا میں ہوتی ہیں۔ یہ رنگ آپ کی نظروں سے بہت گذرا ہے۔ آپ بھی نازک خیالی کو بہت پسند کیا کرتے تھے۔

حبیب۔ نہیں۔ اب تو مدت سے نازک خیالیاں مکڑی کا جالا معلوم ہونے لگیں۔ اگر اب کچھ پسند بھی آتا ہے تو وہی خیال جو سیدھا دل پہ پہنچے حقیقت سے ٹکرائے۔

ناظر۔ کیوں؟ اب آپکو اُس رنگ سے نفرت ہو گئی؟ خیر ہونے ہی والی تھی۔ وہ پرانا شعر آپ کو یاد نہیں رہا جس پر ایک مرتبہ سر دھنتا تھا:۔

کیا نزاکت ہے جو توڑا شاخِ گل سے کوئی پھول
آتشِ گل سے پڑے چھالے تمہارے پاؤں میں

حبیب۔ نہیں ہاتھ میں!

ناظر۔ ہاں ہاں! ہاتھ میں۔ خیر جہاں ہاتھ میں ہیں وہاں پاؤں میں بھی سہی۔ آتشِ گل پہ پاؤں

پڑجائے تو اس میں بھی چھالے پڑجائیں گے۔ اور وہ نہیں سنا آپ نے؟

حُسن جب مقتل کی جانب تیغ بُرّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پا بجولاں لے چلا

حبیب۔ کیوں نہیں سنا۔ یہ رنگ تو عام تھا اور اسی پر داد ملتی تھی۔ نہ معلوم یہ اُس زمانے کے عشق کی روداد کیا تھی۔ معشوق کیا تھے اچھے خاصے نادر و چنگیز تھے۔ داغ جیسے استاد پر اس رنگ کا لیپ چڑھا ہوا تھا:۔

بھویں تنی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

ناظر۔ بالکل ایسا نقشہ ہے کہ مونچھیں کھینچی ہوئی ہیں۔ داڑھی چڑھی ہوئی ہے۔ اور خنجر لے کر عشاق کے ہجوم میں جو رنگ کاٹتے پھر رہے ہیں۔ اور وہ شعر تو آپ نے سُنا ہی ہوگا:۔

خود گلا کاٹوں مجھے خنجر عنایت کیجئے
دیکھئے دُکھ جائیگی نازک کلائی آپ کی

حبیب۔ لعنت بھیجئے اس شعریت پر۔ تاہم اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی عورتوں میں بھی سپاہیانہ جوہر تھے۔ خنجر باندھتی تھیں اور اسکے استعمال کی بھی ماہر تھیں۔ اب تو گوشت کا لوتھڑا ہیں۔ سٹیشن پر بھی نہیں چلا جاتا۔

ناظر۔ دیکھ لیجئے۔ کہاں وہ قدرتی جذبات اور کہاں یہ خرافات۔ جو شاعری اصلیت پر مبنی ہو وہ نہ صرف ادبی حُسن ہے بلکہ ذہنیت اور خیال کو تیز کر کے نشیب و فراز پر لگا دیتی ہے۔ جس پیدا کرتی ہے۔ میر کی جذبات نگاری پر ناسخ غالب اور ذوق نے جو رشک کھایا ہے وہ اسی خوبی کی وجہ تھی۔ دل کی کیفیتیں الگ زبان کی لذتیں الگ۔ شائد یہ بزرگ ہمارے لئے کوئی قابلِ تقلید اور لائقِ فخر رنگ چھوڑتے۔ فارسی شاعری کی تقلید نے پیدا نہ ہونے دیا۔

حبیب۔ ہاں! یہ رنگ فارسی کے تتبع میں طبیعتوں پر غالب آگیا اور پھر ایسا رگوں میں پیوست ہو گیا کہ موجودہ تنقیدیں بھی پیچھا نہ چھڑا سکیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ نظیر اکبرآبادی کس طرح دامن چھڑا کر

نیچرل نظموں پر پہنچے۔ کمال کیا ہے اس بچوں کی دنیا کے معلم نے۔ لائقِ صد ستائش ہے۔

ناظر۔ شک نہیں نظیر کی شاعری قابلِ تقلید چیز تھی لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ ایک صورت اور بھی ہو سکتی تھی اور شاید وہ اس تخیل بازی سے بہتر رہتی۔

جیب۔ وہ کیا؟

ناظر۔ وہ یہ کہ عرب و عجم کے قدرتی خیالات لے کر ہندی دردمیں آمیز کر دیتے۔

جیب۔ نہیں۔ یہ خیال ایک حد تک ٹھیک ہے آپ کا۔ کبیرجی اور تلسی داس کا کلام بہت اچھا ہے۔ پہلے مجھے کافی دوہے یاد تھے اب اکثر بھول گیا ہوں۔ خانخاناں کے دوہے ہندی میں بہترین سمجھے جاتے ہیں۔ شاید آمیزش کی ہی وجہ ہو۔

ناظر۔ جیب صاحب! ایک بات تو ہے۔ ہماری شاعری میں تنوّع زیادہ ہے۔ ہندی صرف دو اک شقوں میں بہتر ہے۔ اُردو کے رطب و یابس ذخیرے میں سے بہترین انتخاب نکل سکتا ہے جو دنیا کی نئی اور پُرانی شاعری کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسے انتخاب کے لئے بہترین ذوق اور وسعتِ نظر کی ضرورت ہے۔ خیر کوئی دُہرا سنائیے۔ کوئی تو یاد ہوگا ہی۔

جیب۔ ہاں۔ دو چار یاد رہ گئے ہیں۔ کبیرجی کہتے ہیں:۔

رنگی کو نارنگی کہیں اور بنے دودھ کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

ناظر۔ واہ وا! خوب ہے! شاعری کی ہے تو اس میں بھی بات نکالی ہے۔

جیب۔ ایک اور یاد آیا۔ سُنئے! یہ مجھے بہت پسند ہے:۔

دھئیں جنو ّپالے گئے اور بھلاوُنے لے لئے پوت
ارے کبیرا باورے رہے اوت کے اوت

ناظر۔ دیکھ لیجئے کیسی پیش آنے والی باتیں ہیں۔ سچے واقعات کو وزن میں ادا کرنا کتنا موثر ہے۔ خیر ہمارے یہاں بھی سچائی کی کمی نہیں ہے۔ بس اتنا ہے کہ پلندے کو اُلٹ پُلٹ کر ملتی ہے۔ میر صاحب فرماتے

ہیں:۔

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جیب۔ ہندی میں ایک بات اَن نیچرل ہے کہ جو کچھ کہا جاتا ہے عورت کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ اپنی اپنی حالت بیان نہیں کی جاتی۔

ناظر۔ خیر! اُردو میں بھی عورت کے جذبات بھی مرد ہی ادا کرتا ہے۔

جیب۔ شائد اسکی وجہ اسلامی غیرت ہے۔ عورتوں کا ذکر بھی گوارا نہیں ہوا۔

ناظر۔ جیب صاحب! اس بارے میں کچھ زیادتی ہی کی گئی ہے۔ ہم نے عربی کا تتبع نہیں کیا۔

جیب۔ اچھا کوئی چیز میر صاحب کی سنائیے۔ ان کے ہاں درد کتنا ہے! سچ تو یہ ہے کہ اُن کے نشتر سودا کے خنجروں سے زیادہ تیز ہیں۔ ہاں تو کس طرح؟

ناظر۔ درد کی آپ کیا پوچھتے ہیں۔ میر سرتاپا درد تھے۔ کہتے ہیں:۔

چپکے سے کچھ ہو جاتے ہو آنکھیں بھر بھر لاتے ہو
میر گذرتی ہے کیا دل پہ کڑھا کرو ہو اکثر تم

جیب۔ ہائے ہائے! اسے نشتر نہ کہا جائے تو اور کیا کہیں۔ بلا کا درد ہے۔

ناظر۔ خیر! اب اُردو میں بہت مفید اور عجیب اسلوب نکل آئے ہیں۔

جیب۔ ذرا وہ شعر سنائیے وہ .... غیور تھا!

ناظر۔ ہاں! وہ شعر:۔

مرنے مؤا پہ اُس کے کبھی گھر نہ جا پھرا
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا

جیبا۔ ہا ہا! میر صاحب آپ کی تو رگوں میں اُتر گئے ہیں۔ لیکن میرا بھی یہی حال ہے کہ اُن کے ذخیرے میں سے کوئی ایسا شعر سن لیتا ہوں تو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ کہ کہیں سامنے نظر آجائیں اور

ایک نظر دیکھ لوں۔

ناظر۔ چلئے اچھا ہے وہ نہیں ہیں۔ وہ درد رسیدہ غیرت مند حساس انسان اس وقت ہوتا اور دھلی کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی تباہی دیکھتا تو کیا حال ہوتا اس غیور کا۔ رونے کے لئے کئی عمریں خدا سے مانگتا۔

جلیب۔ واقعی اچھا ہوا وہ بزرگ نہیں ہیں ورنہ شہر آشوب لکھتے لکھتے بے حال ہو جاتے۔

ناظر۔ ہنر ہوا کہ علامہ اقبال نے یہ منظرنہ دیکھے پہلے ہی چل دیئے ان کا حساس دل اس تباہی کو بالکل برداشت نہ کر سکتا۔ مسلمانوں کو روتے چلے گئے اور ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ مولوی تو بدلتے ہی کیا وہ تو خود بدلنے کی جگہ قرآن کو بدل لیتے ہیں۔ عوام کو پتہ نہ چلا کہ علامہ نے کیا کہا ہے۔ کاش! وہ مدن موہن مالوی اور مونجے کی طرح گھر گھر پھر کر اپنا پیغام پہنچا سکتے۔

جلیب۔ شاعری سے آپ کی بدگمانی کچھ بیجا نہیں۔ خطابت اس سے کہیں زیادہ مفید چیز ہے۔ شاعری سے کون زندہ ہوتا ہے۔

ناظر۔ دیکھ لیجئے۔ ہم مشاعروں کی محفلیں جماتے رہے۔ اور ہندوؤں نے ہندی کو گاڑیوں پر لاد کر دور دراز گاؤں تک پہنچا دیا۔ چلتی پھرتی لائبریریاں بنا ڈالیں۔ ہمارے یہاں مشاعروں سے آنکھیں کھلتے نکلے۔ اردو بولو کی مہم شروع کی تو صرف اتنا اثر ہوا کہ ہم اردو بولتے ہیں تو لوگ حقارت کے ساتھ مذاق اڑاتے ہیں ناک بھوں چڑھ جاتی ہے۔ صوبائی تعصب بیدار ہو جاتا ہے۔

جلیب۔ ذرا بھی شک نہ کیجئے۔ علامہ اقبال نے شاعری کو چرخ چہارم پر پہنچا کر آخری منزل پر پہنچا دیا ہے تکمیل کر دی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت جوش کی وہ رباعیاں جن میں حقائق و مسلمات ہیں اگلی آزاد دنیا میں مقبول ہونگی۔ جن رباعیوں میں انھوں نے ہیوم پوپ اور والٹیر وغیرہ آزاد خیالوں کے نادانستہ نظریئے باندھ دئے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں ہے کہ یورپ یہ باتیں کہہ کر مذہب کی نظر میں مغضوب ہو چکا ہے۔

ناظر۔ علامہ اقبال کا کیا کہنا۔ واقعی انھوں نے مہر لگادی ہے اگلوں کے لئے گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ ضرورت کی باتیں کہیں اور قومی فلسفے کو انتہا پر پہنچا دیا۔ رہی جناب جوش کی شاعری وہ انقلابی شاعری ہے حقیقت آمیز باتیں ہیں۔ رہی آگے کی مقبولیت وہ کس نے دیکھی ہے۔ کیا معلوم موجیں کس ساحل پر جا لگیں اور کون سے نکتے نظروں چڑھ ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ان حضرات کی محنت سے اب اردو کسی زبان سے پیچھے نہیں ہے۔

جلیب۔ ناظر صاحب! کچھ خبر بھی ہے آپ کو۔ یہ ہم کس طرف بہ گئے۔ شاعری سے بیزاری ہو رہی تھی یا اب اسی کے ذکر میں الجھے پڑے ہیں۔ خوب خوب لذتیں لیں۔ زلف و رخ کو ٹھہرایا۔ فلسفے پر آگئے۔ کچھ ہی کہئے۔ یہ کمبخت ہے بڑی دلچسپ چیز۔

ناظر۔ ہاں دیکھ لیجئے ہم کہاں پہنچ گئے۔ یہ سب میراث ماحول اور سوسائٹی کا اثر ہے۔ بیزاری میں بھی طبیعت لپکتی ہے۔ لیکن جو زندہ مشاغل میں ہیں ان کے لئے یہ باتیں گزشتہ ہیں۔ نفخ کشی میں ڈوبا ہوا بنیا ان سے کیا دلچسپی لے سکتا ہے۔ یا جو تعمیری کاموں میں غرق ہیں ان کے لئے یہ آب حیات کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہمارے دل و دماغ میں یہ خیالات سرایت کر گئے ہیں خود" جھک جاتے ہیں۔

جلیب۔ خیر اب بہرصورت شاعری کے بجائے اظہار مقاصد کے واسطے تحریر و تقریر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے۔ زندگی خطابت سے پیدا ہوتی ہے یہی ذریعہ بنے تو بہتر ہے۔ اردو نظم سے شروع ہوئی تھی لیکن اب اسکی نثر بھی قابل رشک بن چکی ہے۔ الفاظ کی گتھیاں بنانے کی جگہ صاف اور سلیس زبان میں مطالب ادا کئے جائیں اور ادب سے زندگی کا کام لیا جائے۔

ناظر۔ یہ یقین کرنا چاہئے کہ زبان اظہار مقصد کے لئے ہے۔ اس میں لفظی خوبیوں کی جگہ معنوی خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ زبان کی سلاست اور صفائی کی جگہ فارسی ترکیبوں اور عربی الفاظ کی بھرمار کر کے نئے طرز نکالے جاتے ہیں۔ اردو کا حسن میر اور داغ کی زبان میں ہے۔ اسی کو زندہ کرنا چاہئے۔ میر انیس کا تتبع ہماری زبان کو اب بھی سلاست و صفائی دے سکتا ہے۔ انہیں بزرگوں کی پیروی میں اردو کی زندگی ہے۔

حبیب۔ یہ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ شاعر اور نثر نگار دونوں اس زبان کی کوشش نہیں کرتے۔ اصل میں وہ روزمرّہ ہے۔ بھی بہت مشکل۔ سب کے بس کا نہیں۔ جن کو اہل زبان ہونے کا دعوے ہے داغ کی زبان کا ان کے یہاں بھی شائبہ نہیں۔

ناظر۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ زبان و بیان کی کچھ ایسی کمی نہیں ہے۔ لیکن علمی مذاق کی جگہ اب دو نو سے افسانوں نے لی ہے۔ کہاں مولانا آزاد کی نیرنگ خیال۔ مولوی ذکاء اللہ کے علمی ذخیرے اور کہاں یہ خالی عیاشی کی باتیں۔ نظم پہ تھے تو یہی رنگ غالب کر لیا تھا۔ نثر پہ آئے ہیں تب یہی رنگ ذہنیت پر لپیٹ لیا ہے۔

حبیب۔ آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ اب یورپ کی تقلید میں عُریاں نگاری بھی عام ہو گئی ہے۔ اس میں بھی عادات و خصائل اور فطری رُجحانات پر روشنی نہیں ڈالی جاتی لحاف اور شلوار اُتار کر صرف کھال دکھاتے ہیں۔

ناظر۔ ہاں ہم تقلید کرنے میں بہت چُست ہیں۔ جدّت کی کوشش نہیں کرتے۔ مانا کہ بہت سی حقیقتیں ڈھکی چھپی ہیں ہماری کوتاہ نظر اُن تک نہیں پہنچ سکتی۔ تاہم اگر ننگا پن اختیار ہی کرنا ضروری سمجھ چکے ہیں تو چھلکے اُتار کر گری دکھانی چاہیئے۔

حبیب۔ غالبًا یہ لوگ اخلاقی گراوٹ اور فطرت کی مجبوری دکھانا چاہتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اتنی گندہ ذہنی کو ہماری تہذیب گوارا نہیں کر سکتی۔ نوجوان اس قسم کے کوک شاستر پڑھ کر تباہ ہوتے ہیں۔ اخلاق کا بُرا عالم ہے۔ بس یہی ایک دُھن دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔ یہ وبا کبھی رُکے گی بھی؟

ناظر۔ شرم و حیا کی پُتلیاں بھی تو اب ننگی باتوں سے نہیں شرماتیں۔ یورپ نے ان کے منہ کے قفل بھی کھولدئے۔ اس طرز سے صرف غلاظت پھیلتی ہے۔ فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہم ہر رنگ کو کھینچ کر اُدھر ہی لے جاتے ہیں۔ عبرت لیں تو کوئی بات بھی ہے۔

حبیب۔ جی ہاں! اب اخلاق کا معیار بھی تو بدل گیا ہے۔ پہلے معمولی بد اعمالی پر قوموں اور ملکوں پر عذاب نازل ہوتے تھے۔ اب مُلک کے مُلک چکلے بن گئے اور پتھر نہیں برستے۔ یورپ اور امریکہ

کی حالت سُننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جرمنی میں کچھ کمی تھی وہ مٹ گیا اور یہ ابھی عیش کر رہے ہیں۔
قدرت دیکھ رہی ہے ان کی بھی باری آ ہی جائے گی۔

ناظر۔ حبیب صاحب! آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قدرت کی ساری توجہ انسان کے اعمال و افعال پر لگی ہوئی ہے۔ چھوڑئیے اس قصّے کو۔ رونا تو یہ ہے کہ عورت کی آزادی صرف جذبات میں محدود ہے۔
بد اعمالی کی کثرت نہ ہو تو کیا ہو۔

حبیب۔ آپ تو دو تو سرے عورت کو ہی ذمّے دار ٹھیرا دیتے ہیں۔ جب مرد ہی اسکے لئے راہیں نکالنے والا ہے تو اسے بھی تو خیال کرنا چاہئے۔ غور کر کے دیکھئے وہ اسے کیا موقع دیتا ہے کہ ذہنی ترقی کرے۔

ناظر۔ آپ تو نام آتے ہی فوراً قصیدہ شروع کر دیتے ہیں۔ کیا عورت کا فرض نہیں کہ وہ اپنی دُنیا بنائے؟ بات یہ ہے کہ چاہے وہ کہیں اُڑے نظر گھونسلے ہی پر رہتی ہے۔ وہی چند مخصوص باتیں وہی دن دہی راتیں۔ جب دیکھتی ہے کہ بالکل ہی قربان ہوا جا رہا ہے تو قربانی کا بدلہ دینے کے لئے جھٹ بچّے گود میں ڈال کر کہتی ہے کہ لو! انہیں چوموچاٹو۔ یوں احسان میں دبا کر تن کر بیٹھ جاتی ہے۔ پیداوار کی داد نہ دو تو زمین میں رہتی ہے نہ آسمان میں۔ کسی قوم کو اس نے گراوٹ میں نہیں سنبھالا۔ کبھی نہیں کہا کہ میاں! باہر جا کر دُنیا کو بساؤ اُجڑی جا رہی ہے۔ میں تو گھر میں بیٹھی ہوں پھر آ چمٹنا۔ کیا قوموں کی تباہی عورت پر منتہی نہیں ہوتی؟

حبیب۔ ناظر صاحب! آپ ہزار زہر اُگلیں اُسکی تو قدر نہ کبھی گھٹی نہ گھٹے گی۔ اگلوں نے بھی بہت کچھ کہا تھا پھر کیا فرق پڑ گیا۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ گراوٹ اور تباہی میں بھی دلجوئی اور محبت سے تسکین دیتی رہتی ہے۔

ناظر۔ اور آپ یہ نہیں دیکھتے کہ یونان نے آزادی دی تو ایتھنز میں چلن اور اخلاق کے لالے پڑ گئے۔ اور روما کے مدبّروں نے سوسائٹی میں پہنچا کر حقوق دیئے تو رومۃ الکبریٰ بد اعمالی سے بھر گیا۔ پھر کیا نتیجہ نکلا وہ تو آپ کی نظر سے گذرا ہی ہوگا

حبیب۔ ہاں نظر سے تو گزرا ہے لیکن کچھ اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ فرمائیے پھر کیا ہوا؟

ناظر۔ یہ ہوا کہ وہ تیز نظر قوم تباہی کو بھانپ گئی اور اس جنس لطیف سے وہ سختی برتی، ایسے ظلم کئے کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر گھروں میں قید کر دیا اور بے پناہ ظلم کئے۔

حبیب۔ خیر وہ اسکی آزادی کا آغاز تھا۔ اس زمانے کے ہوشمندوں نے سمجھ لیا کہ اسکی آزادی کے بغیر چارہ نہیں۔ گلے سے رسّا نکال کر منہ چھُٹ چھوڑ دیا ہے۔

ناظر۔ اچھا! آپ گہرائی میں جانے سے گھبراتے ہیں۔ میں کیا کہوں۔ کہنا یہ ہے کہ مذہب کی گرفت کچھ ایچھی ہی تھی قدم تو رُک رُکتا تھا۔ عوام کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ مذہب نہیں رہا یا نہیں رہے گا تو اُسپر واضح رہے کہ یہ منہ چھٹ آزادی بھی نہیں رہے گی۔ لوگ اس خرافات کی روک نکالیں گے۔ یہ غلط ہے کہ اب بدچلنی گراوٹ کے اسباب میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان میں اُس کے ساتھ احساس فرض بھی شدّت سے ہے۔

حبیب۔ یہ تو کچھ صحیح نہیں۔ انگریز جیسی فرض شناس قوم بدل گئی ورنہ اتنی جلدی سمٹ کر گھر نہ جا بیٹھتی۔ اب وہ لوگ باہر نکلنا پسند نہ کرتے تھے۔ اسکی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے سوائے عیاشی کے۔

ناظر۔ نہیں حبیب صاحب! یہ گراوٹ تو دنیا کے بدلے ہوئے سیاسی حالات سے آئی ہے۔ ورنہ دماغ میں ابھی مطلق فرق نہیں۔ وہ اب بھی ذکاوت میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

حبیب۔ تو یہ تو میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ انسان کو مذہب کی سخت ضرورت ہے۔ قانون کی ضرورت ہے۔ اشتراکیت کو آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا نہیں تو وہ قانون قاعدے سے بھی بے نیاز ہے؟

ناظر۔ ہاں مذہب ضروری ہے۔ لیکن کلام تو مذہب کی اُس جنس میں ہے جو انسان کو لنجا بنا کر توہم پروری اور بزرگ پرستی پر لگا دیتی ہے۔ انسان اُسی سے اُکھڑا ہے اور وہ ہے بھی دماغ کے لئے زہر۔ غور و فکر سے محرومی ہو جاتی ہے۔

حبیب۔ یہ توہم پرور جنس سے آپکی کیا مراد ہے؟ دقّت یہ ہے کہ جو عقائد اصل اصول ہیں آپ اُنہیں وہم سمجھ بیٹھے ہیں کیوں ہے نا یہی بات؟

ناظر - یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ؟ بنیادی اصول ؟ بنیادی اصول تو خوش اعتقادیوں سے بھسم ہو جاتے ہیں۔
اعتقاد میں بڑھنے کی بہت قوت ہوتی ہے۔

حبیب - یہ آپکا خیال ہے۔ میرا عقیدہ تو اپنی جگہ ہے پُرانی حد میں۔ نہ گھٹا نہ بڑھا - نہ کسی نئی تحریک سے متزلزل ہوا۔

ناظر - خیر! ممکن ہے کہ آپ نے اپنی دنیا سے باہر جھانک کر نہ دیکھا ہو اور جھٹکا نہ لگا ہو۔ یا کوئی ضرب پڑ کر رہ گئی ہو اور نہ ہم نے چونک کر تاویلیں گھڑ لی ہوں۔ میرا تو ماحول اور نسل کا اثر ایک آدھ ٹکر سے نہیں اکھڑا کرتا - ابھی ممکن ہے کہ کسی بات میں شک پڑے اور اپنے عقائد پر تنقید شروع کر دیں۔ یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ سب وحی و الہام ہی ہو۔ خدا نے کہا ہے کہ "جو کچھ کہا جا رہا ہے اُسے اندھا دُھند نہ مانو۔ غور کر کے اختیار کرو تاکہ پھر ڈگمگاہٹ پیدا نہ ہو۔"

حبیب - ہاں تو ہوش آتے ہی معتقدات سوچ سمجھ کر اختیار کر لئے تھے۔ کبھی شک نہیں پڑا۔ اور چونکہ سمجھدار بزرگوں سے ہم تک پہنچے ، شک کہاں پڑ سکتا ہے۔

ناظر - یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ذرا اتنا تو غور کیجئے کہ جو کچھ ہم سنبھالے ہوئے ہیں وہی ہے جو رسولِ عربی نے مکّے اور مدینے کی فضا میں پھیلایا تھا۔ یا وہی ہے جو قرآن میں لکھا ہوا ہے ؟

حبیب - میرا ایمان ہے کہ میرے معتقدات قرآن کے مطابق ہیں۔ وہی جن پر رسول صلعم نے عمل کر کے دکھایا اور وہی جن کو بزرگانِ دین نے ہم تک پہنچایا ہے۔

ناظر - یہ دعویٰ تو اور فرقوں کی زبان پر بھی ہے۔ ان کے پاس بھی جو کچھ پہنچا ہے پوپ گری گری سے نہیں پہنچا انہیں بھی اسی قرآن کا سہارا ہے۔

حبیب - تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ مقابلہ کر کے جانچ لیجئے کہ قرآن کو کون بہتر سمجھتا ہے۔ کون اُسوۂ رسول کا نمونہ تھا - امانت الٰہی کا حامل کون تھا ؟

ناظر - ہوں ...... اچھا ! .... حبیب صاحب ! اب یہ بات چھڑ گئی ہے تو مجھے اجازت دیجئے کہ

اس مبحث پر تفصیلی گفتگو کروں۔ پہلو بہت دیکھنے پڑیں گے۔ یہ خیال نہ کیجئے گا کہ جو کچھ حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کہوں گا وہ سب کچھ میرے معتقدات میں ہے۔ کسی خیال کی اصلیت تحلیل کئے بغیر نہیں کھلتی۔ شائد بعض نازک باتوں پر بھی ضرب پڑ جائے آپ برا نہ مانئے گا۔

حبیب۔ کیا آپ مجھے تنگ نظر سمجھتے ہیں۔ مجھ میں تو مذہبی خیالات ہوں یا دنیاوی نظریے ہر ایک کے بارے میں نہایت رواداری ہے۔ اپنے معتقدات کے آپ خود ذمے دار ہیں۔ اتنا البتہ ہے کہ زیادہ روشن خیالیاں کلیات و جزئیات سب کو اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ زیادہ غور و فکر اور باریک بینی گھر کا رکھتی ہے نہ گھاٹ کا۔ ضروری باتیں بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہیں۔

ناظر۔ حبیب صاحب! مجھے آپ کی معلومات اور بصیرت کو دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوتی ہے۔ آپ غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ لیکن بڑی ہی حیرت ہے کہ ابھی تک آپ نے معتقدات پر تنقیدی نظر نہیں ڈالی۔ تعجب ہے کہ اتنی دنیا دیکھ لینے کے بعد بھی آپ بعض کمزور الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مجھے معاف کیجئے گا۔ دلیری کر رہا ہوں۔ باقی رہی روشن خیالی! روشن خیالی اگر عقل کے ساتھ ہے تو شتر بے مہار نہیں ہونے دیتی۔ علامہ اقبال وطن پرستی کا مندر بناتے بناتے مذہبیت اور قومیت پر آ رہے تھے۔ شیخ و برہمن دونوں سے بیزار ہو کر پھر قوم کی رہنمائی کا الاپ شروع کر دیا تھا۔ قائداعظم آخر عمر میں کانگرس چھوڑ کر قوم کی بہتری پر لگ گئے تھے۔

حبیب۔ نہیں نہیں! میں تو پھر عرض کرتا ہوں کہ تنگ نظر نہیں ہوں۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ بہت سے زوائدات کا قائل نہیں رہا ہوں۔ جو ضروری اصول ہیں ان پر پختہ ہو چکا ہوں۔ نہ شبہ پڑتا ہے نہ تنقید کی ضرورت پیش آتی ہے۔ آج آپ کھل کر کہئے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ میں سب کچھ سننے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے معتقدات میں کیا کمزور پہلو ہیں۔

ناظر۔ اچھا لیجئے پہلے یہی بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ جب اس کا خاکہ سامنے رکھ لیا جائے گا تو زیادہ بہتر گفتگو ہو گی۔ اصلی چیز کو پہلے دیکھ لینا چاہئے۔ تاکہ زوائدات کا اندازہ آسانی سے ہو سکے۔

حبیب۔ بچپن میں والدہ مرحومہ نے اصول دین اور فروع دین سکھائے تھے جو اب تک زبانی یاد ہیں۔ اسلام کا خاکہ کیا مشکل ہے۔ یہی ہے کہ خدا ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ رسول عربی اس کے بھیجے ہوئے

پیغمبر ہیں جنہوں نے قرآن کی تعلیم دی۔ اور آخری دین سے انسان کو روشناس کیا۔ قیامت برحق ہے۔ اور خدا اس دن انصاف کے ساتھ سزا و جزا دے گا۔ اس لئے کہ وہ عادل ہے۔ امامت کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔

ناظر۔ دیکھئے ذرا آہستہ بولئے۔ کوئی بہائی سن لے گا تو چیخ پڑے گا۔ کہ قیامت تو ہو بھی چکی حضرت بہاء اللہ جل جلالہ تشریف لے آئے اور مسلمان ابھی تک زمین و آسمان کی تباہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ قیامت انبیاء کی آمد کا نام ہے۔

جلیب۔ چھوڑیئے بہائیت وہائیت کو۔ میں ان نکتہ آفرینیوں کو خرافات سمجھتا ہوں۔ یہ کیا آمد ہے۔ بقول مصنف سیاحت نامہ ابراہیم بیگ " ہمچوں خرس درجوال" مطلب یہ ہے کہ باقی فروعات دین ہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ۔ وہ یقین و اذعان ہے اور یہ اسکا عمل ہیں لازم و ملزوم۔

ناظر۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔ ہاں یہی اصول و فروع ہیں جو بچپن میں والدہ مرحومہ نے مجھے بھی سکھائے تھے۔ اب تو مائیں بچوں کو صرف پیار لاڈ ہی سکھاتی ہیں۔ اگر آپ بہائیت کی خرافات کو سمجھ چکے ہیں تو یقین ہے کہ باقی باتیں بھی آسانی سے سمجھ جائیں گے۔ اتنا لگے ہاتھوں اور بتا دیجئے کہ آپ نے کبھی قرآن مجید کو براہ راست اپنے مطالعے سے بھی سمجھ کر دیکھا ہے؟ یا صرف سُنے سنائے پر یقین رکھ چھوڑا ہے۔

جلیب۔ آپ جانتے ہیں میں عربی سے محروم ہوں۔ پورے امعان کے ساتھ قرآن کو نہیں دیکھ سکا۔ البتہ کبھی کبھی ترجمے کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ یا مولویوں کی زبانی جو کچھ سنا ہے وہ یاد رہ گیا ہے۔ آپ آیات پیش کرنا چاہیں تو ترجمہ بتاتے جایئے میں سمجھتا چلوں گا۔

ناظر۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ خود قرآن مجید کا مطالعہ کرتے۔ آپ کی تیز نظر ضرور حقائق پر پہنچ جاتی۔ اور محبوب تمنا مُدات بھی نگاہوں سے گر جاتے جن کو آپ اصول سمجھے ہوئے ہیں اور مولویوں نے دماغ میں راسخ کر دیئے ہیں۔ برا نہ مانیئے گا یہ طبقہ چاہے دوسری باتوں سے کتنا ہی واقف ہو قرآن سے بہت بے بہرہ ہوتا ہے۔ اسے دیکھتے بھی ہیں تو محض اپنا مطلب نکالنے کے لئے۔

جلیب۔ خیر یہ تو نہ کہئے۔ ساری عمر دین کی ہی باتوں میں گذارتے ہیں پھر قرآن کو ان سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ وارث انبیاء

ہیں ہم دنیادار کو انہیں سے فیض ہے ورنہ دین سے بے خبر ہی رہیں۔

ناظر۔ یہی بدقسمتی تھی مسلمانوں کی کہ قرآن سے بیگانہ ہو گئے۔ صرف اندھی تلاوت کیلئے رکھ چھوڑا ہے۔ غٹ غٹ پڑھ کر برکت لے لیتے ہیں۔ یا مریضوں پر پھونک لیتے ہیں ہوا دیتے ہیں۔ مولوی آپ کو کیا بتاتے ہیں سوائے چند مروجہ آیتوں کے۔ انہیں خود نہیں معلوم کہ اسمیں زندگی کے کیسے کیسے اصول ہیں۔ یا جو چند آیتیں حلق سے نکال نکال کر گھوٹتے ہیں۔ انکے مطالب کے خلاف آیتیں موجود ہیں۔

حبیب۔ خلاف آیتیں موجود ہیں؟ کیا مطلب ہے آپکا؟ آپ ان سے زیادہ تو نہیں جانتے۔

ناظر۔ نہیں میں ان سے زیادہ نہیں جانتا لیکن میں نے قرآن کو خوش اعتقادی کے ساتھ نہیں دیکھا ہے۔ موافق و مخالف پہلوؤں کو سامنے رکھکر نظر ڈالی ہے۔ پھر کیا بتاؤں کیا کیا دیکھا!

حبیب۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ مولوی اپنی آیتوں کے خلاف آیات پر خوش اعتقادی سے بالکل نظر نہیں ڈالتے تو آپ کون سی آیت خلاف دیکھی ہے بتلائیے تو سہی؟

ناظر۔ یہی بتانے کیلئے تو آپکی سمع خراشی کر رہا ہوں۔ مجھے اور روٹی سے غرض نہیں۔ گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ کسی کے خیالات سے تعرض نہیں کرتا۔ لیکن آپ جیسے مخلص صاحب فہم رفیق کو دیکھکر دل میں درد ہوتا ہے۔ آج پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپکو تصویر کے دونوں رخ دکھادوں کیا عجب ہے جو اسلام کی اصلی ہیئت نظر آجائے اور ہم خیالی کی راحت بھی نصیب ہو جائے۔

حبیب۔ تو آپ ابھی تک مجھے بے راہ ہی سمجھتے ہیں۔ آپ کو مغالطہ ہوا ہے میں صحیح خاکے پر ہوں۔

ناظر۔ ہاں یہ خیال قرین قیاس ہے۔ اگر آپ مطمئن نہ ہوجاتے تو دو رینی ابھی تک نشتر زنی میں لگی ہوئی ہوتی۔ اچھا لیجئے اب اتنا فرمادیجئے کہ امامت و خلافت کس طرح اصول دین میں داخل ہیں۔ توحید نبوت اور قیامت کی طرح اسکے بارے میں کوئی نص قرآنی پیش کر سکتے ہیں آپ؟

حبیب۔ واہ وا! یہ آپنے کیا فرمایا؟ امامت تو قرآن سے پر ہے۔

ناظر۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن میں لفظ امام کئی جگہ آیا ہے لیکن اس سے یہ اصطلاحی امامت کس طرح نکال لی۔ اس لفظ سے ہر مقام پر رسول اور پیغمبر مراد ہیں۔

جلیب۔ تو کیا قرآن مجید میں یہ نہیں ہے کہ "ہم ہر فرقے کو اسکے امام کے ساتھ بلائیں گے"۔

ناظر۔ ذرا غور سے سنتے جائیے۔ میں سب نہیں تو اس خصوص کی اکثر آیتیں آپکے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔ یہ آیت موجود ہے "یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ" اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم قیامت میں ہر شخص کو اسکے پیغمبر کے ساتھ بلائیں گے"۔ پس ہمارے رسول ہی اپنی امت کے ساتھ آئینگے۔ اور گواہی دینگے کہ فلاں ایمان لایا تھا اور فلاں نے نافرمانی کی تھی۔

جلیب۔ اور امام بھی انکے ساتھ ہونگے بعد کے زمانے کی ضلالت و ہدایت پر گواہی دینگے۔

ناظر۔ یہ آپنے کہاں سے نکال لیا؟ اگر رسول کافی نہیں ہیں تو عہد امامت کے بعد کی گواہی کون دیگا۔ یہ بے خبر مولوی بلائے جائیں گے؟ اچھا سنتے جائیے جلدی نہ کیجئے۔

جلیب۔ آپ تو امامت ہی صاف کئے دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور انکی اولاد امام ہوئی یا نہیں؟

ناظر۔ آپ ہی بتائیں کہ حضرت اسحٰق و یعقوب موجودہ اصطلاح کے مطابق امام تھے یا پیغمبر؟

جلیب۔ جناب! آیت تو مجھے یاد نہیں۔ خدا نے یہ کہا ہے کہ ان لوگوں کو ہم نے امام بنایا۔

ناظر۔ ہاں الفاظ یہی ہیں "وَجَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا"۔ لیکن صاف طور پر ائمہ سے مراد رسول اور پیغمبر ہیں۔ اسمیں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ یہ بزرگ پیغمبر تھے "وَجَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ الخ"۔ سورۂ سجدہ میں کہتا ہے۔ کہ ہم نے بنی اسرائیل میں سے پیشوا بنائے اور یہ ثابت ہے کہ وہاں نبیوں اور پیغمبروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

جلیب۔ تو آپکے نزدیک حضرت ابراہیم کی دعا بھی اور معنی رکھتی ہے۔ خدا نے امام نہیں بنائے؟

ناظر۔ آپکو معلوم بھی ہے وہ کیا دعا ہے؟

جلیب۔ یہی کہ خدایا! الو رسول اور امام بھیج جو خلقت کو گمراہی سے بچائیں۔

ناظر۔ واہ جلیب صاحب! حضرت ابراہیم و اسماعیل نے یہ دعا کی تھی "رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ"۔ یعنی پروردگارا! ہمیں اپنا تابعدار بنالے اور ہماری نسل میں سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا تابعدار ہو الخ۔ "رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُہُمُ الخ"۔ پروردگارا! ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ کتاب الٰہی اور دانائی کی باتیں سکھائے اور پاک کرے"۔

حبیب ۔ خدا بھلا کرے آپکا۔ اُمت مسلمہ سے مراد امام ہے نا؟

ناظر۔ اچھا! اُمت مسلمہ سے مراد امام ہیں؟ حبیب صاحب! یہی مرادیں ہیں جنہوں نے ٹکڑے بکھیر دیئے اور قرآن کو انسانوں پر چپکا دیا۔ ذرا سوچیئے تو سہی کیا ذریت اسماعیل بارہ یا چودہ میں محدود ہے؟ آخر کس طرح کس دلیل سے؟

حبیب ۔ اس دلیل سے کہ ایمان کی پختگی اور دین کا علم اُن سے زیادہ کسی کے پاس نہ تھا۔

ناظر۔ افسوس ہے مجھے۔ آپکی زبان پر ایسی باتیں؟ رسول صلعم کی جان فشانی سے بجز چند کے تمام قریش مسلمان ہو گئے تھے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں کہ ابوجہل جیسے کافر کے بیٹے عکرمہ نے یرموک کے میدان میں اسلام کو بلند کرنے کے لئے جان دیدی۔ کیا آپ انکے ایمان میں اسلئے شک کرتے ہیں کہ آپ کی طرح انسان پرست نہ تھے آہ! جس نے جان دیدی اس نے اپنے لئے کیا رکھ لیا۔

حبیب ۔ تو کیا اُمت مسلمہ سے مُراد مسلمان قریش ہیں۔ اور وہ آیت جو ہے کہ تم بہتر اُمت ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر لوگوں کو لگاتے ہو۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہو وغیرہ۔ ہمارا ایمان تو یہی ہے کہ اماموں نے امر و نہی پر عمل کرایا۔

ناظر۔ خیر! اس وقت تو اتنا دیکھ لیجئے کہ قرآن مسلمانوں کیلئے دستور العمل ہے یا کسی طبقے کی مدح خوانی ہے۔ وہ آیت مجھے یاد آگئی۔ کُنتُم خَیرَ اُمَّتٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنکَر الخ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم ان عیسائیوں اور یہودیوں سے بہتر اُمت ہو۔ لوگوں کے نفع کے واسطے پیدا کئے گئے ہو۔ اچھائی کی ہدایت کرتے ہو برائی سے روکتے ہو۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور یہ اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو بہتر ہوتا۔ ان میں مومن تو ہیں لیکن اکثر فاسق ہیں"۔ اب فرمائیے یہاں امام کہاں سے مراد لے لئے؟

حبیب ۔ ہاں یہاں تو واقعی عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں سے مسلمان کا مقابلہ ہے۔ لیکن بہت سی آیات ہیں جن سے وہ حضرات مراد ہیں۔

ناظر۔ آپ یقین کریں اُن میں بھی ایسی ہی تعلیل ہے۔ قرآن میں تو ساری تبلیغیں کفر و شرک سے احتراز اور ایمان کی ترغیب پر ہیں۔ غیر اللہ کو دل و دماغ سے نکالا گیا ہے۔ باقی امر و نہی ہے۔ قرآن کا مقصد خدا پرستی اور اچھے عمل کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے لوگ بزرگوں کی پوجا پر جھکے ہوئے تھے اس سے ہٹایا ہے۔ آج گفتگو چھڑ گئی ہے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اسلام کیا چاہتا ہے۔ مجھے اطمینان ہے

کہ آپ ہٹ دھرم نہیں کہ حقیقت کو سر مار مار کر جھٹلاتے رہیں۔

حبیب۔ اتنا تو میں عرض کروں کہ امامت سے چارہ نہیں۔ اختلافات کا کون فیصلہ کرے۔ احکام و مسائل اور مطالب قرآن کو کون سمجھائے۔ مشکلاتِ دین سب حل نہیں کر سکتے۔

ناظر۔ میرا مطلب یہ ہے کہ امامت اصول دین میں نہیں ہے۔ رہا احکام و مسائل کا حل وہ علما سے ہوتا رہا ہے اور ان کا کام کیا ہے۔ امامت کو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ مولویت اور اجتہاد سے ذرا اوپر کی چیز ہے اور بس۔ جو وسیع النظری کے ساتھ قرآن کے مقاصد و مطالب اور احکام و مسائل کے استخراج و استنباط میں زیادہ گہری نظر رکھتے ہیں وہ امام ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم نے اتنی محنت سے ان کو عرش و فرش کا مالک بنا دیا ہے۔ یہ اسلام کی آزاد روی کے خلاف ہے۔

حبیب۔ ناظر صاحب! قرآن بہت مشکل چیز ہے۔ اسکو صرف امام حل کر سکتے ہیں۔ وہ امانت الٰہی کے حامل اور قرآنِ ناطق ہیں۔ یہ فقہ اصول والے کیا سمجھ سکتے ہیں۔

ناظر۔ سنئے! آپ انہیں اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ میں پھر یہی عرض کرتا ہوں کہ امام پیشوا کے معنی پر ہے وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً الْكُفْرِ "ہم نے ان کو کفر کا پیشوا بنا دیا" معلوم ہوا کہ امام عام ہے۔ ایمان اور کفر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ راستے اور نشانی کے معنی پر بھی ہے۔ ایک آیت میں توریت کو امام اور رحمت کہا ہے۔ غرض اصطلاحی امامت کہیں مستنبط نہیں ہوتی۔

حبیب۔ دوسرے فرقوں میں بھی تو امام خلیفہ قطب ابدال اور نہ معلوم کیا کیا اصطلاحیں ہیں۔ کرامتوں کے ڈھیر لگائے جاتے ہیں۔ روحوں کے تھیلے چھینتے ہیں۔ بوڑھیوں کے بیٹے جلاتے ہیں۔

ناظر۔ جہنم رسید۔ ہمیں ان سے کیا لینا ہے۔ کوئی یزید کی بیعت کرے یا آفتاب سے مچھلیاں سینک کر کھائے۔ اسلام ہمارے گھر سے طلوع ہوا تھا۔ ہمارا فرض ہے کہ اس امانت میں زیادتی نہ کریں۔ خدا و رسول اور قرآن کے اوامر و نواہی پر جھک جائیں اور یقین کر لیں کہ اسلام اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اس سے آگے مذہب کے نام پر خرافات و ہفوات ہے۔ قرآن کا سمجھنا اور اسکے اصلی مقصد پر پہنچنا مشکل نہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ "ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے پھر کوئی نصیحت

پکڑنے والا ہے؟ دوسرے مقام پر فرمایا ہے "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ عَلٰى لِسَانِكَ الخ - ہم نے قرآن کو تیری زبان پر آسان کر دیا۔"

حبیب - ساری عمر مولویوں کی زبان سے یہی سنتے چلے آ رہے ہیں کہ قرآن بہت مشکل کتاب ہے اور اسکو بزرگان دین ہی سمجھ سکتے ہیں - واقعی خدا نے صاف کہدیا ہے کہ آسان ہے - پھر بھی سمجھنے ہی میں اتنے اختلاف پیدا ہوئے ہیں - عام فہم ہوتا تو اتنی شاخیں پھوٹنے کی گنجائش نہ ہوتی -

ناظر - غیر زبان والوں کے لئے تو مشکل ہے اتنا ہی جتنا ہونا چاہئیے - تاہم ترجمے سے نظر والے مطالب پر پہنچ سکتے ہیں - گلہ تو یہ ہے کہ جن کو علم کا دعویٰ ہے وہ بھی صرف متقدمین کی نکتہ آفرینیوں اور توجیہوں پر تکیہ کرتے ہیں اندھا دھند تقلید پر جھکے ہوئے ہیں - کبھی نہ سوچا کہ لاؤ دیکھ لیں - پرانوں کی توجیہیں کہیں بے حقیقت نہ ہوں - خوش اعتقادی سے اور نئی نکتہ آفرینیوں میں لگ گئے - یقین مانیئے علماء متقدمین نے ٹیڑھی اینٹیں رکھ دی ہیں دیوار اب تک ٹیڑھی ہی اٹھ رہی ہے - انکی خوش اعتقادیاں ہمیں گمراہ کر رہی ہیں

حبیب - تاہم ان کے دلائل بھی قرآن پر ہی مبنی ہیں - پھر انکا انکار کیونکر کیا جائے؟

ناظر - جب ان ہفوات کے قرآن سے ثبوت دئے جاتے ہیں - منبر پر بیٹھ کر شاعرانہ نکتہ آفرینی کی جاتی ہے تو کلیجہ پھٹتا ہے - قرآن کو غالب کا دیوان بنا کر نئے سے نئے مطالب نکالے جاتے ہیں تعجب ہوتا ہے مسلمان قرآن کی تعلیم کے خلاف کس طرح چل پڑے - اسمیں تو بالکل صاف لکھا ہے "هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ الخ - وہی تو ہے جسنے تجھ پر کتاب نازل کی - اس میں بعض آیتیں پکی ہیں وہی کتاب کی جڑ ہیں - اور دوسری محتمل المعنی ہیں - سو جن کے دل میں کجی ہے وہ متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ تاویلیں گھڑ کے گمراہی میں پڑیں اور فتنہ اٹھائیں"

حبیب - یہ تو واضح ہے کہ ایسی آیتوں میں نہ الجھنا چاہئیے لیکن یہ بھی تو فرمایا ہے کہ پکے عالم ان کی تاویل جانتے ہیں - پھر اگر بزرگانِ دین کی تاویلوں سے فائدہ اٹھا لیا جائے تو کیا حرج ہے -

ناظر - اچھا! اتنا بتا دیجئے کہ انکی تاویلوں سے کیا فائدہ پہنچا اور وہ تاویلیں واقعی قرآن کی تعلیم کے مطابق ہیں؟

حبیب - انکی تاویلوں میں کیا شک ہو سکتا ہے مثلاً وہ ایک آیت ہے "اللہ زمین و آسمان کا نور ہے اسکی مثال ایسی ہے"

ناظر - ہاں وہی تاکہ زجاجہ سے مراد حضرت فاطمہ ہیں اور بیوت سے مراد انکا گھر وغیرہ وغیرہ؟ خدارا حبیب صاحب ذرا غور و فکر شروع کیجئے۔ تاویلوں کا یہی طریقہ تو ہے جس سے تمام قرآن کو اُن بزرگوں کی شان میں ثابت کیا جاتا ہے۔ پھر اگر یہی طرز استعمال کر کے تو من سرش سے کسی اور کے سر چپکا دیا جائے تو کیا مشکل ہے آہ! قرآن نے توصاف کہا تھا "وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ اَلْسِنَتَهُمْ الخ" ان اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ وہ کتاب کے بارے میں اپنی زبان مروڑتے ہیں تاکہ تم اُن کے بیان کو یہ سمجھو کہ کتاب میں سے ہے۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں۔ اسے اللہ کی طرف سے کہتے ہیں حالانکہ اسکی طرف سے نہیں ہے۔ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں"۔ اب دیکھ لیجئے ہم وہی کر رہے ہیں یا نہیں۔

حبیب - خیر! نہ سہی تمام قرآن بعض آیات میں تو شک نہیں ہے۔ وہ کیا آیت ہے پڑھئے گا کہ ابراہیم نے چند باتیں پوری کر دیں تو خدا نے ان سے کہا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

ناظر - ہاں وہ آیت ہے "وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيمَ الخ" "قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي الخ" پہلے یہ سن لیجئے کہ یہودی اور عیسائی کفار سے بھی زیادہ رکاوٹ بنے ہوئے تھے قرآن کا اکثر حصہ انکی ہی بحثا بحثی سے پر ہے۔ یہاں بھی پہلے سے ذکر چلا آ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں تم پر کرتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے تمکو جہانوں پر فضیلت دی" یعنی یہ جو تم فخر کرتے رہتے ہو کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں۔ ہمارے ہی بارے میں نبوتوں کا وعدہ ہوا ہے۔ دین براہیمی کے ہم ہی مالک ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ ابراہیم ہماری چند آزمائشوں میں پورا اترا تو میں نے کہا کہ تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ اس نے کہا اور میری اولاد میں سے؟ میں نے کہا کہ میرا اقرار ظالموں کو نہیں پہنچتا" یعنی اسحق کی اولاد نے ظلم کئے نافرمانی کی۔ اس لئے اب اسماعیل کی اولاد میں سے جس ایک رسول کا اقرار کیا تھا اسکو آخری حجت دے کر رسالت و نبوت کو ختم کر دونگا۔

حبیب - ہاں تو بس ٹھیک ہے۔ بارھویں معصوم پر آخری حجت کو ختم کر دیا۔

ناظر - معلوم ہوتا ہے آپ میری گفتگو پر غور نہیں کر رہے۔ اگلے صفحے پر اسی سلسلے کی آیتوں میں حضرت ابراہیم و اسماعیل کی دعا ہے جس میں صاف صاف ایک رسول کا وعدہ ہے۔ وہ پورا ہو گیا۔ امانت الٰہی اور دین

الہی کی تکمیل ہوگئی۔ اور یہ دس پارہ کی گنجائش کہاں سے نکل آئی؟ کیا رسول دین کو ادھورا چھوڑ گئے تھے جو انہوں نے مکمل کیا؟ مجھے یقین ہے کہ ان بزرگوں نے اسی اسلام کی گھر میں بیٹھ کر تبلیغ کی تھی جو رسول نے مکے اور مدینے میں اپنی عرق ریزی سے پھیلایا تھا۔ کیا آپ کو اس میں کلام ہے کہ حضرت اسحاق کی نسل میں انبیاء و رسل کا تانتا بندھا رہا اور اسماعیلی نسل میں ایک آخری پیغمبر پر دعا کا سلسلہ ختم ہوگیا؟

حبیب۔ کلام کی تو کلی بات ہے۔ حضرت اسحاق کے یہاں اتنی بہتات اور حضرت اسماعیل کے یہاں صرف ایک؟

ناظر۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ جو کچھ آنحضرت لائے تمام انبیاء و رسل مل کر ایسا مکمل دین اور مذہب کے نام پر ایسا کامل نظام پیش نہ کر سکے۔ فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ورنہ تعداد پوری کرنی پڑ گئی بارہ یا چودہ سے۔ بنی اسرائیل کے طوفان کا مقابلہ مشکل ہے۔ اور اگر آپ ان کو انبیاء و رسل پر فضیلت دیدیں تو اس سے نبوت و رسالت کی منقصت نہیں ہو سکتی۔

حبیب۔ کیوں؟ جب علماء انبیاء بنی اسرائیل کی برابر ہیں تو بزرگان دین ضرور ان سے بڑھے ہوئے ہونگے۔

ناظر۔ چپ بھی رہئے قرآن تو آنحضرت کو بھی رسالت سے آگے نہیں بڑھاتا۔ علماء کس طرح نبیوں اور رسولوں سے آگے نکل گئے۔ رہیں حدیثیں انہیں قرآن سے مطابق کر کے مانا کیجئے۔ اسلئے کہ اختلافات کا چشمہ وہی ہیں۔

حبیب۔ ہاں حدیث کی صحت اور غلطی کو جانچنا بہت مشکل ہے۔ بعض حدیثیں تو بوستانِ خیال ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کی بے حقیقتی پر دل کھٹک جاتا ہے۔ راسخ الاعتقاد بھی دُگدے میں پڑ جاتا ہے۔

ناظر۔ نہیں۔ جانچنا مشکل نہیں۔ جو حدیث قرآن کے اصول اور اسکے مقصد سے بعید ہو فوراً نظر انداز کر دینی چاہئے۔ چاہے کیسے ہی معتبر راوی ہوں۔ لیکن اسکا اندازہ قرآن کی تعلیم کو مستحضر کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ظلم یہ ہوا ہے کہ سخت تحقیق و تفتیش کے بعد بھی ایسی حدیثوں کا طوفان موجود ہے جو اسلامی روشن خیالی اور خدا پرستی کے بالکل منافی ہیں۔ اور تحقیق کرنے والوں نے اپنی خوش اعتقادیوں کی تائید میں درج کر دی ہیں۔ دوسرے فرقوں کے یہاں تو انبار ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں بھی کم نہیں۔

حبیب۔ خیر چند ایک حدیثوں کے ساتھ مَن بَکیٰ علی الحسینِ اَوْ اَبکیٰ وتباکَ الخ۔ میں تو مجھے بھی شک پڑتا ہے۔ یعنی منہ بھی بسورلو تو جنت واجب ہو جاتی ہے۔ عجیب ہی ہے۔

ناظر - خدا کرے کوئی اُن احادیث کا اُردو میں ترجمہ کر دے جو تعلیم قرآن سے الگ ہیں۔ پھر آپ جیسے تیز نظر تو انہیں پڑھ کر ناکندہ پھیرے کی طرح کو دیں۔ قرآن کون دیکھتا ہے۔ اُن حدیثوں ہی نے بزرگانِ دین کو خدا سے آگے نہ بھی بڑھایا ہو تو برابر تو ضرور ہی بٹھا دیا ہے۔

جلیب - ایک مرتبہ میری نظر سے "الہیئت و الاسلام" کتاب گذری تھی۔ اب تک یاد ہے کہ بعید یا توں کو موجودہ علم ہیئت پہ اس طرح چپکایا ہوا تھا۔ جیسے کمان کے دونو سرے کسی کمزور دھاگے سے باندھ دئیے جائیں۔

ناظر - ذرا اس ظلم کو تو دیکھئے۔ منبر پر بیٹھ کر ہفوات بکتے ہیں۔ آیتوں کو مروڑتے ہیں۔ ایسی حدیثوں سے مطلب ڈھلتے ہیں اور جب کہا جائے کہ یہ باتیں عقل و نقل کے خلاف ہیں تو ٹالنے کے لئے کہدیتے ہیں کہ ہاں! یہ حدیثیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ پوچھا جائے کہ ایسی معتبر کتابوں میں کیوں لکھدی گئی ہیں تو اوپری دل سے کہتے ہیں کہ اوروں کے یہاں بھی ان سے زیادہ کمزور احادیث موجود ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں کچھ بھی نہ تھا ان کے ہی ذخیروں میں سے اپنے مطلب کی چیزیں جمع کرلی ہیں۔

جلیب - خیر! حدیثوں میں تو کہنے سننے کی گنجائش ہے لیکن قرآن کی توجیہوں میں تو حقیقت جھلکنے لگتی ہے۔ اور اکثر آیتیں بلاشک و شبہ ان بزرگوں کی شان پر دلالت کرتی ہیں۔

ناظر - مثلاً - دو چار بیان تو فرمائیے؟

جلیب - وہ پڑھئے نا: "ندع ابناءنا و ابناءکم الخ"

ناظر - ہاں یہ آیت بزرگی پر دال ہے۔ اور کھلی دلالت ہے۔ کلام تو ان میں ہے جنکو سریش لگا کر چپکاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ان بزرگوں کی شان میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ شک تو اسمیں ہے کہ ہمارے عمل میں سوائے ان کے کچھ بھی نہیں رہا۔ وہی کر بیٹھے جو عیسائی اور یہودی اپنے بزرگوں کے بارے میں کر چکے تھے۔ جنکے بطلان پر قرآن کو اتنا زور لگانا پڑا۔ اسی آیت کے اگلے حصّے پر نظر ڈال لیا کرتے تو اس شرک سے بہت احتراز کرتے۔

جلیب - وہ کیا آیت ہے۔

ناظر - خدا تین چار سطروں کے بعد اسلام کی رواداری کا ثبوت دے رہا ہے جسکی مثال کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ "قُل یا اهلَ الکتابِ تعالَوا الیٰ کلمۃٍ سَوَاءٍ بَینَنَا و بَینَکُم" ان سے کہدو اے

اہل کتاب! اُن باتوں پر آجاؤ جو تم میں اور ہم میں مشترک ہیں"۔ پھر انکی وضاحت کرتا ہے "الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ"۔ "یہ کہ ہم سوائے خدا کے کسی کی بندگی نہ کریں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ ٹھہرائے"۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا کہ قرآن نے شرک سے کتنا ڈرایا ہے۔ اور شرک کیا چیز ہے۔

حبیب۔ اس میں تو شک نہیں کہ شرک کے بارے میں بیحد دھمکیاں دی ہیں۔

ناظر۔ پھر ہم نے اسکے بارے میں کیا احتیاط برتی۔ اُس نے تو یہاں تک کہدیا تھا کہ "یغفر الذنوب جمیعاً الا الشرک"۔ "خدا سارے گناہ بخشدے گا سوائے شرک کے"! گلہ اوروں سے نہیں جتنا اپنی ذات سے ہے۔ اسلئے کہ ہم اس بارے میں اوروں سے بہت آگے نکل گئے۔ خوش اعتقادی اور انسانی وہم پرستی نے اتنا کام نہیں کیا جتنا ذاتی وجاہت عزت طلبی اور روٹی کی فکر نے کردیا۔ ایسی ایسی باتیں زبان سے کہلائیں اصول میں ملائیں جو قرآن کی تعلیم کے بالکل منافی ہیں اور اب بھی ایسے حادثات کے بعد آنکھیں نہ کھلیں۔ دماغوں میں خدا کا خوف پیدا نہ ہوا۔

حبیب۔ دقت یہ ہے کہ قرآن سے ہی انکی محبت واجب ہوئی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ محبت غلو پر پہنچا دیتی ہے پھر رکنا محال ہے جونکنا مشکل ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں پر قرآن کے ڈنڈوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا تھا۔

ناظر۔ فرمائیے تو سہی وہ کونسی آیت ہے۔ جو خدا پرستی سے ہٹا کر بزرگان دین کی پرستش پر لگا دیتی ہے؟

حبیب وہ تو مشہور آیت ہے۔ "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"۔ کیا آپکو اسمیں بھی شک ہے؟ اسی آیت سے بزرگان دین کی محبت واجب ہوئی ہے اور محبت ہی اجر رسالت ہے۔

ناظر۔ حبیب صاحب! میں کہاں تک عرض کروں۔ خود جستجو پیدا کرکے دیکھئے۔ زیادہ تر یہی ہے کہ مسلمانوں نے عام خطاب کو توڑ مروڑ کر رُخ پھیر دیا گیا ہے۔ یہ فرمائیے کہ اگر اس آیت کے مجوزہ معنی کے خلاف پانچ چھ جگہ یہ فرمایا ہو کہ اے رسول تو ان سے اجر رسالت نہیں مانگتا تو آپ کیا رائے قائم کریں گے۔

حبیب۔ اچھا! ایسی آیتیں بھی ہیں؟

ناظر - جی ہاں! ایک آدھ نہیں پانچ چھ - اذا سمعوا۔ سورۂ انعام ۔ قُل لا اسئلکم علیہ اجراً ان ھو الا ذکریٰ للعلمین" اے رسول! ان سے کہدے کہ میں اس کام کی مزدوری نہیں مانگتا۔ یہ تو جہان والوں کے لئے نصیحت ہے"۔ ماں تری ۔ سورۂ یوسف ۔ وما تسئلھم علیہ من اجر ان ھو الا ذکر للعلمین" - تو ان سے اس کام کی مزدوری تو نہیں مانگتا۔ یہ تو جہان والوں کیلئے نصیحت ہے"۔ بس۔ قال الذین۔ سورۂ فرقان ۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الیٰ ربہ سبیلا۔ اے رسول! ان کافروں سے کہدے کہ میں اس کام کی تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا بس جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑلے۔ ومن یقنت۔ سورۂ سبا۔ قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ط ان اجری الا علی اللہ" کہدے کہ اس کام کی میں نے مزدوری مانگی ہو تو وہ تمہیں مبارک ہے۔ میری مزدوری تو سوائے اللہ کے اور کسی پر نہیں"۔ اب ان سے بڑھکر دیکھئے۔ نہایت زوردار صاف آیت ہے جس کے بعد اجر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ وما لی۔ سورۂ زمر۔ قُل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین" - ان سے کہدے کہ میں اس پر تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور میں اپنے آپکو بنانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ تو جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ اور تم عنقریب اس سچائی سے واقف ہو جاؤ گے"۔ اب فرمائیے ان آیتوں کے بعد فی القربیٰ تضاد کو لازم ہے یا نہیں؟

جلیب - ہاں یہ تو قصہ ہی صاف ہو گیا۔ اتنی جگہ انکار کرکے اجر رسالت کہاں مانگ سکتے ہیں۔ پھر آخر کیا معنے ہوئے؟

ناظر - اسکے معنی یہی ہوئے کہ میرا اجر رسالت تم سے اتنا ہی ہے کہ اپنے عزیزوں سے محبت کرو۔ اسلئے کہ خانگی اور خاندانی محبت عام اتحاد و اتفاق کی جڑ ہے۔ یہ موجودہ فتنے باہمی تفرقوں کے نتیجے ہیں۔ مسلمانوں میں ابھی تیس چالیس سال پہلے آپس داری اور قرابت کا جذبہ تھا۔ باہم دکھ درد میں شریک تھے اب صرف اپنی ہی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باہمی اور اسلامی خلوص کا درد رخصت ہو گیا۔ اخوت والی آیت پھیکی ہو کر رہ گئی۔ بس دونوں سرے بزرگان دین کی محبت میں اُلجھے پڑے ہیں وہ بھی غرض سے۔ وعظ کیا ہوتے ہیں مشاعرے ہوتے ہیں۔ نہ ہنسی عیاشی ہے۔ خدارا بتائیے کیا واقعی اسلام ان رسمیات کے لئے آیا تھا؟

جلیب - آپ جانتے ہیں کہ میں موجودہ رسمی باتوں سے پہلے ہی بیزار ہو چکا ہوں۔ یہ چند اصولی خیالات تھے جو اعتقاد کی رونق تھے۔ انکا تارپود بھی آپ نے بکھیر دیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی ہے۔ مولویوں نے کبھی ان آیتوں کو نہ دیکھا

ہوگا؟ بات بالکل صاف ہے "میں اجرِ رسالت نہیں چاہتا۔ میں بننے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

ناظر۔ میں اتنی دیر سے آپکے سامنے بیٹھا یہی تو سر پیٹ رہا ہوں کہ مولویوں نے محض واہ واسبحان اللہ اور تھوڑے سے پیسوں کیلئے قرآن کا مقصد بدل دیا۔ اسلام کی روشن خیالی مٹادی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا" کی اب تصدیق نہیں ہوتی۔ حالانکہ اختلاف سے بچانے کے لئے خدا نے بہت ہی تہدیدیں کی ہیں۔ ہر سورے میں یہود ونصاریٰ کے اختلافات کا ذکر کرکے تنبیہیں کی تھیں فطرت انسانی اپنا کام کرگئی" وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا"۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ ڈالو" وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا الخ۔ "انکی طرح مت ہو جنہوں نے کھلے احکام آنے کے بعد آپسمیں پھوٹ ڈالی انہیں لوگوں کو بھاری عذاب ہوگا"۔

حبیب۔ اختلاف بھی کچھ ناگریز سا ہے۔ جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں ہم راہِ راست پر ہیں تو اپنی حقانیت چھوڑ کر کس طرح گلے میں باہیں ڈالدیں اور اتفاق کے لئے سچائی کا خیال نہ کریں۔

ناظر۔ حبیب صاحب! اصولی اختلاف نہیں ہے محض انسان پرستی کے پیچھے اختلاف پڑا ہے اسپر کبھی غور کیجئے گا۔ جب بزرگ ایمان میں شریک نہیں تو کیا اچھا ہوتا کہ اپنی اپنی پسند کے بزرگ مان کر تفرقوں کو درمیان میں لاتے۔ اس لئے کہ چاہے ملک الموت کے تھپیلے پر ہاتھ مار کر نوجوان کو جلانے والے بزرگ ہوں یا بادلوں پر سوار ہوکر جزیروں میں جانیوالے پیشوا ہوں خدائی میں کسی کو دخل نہیں ایمان کی شرط نہیں ہیں۔ پھر کیوں تفرقے ڈال لئے۔ خدا نے تو صاف کہدیا تھا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ"۔ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے ہوگئے۔ اے رسول تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ انہیں جتائے گا جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

حبیب۔ واقعی یہ تو بڑی سخت تنبیہیں ہیں۔ لیکن تفرقے تو بڑی آسانی سے پڑ گئے۔ ان آیتوں کا تو کسی نے خیال بھی نہ کیا۔

ناظر۔ تنبیہوں کی کوئی حد نہیں ہے وَاِذَا سَمِعُوْا۔ سورہ انعام دیکھئے" قُلْ هُوَ الْقَادِرُ الخ"۔ کہدے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اوپر یا نیچے سے عذاب بھیجدے یا تم کو علیحدہ علیحدہ گروہ بنادے اور تم میں سے بعض کو بعض کی جنگ کا مزہ چکھائے اے رسول دیکھ تو سہی ہم کس طرح ہیر پھیر کر اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں"۔

حبیب۔ آہ! اس احتیاط میں تو ہمیں عزیز ترین خوش اعتقادیاں بھی نثار کردینی چاہئیں تھیں۔ لیکن حقیقت یہ

ہے کہ بعض جماعتیں نہایت خود غرض اور مکار پیدا ہوئیں جنکی ایمان سوزی فرقہ بندی پہ مجبور کر گئی۔ ہمارا اختلاف ایک حد تک حق بجانب ہے۔ کیا ہم بنی امیّہ کی روباہ بازیوں کا ساتھ دیتے۔ اس ساتھ سے اختلاف اچھا ہے۔

ناظر۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یہ سیاسی خلفشار تھا جن کیلئے مذہب الگ بنانا چاہئے۔ اس خاندانی وقتی اختلاف سے خدا و رسول قرآن اور قبلے میں تو کوئی اختلاف نہ پڑا تھا۔ طرفداری میں اعتدال کی باگ ہاتھ سے نکل گئی۔ اگر خدا یہود و نصاریٰ سے مشترک باتوں میں میل ملاپ کرا سکتا ہے۔ تو حکومت اور نیابت کے اختلاف میں آپسمیں جھگڑے رہتے۔ ورنہ تسکین تو ہر ایک کے پاس موجود ہے" کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِم فَرِحُونَ"۔

جلیب۔ آپ جانتے ہیں ان لوگوں نے کیسے کیسے مظالم کئے۔ دین کے دشمن تھے۔ ان سے علیحدگی طبعی بات تھی۔

ناظر۔ انکے مظالم سے کون منکر ہے۔ البتہ دین میں تفرقے نہ ڈالنے چاہئیں تھے۔ خدا نے عبرت کیلئے پچھلی امتوں کے قصے دہرا کر ڈرایا تھا۔ "وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْ بَعْدِ مَا الخ"۔ کتاب میں انہوں ہی نے اختلاف کیا جنہیں وہ دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں۔ اور یہ محض آپس کے حسد کی بنا پر کیا۔

جلیب۔ خیر! جب اختلاف پیدا ہو جائے تو حقّانیت کا یقین اپنے ہر ایک شے کو وحی و الہام سمجھ لیتا ہے تاہم اُن اختلافات میں دین کے اختلاف کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید یہ سبب ہوا ہو کہ ہر ایک نے اپنے پیشواؤں کے قول و فعل کو سند سمجھ کر ترجیح دے لی ہو۔

ناظر۔ تو معلوم ہوا کہ بعض پیشواؤں نے اصلی ارکان و اصول کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کر دیا۔ جب ہی تو بنیادوں میں اختلاف پڑ گیا۔

جلیب۔ نہیں بنیادوں میں کچھ ایسا اختلاف نہیں ہے۔

ناظر۔ خیر بعض ارکان کو بڑھا کر اور قرآن کو تاویلوں پہ لٹکا کر اختلاف تو ایسا پیدا کر دیا ہے کہ کوئی طاقت اس کو قیامت تک دور نہیں کر سکتی۔ اور سب اپنے آپ کو حق پہ سمجھتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ سمجھتے تھے "قَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ الخ"۔ یہودیوں نے کہا نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں۔ نصاریٰ نے کہا یہودیوں کا مذہب لاشے ہے۔ حالانکہ دونوں خدا کی کتاب پڑھتے

ہیں۔ مشرکینِ عرب نے بھی ایسی ہی ہفوات بکی۔ سو جن باتوں میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ قیامت میں ان کا فیصلہ کرے گا۔" پس اسلامی فرقوں کا اختلاف بھی قیامت میں ہی نمٹایا جائیگا۔ کیا کہئے فیصلہ بہت دور ہے اور ہم تباہی ان حالوں کو پہنچ گئے۔

حبیب۔ اور تو اور خدا کے بارے میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ یہی کہ کیسا ہے بندوں سے کیا تعلقات ہیں۔ عرضیاں خود سنتا ہے یا پیشکاروں کی ضرورت ہے۔ کام کے داروغہ اور حاجب ہیں۔ اسکے پیارے خدائی کا انتظام کر رہے ہیں۔ غرض اسکی ذات میں بھی اختلافات ہیں۔

ناظر۔ اختلاف ہے تو ہوا اس نے تو اپنے بارے میں کافی وضاحت کر دی ہے" وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ"۔ اے رسول! جب میرے بندے میری بابت سوال کریں تو انہیں سمجھا دے کہ میں ان کے نزدیک ہوں۔ جب بندہ دعا کرتا یا بلاتا ہے تو دعا قبول کر لیتا ہوں۔ تو انہیں مجھ پر ہی ایمان لانا چاہیئے اور میرا حکم ماننا چاہیئے۔ شاید وہ نیک راہ پر آجائیں۔" میں تو اُن کی شہ رگ سے بھی قریب ہوں" جنوں کو میرا شریک ٹھیراتے ہیں۔ بیٹے بیٹیاں دیتے ہیں خدا ان باتوں سے بلند ہے" عیسائیوں نے اسکا بیٹا قرار دیا۔ اس شرک سے تو قریب ہے کہ آسمان و زمین پھٹ جائیں۔ شرک ہرگز نہ بخشوں گا۔ مغفرت اور عذاب دونوں کا مالک ہوں۔ خدائی بلا شرکت چلا رہا ہوں مجھ ہی سے ڈرو مجھ ہی سے مانگو اور میری مثالیں نہ دو"

حبیب۔ اور یہ جو کہا ہے کہ اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو؟

ناظر۔ آپ خود ہی خیال فرمائیں کہ اتنی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کہہ سکتا ہے کہ مجھ تک پہنچنے کے واسطے معذور و مجبور انسان پکڑو۔ نہیں وسیلے سے مراد اچھے عمل اور جہاد کا وسیلہ ہے" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔ مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف قربت اور وسیلہ ڈھونڈو۔ تم اسکے راستے میں جہاد کرو تاکہ عذاب سے چھٹکارا پاؤ"۔ جہاد کا ذکر بتا رہا ہے کہ وسیلہ کیا ہے۔ خود جواب دے کر اور سن کر وسیلے کا حکم نہیں دے سکتا۔

حبیب- یہ صورت تو ہو سکتی ہے کہ خود بھی سنے اور دوسرے بھی اُس تک پہنچائیں-

ناظر- ہو سکنے کو تو کیا نہیں ہو سکتا- خدا کا چاہا نہ ہوا- لیکن اس بات کو نہ بھولئے کہ اُس نے قرآن میں بھسلنے کے تمام راستے تاکیدوں اور تہدیدوں سے بند کر دیئے ہیں- تو نہ صرف تضاد لازم آتا ہے- اور قرآن میں اختلاف ثابت ہوتا ہے بلکہ اور تاکیدیں بھی بے کار رہ جاتی ہیں- یقین جانئے سوائے نیک عمل کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے- مذہب عمل ہے- باقی سب خرافات ہے اس لئے کہ وہ خدائی کے اقرار اور روزمرّہ کے معاملات درست رکھنے کے لئے آتا ہے- صرف معاملات کی اصلاح کو چھوڑ کر تباہی کا منہ دیکھا ہے- بزرگوں کی پوجا نے کیا برکت پیدا کر دی؟ دماغ الگ مارا گیا حق و باطل کو جانچنے کے قابل نہ رہے- دنیا سنبھالنے کی لیاقت کھو بیٹھے-

حبیب- خیر مجھ پر یہ بات تو واضح ہو گئی کہ قرآن سے بے خبری نے ہمیں اسلام سے دُور پھینکا ہے- کمی یہی ہوئی کہ عوام اسکو سمجھنے سے قاصر تھے تو مولویوں کا فرض تھا کہ زندگی سکھانے والی اور عمل پر زور دینے والی آیات کو دہرا کر عمل اور اصلاح پر لگاتے- اُن کا سارا زور فضائل و مناقب پر ختم ہو گیا- کوئی آیت بھی لائے تو اپنی ہفوات کی تائید کے لئے اور وہ بھی گمراہ کُن توجیہوں کے ساتھ- یا کبھی نماز پڑھو روزہ رکھو کی رٹ لگا لی- اسلامی آزادروی اور روشن خیالی کو تو کبھی بھولے سے بھی نہ چھوا-

ناظر- حبیب صاحب! اسلام کے خدا نے تو اپنے محبوب رسول کو بھی رسالت سے آگے نہیں بڑھایا- بھلا وہ قیامت تک کے بزرگوں کا کہاں تک ٹھیکہ لے سکتا تھا- اور وہ کونسا مسلمان ہے جو آغاز کے بزرگوں کا منکر ہے؟ پنجتن پاک ہر ایک کلمہ گو کے دل و دماغ میں ہیں- وہ اسلام کی خدمت کے لئے آئے اور مثاب ہوئے- وہ اسلام کی خدمت کے لئے تھے اسلام انکی خدمت کے لئے نہیں آیا تھا- جناب امیر علیہ السلام کی جانفشانی سے دین حق کا بول بالا ہوا- وہ جنہوں نے حق خلافت کو بھی اسلام کے لئے ٹھکرا دیا وہ جن کا ہر فعل کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لئے تھا- وہ جن کی فضیلت کا مخالف بھی اقرار کرتے تھے-
وہ بزرگ جن کی تلوار سے کُفر کے نرغے چھٹ گئے-

حبیب- رسول کے بارے میں غلو کیا جاتا ہے؟ اور وہ حدیث قدسی جو ہے کہ "لولاک لما خلقت"

الافلاک"۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ سارے جہان آنحضرت کی وجہ سے بنائے گئے ہیں۔ یہ ہر فرقہ دہراتا ہے بلا اختلاف۔

ناظر۔ حبیب صاحب! رسول کے بارے میں قرآن نے بالکل وضاحت کر دی ہے۔ ان ساری آیتوں کو جمع کرکے غور کرنا چاہیئے۔ ایک دو نہیں ہیں چودہ پندرہ آیتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ وہ انسان تھے۔ اسکی خدائی اُن پر موقوف نہ تھی۔ رسول اور پیغام بر تھے۔ اس سے زیادہ اور کیا عجیب کارنامہ ہو سکتا ہے کہ بغیر کسی معجزے اور نشانی کے عرب جیسی اکھڑ جاہل اور ضدی قوم کو مسلمان بنا گئے۔

حبیب۔ یہ کیا فرما رہے ہیں آپ؟ بغیر معجزے کے؟ یہاں تو ہر مزار اور ہر قبر پر معجزے ہو رہے ہیں۔ ہر ماتم کدہ معجزہ خانہ ہے۔ جب بلاضرورت یہ شدت ہے تو قوم کو بدلنے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خرقِ عادت ظہور میں نہیں آئی؟ ختم المرسلین کو معجزہ نہ دیا گیا ہو؟ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ناظر۔ معجزات تو بہت مشہور ہیں خاص کر شقِ قمر۔ گو اس پر بھی سب کا اتفاق نہیں۔ دو چار اسکو بھی قیامت کے آثار میں شمار کرتے ہیں۔ قرآن بھی معجزات کی تائید نہیں کرتا۔ متعدد مقامات پر کفار کے مطالبے کو دھتکارا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبروں کی معجزنمائی خلقت کو ایمان پر مجبور نہیں کر سکی۔ اور تو اور حضرت موسیٰ کے معجزات خود بنی اسرائیل کو نہ موڑ سکے۔ جھٹ بچھڑا بنا لیا۔ حضرت کی سخت گیری اور خدا کی کھلی نشانیوں کے بعد بھی بت پرستی پر جھکے رہے۔ حضرت عیسیٰ سے زیادہ کس نے معجزے دکھائے۔ پرندے بنائے مُردے جلائے دلوں کے راز بتائے پھر بھی بارہ ہی ایمان لائے۔

حبیب۔ یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں حضرت عیسیٰ نے معجزات کے ڈھیر لگا دئے۔ علم میں بھی احبار کو خاموش کر کر دیا پھر بھی ان ظالموں نے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ اور اپنی طرف سے صلیب پر چڑھا دیا۔

ناظر۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تجربے کر کے دیکھ لیا تھا خرقِ عادت بیکار ہے۔ اسی لئے کفار کے متواتر تقاضوں کے باوجود یہی کہا کہ اے رسول انہیں سمجھا عذاب عِقاب سے ڈرا۔ جنت کی بشارت دے نشیب و فراز دکھا کر

ہدایت کرے۔ پھر یہ ہوا کہ آخری رسول نے انتہائی روحانی وجسمانی مصائب جھیل کر تند مزاج ضدی عربوں کو خدا کے راستے پر ڈال دیا۔ آپ ہی فرمائیے کہ اس سے زیادہ دنیا میں کوئی معجزہ ہوا ہے۔ اس کامیابی پر ہزار معجزے قربان کر دیئے جائیں۔ معجزوں والے مذاہب ایسی مثال تو پیش کریں۔

جلیب۔ تو کیا قرآن میں ایسی آیتیں ہیں جو معجزے بازی کے منافی ہیں؟

ناظر۔ عرض تو کر چکا ہوں کہ متعدد مقامات پر معجزے کے مطالبے کو رد کیا ہے۔ اِذَا سَمِعُوا۔ سورۂ انعام "وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ الخ" پیچھے سے کہتا چلا آرہا ہے کہ اے رسول اگر ان کا انحراف تجھ پر شاق گذرتا ہے تو اگر تجھ سے ہوسکے زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لے یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگالے پھر انہیں کوئی معجزہ لا دے۔ اگر اللہ چاہتا تو انکو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ رسول! تو جاہلوں میں شامل نہ ہو۔ مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں۔ اللہ ان کافر مردوں کو اٹھائیگا"۔ پھر کہتا ہے "اے رسول یہ کافر کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ کہدے کہ اللہ معجزہ اتارنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے بہتوں کو سمجھ نہیں ہے"۔

جلیب۔ ہاں اس سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس مطالبے کو سختی سے روک رہا ہے۔

ناظر۔ بہت سے مقامات ہیں سنتے جائیے۔ پارہ یعتذرون۔ سورۂ یونس۔ "وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ الخ" کافر کہتے ہیں کہ اس رسول پر کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی۔ کہدے کہ غیب کی خبر خدا جانے۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں"۔ مَا أُبَرِّئُ۔ سورۂ رعد۔ "وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ۔ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ"۔ جنہوں نے کفر کیا ہے کہتے ہیں کہ اس رسول پر اپنے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اے رسول کہدے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو رجوع ہوتا ہے اسے اپنی راہ دکھاتا ہے"۔ کتنی وضاحت ہے کہ معجزے سے ایمان نہیں بلکہ جو بغیر نشانیوں کے رجوع کرے خدا اسے ہدایت دیتا ہے۔

جلیب۔ آیت سے مراد نشانی ہے؟ تو نشانی معجزے کے علاوہ اور بھی ہوسکتی ہے۔

ناظر۔ اور کیا ہوسکتی ہے؟ جو بھی ہوگی وہ معجزہ ہے۔ سنئے اُتْلُ مَا أُوحِيَ۔ سورہ عنکبوت "وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ۔ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ" کافروں

نے کہا کہ اس رسول پر معجزات کیوں نہیں اتارے گئے کہدے کہ معجزے تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔ میں تو کھلے طور
پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لئے یہ معجزہ کافی نہیں ہے کہ ہمنے تجھ پر کتاب اتاری ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے
بیشک اسمیں رحمت اور نصیحت ہے ایمان لانے والوں کے لئے کہدے کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے"

جلیب - یہ تو بڑی وضاحت ہے۔ کہ معجزے کی ضرورت نہیں۔ قرآن خود ایسا معجزہ ہے جو تمام معجزوں کو حاوی ہے
ہدایت بھی ہے اور عرب جیسی فصیح قوم اسکا جواب بھی نہیں لاسکی۔ جن و انس سب کو چیلنج کیا گیا سب عاجز
رہگئے۔ حالانکہ مُردے جلانے اور لاٹھی کو سانپ بنانے میں مشکل تھی ایک آیت کا جواب مشکل نہ تھا۔

ناظر - جلیب صاحب! ذرا چپکے سے کہئے۔ بہائی آہستہ آہستہ بڑبڑا رہے ہیں کہ اقدس قرآن کا جواب ہے۔
اور یہ نادان دونوں کی فصاحت و بلاغت اور عربیت کا مقابلہ کرکے نہیں دیکھتے کہ الاقدس کیسی
پُھس پُھسی عربیت پر مشتمل ہے۔

جلیب - چھوڑیئے ان خرافات زدہ لوگوں کو۔ میں ان بھیڑوں کا ذکر نہیں سُننا چاہتا۔

ناظر - اچھا تو اب تمام آیتوں سے ایک اہم آیت اور سُن لیجئے۔ سبحٰن الذی سورہ بنی اسرائیل
"وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى الخ" کافروں نے کہا کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں
تک کہ تو ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نکال دے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا کوئی باغ ہو پھر تو اسکے اندر
نہریں جاری کرے۔ یا جیسا تو کہا کرتا ہے آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو
سامنے لے آئے۔ یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو یا تو چڑھ کر آسمان پر چلا جائے اور ہم تو تیرے
چڑھنے پر بھی ہرگز یقین نہ کریں گے جبتک تو ہم پر وہاں سے ایک تحریر نہ اتارے جسے ہم خود پڑھیں۔ اے
رسول ان سے کہدے کہ میرا پروردگار پاک ہے۔ میں کیا ہوں صرف ایک بھیجا ہوا آدمی"۔

جلیب - اللہ اللہ! کتنا انکار و اصرار ہے! کیسے کافر تھے کیا کیا مطالبے کرتے تھے۔ آہ! رسول کو کتنی کوفت
ہوتی ہوگی! ہماری جانیں قربان ہوں اُس عزم راسخ پر جسنے ایسی رکاوٹوں کو ٹھکرا کر بغیر کرامتوں
اور معجزوں کے خدا کی طرف دل موڑ دئے۔ واقعی ان آیات سے واضح ہوگیا کہ معجزہ کوئی نہ تھا رسول
کی محنت اور قرآن کی عقل لگتی تعلیم نے عربوں کو خدا کا عاشق بنایا تھا۔ اب میرا یہ ایمان ہے کہ اسلام خدا

رسول اور اوامر و نواہی پر مبنی ہے۔ اسکی تعلیم روشن ہے کوئی مذہب اُس سے لگا نہیں کھا سکتا۔

ناظر۔ نہیں یہ اضافے کچھ دوسرے انداز سے بھی ہوئے ہیں۔ جب کہا گیا کہ ہمارے یہاں اتنا کچھ ہے تو مسلمان نے اس پہلو کو پیش کرنے کے بجائے کرامتیں گھڑنی شروع کر دیں۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ جہاں کفر و اسلام کا مقابلہ تھا تبلیغ ایمان کی کوشش تھی خدا کا پیغام پہنچانا تھا وہاں تو صرف قرآن معجزہ ٹھیرا۔ یہاں ان مشرک نما مسلمانوں کو ہر قدم پر معجزے دکھائے جاتے ہیں جنکو رسول بھی معجزات دکھا کر ہفوات و خرافات سے نہیں ہٹا سکتا۔ صحیح اسلام بنانے والوں کو یہ سناتن دھرمی گردن زدنی سمجھتے ہیں

جلیب۔ ہزار افسوس ہے ہم پر ہم نے توحید پرستی کا پیمان توڑ کر شرک سے رشتہ جوڑا ہے۔ اور اب عورتوں اور مولویوں نے اتنی صلاحیت ہی نہیں چھوڑی کہ پھر ایک مرتبہ بدر و اُحد کے جاں نثاروں کی طرح خالص خدا پرست بن جائیں غیر اللہ کو دلوں سے نکال دیں۔ صرف اُس ایک معبود کو پوجیں۔ اور ہر ایک کام اسی کے لئے کریں زائد مشغلے چھوڑ دیں۔ تمام مسلمان ایک ہو جائیں۔ پھر رشتۂ اخوت کو تازہ کر لیں۔ معاملات کی صلاح کو نصب العین بنالیں۔ اسلامی اخلاق کو زندہ کریں اور پھر ایک مرتبہ دنیا کو بتا دیں کہ توحید پرست باطل سے نہیں دب سکتا۔ اسکی نیت نہ پیسے سے مُڑ سکتی ہے نہ حُسن سے حرص اسکا طریق نہیں لالچ اسکا شعار نہیں۔ اُسکی چال مرعوب نہیں ہوتی جائز کا فریفتہ اور ناجائز سے متنفر ہے۔ نہ بدرزی سے دب سکتا ہے نہ طاقت سے گھبرا سکتا ہے۔ اُسکی قلت کثرت پر، اُسکی غربت دولت پر، اسکی بے سر و سامانی شان اور سامان پر، اسکی روشن خیالی ہر ایک توہم پرستی پر غالب آ سکتی ہے۔ وہ خلافت کے جھگڑوں سے وابستہ نہیں۔ وہ امامت کی باریک بینی سے جکڑا ہوا نہیں۔ وہ بزرگوں کی پرستش میں نہیں اُلجھ سکتا۔ وہ مزاروں اور قبروں پر نہیں جھک سکتا۔ وہ روحانیت کے جنجال میں نہیں پھنستا وہ طبلے کی تھاپ اور ڈھولک کی چوٹ پر نہیں ناچتا۔ وہ بیعت کے فریب اور صوفیت کی کمزوری کو زندہ کاموں سے الگ سمجھتا ہے۔ وہ مولویوں کی شاعری کو ہفوات اور عورتوں کی وہم پرستی کو سم قاتل جانتا ہے۔ وہ ایک خدا اور اچھے عمل کا قائل ہے۔ وہ اُس رسول کا نام لیوا ہے جس نے میرزایانہ تعلّیاں نہیں کیں۔ دنیا کو مذہب کے نام پر آزادی اور روشن خیالی سکھائی انسان پرستی مٹا دی

وہ اُس غریب بشر کا پیرو ہے جس نے پیٹ پر پتھر باندھ کر راہِ حق میں جان دینی سکھائی تھی۔ وہ اُس بوریا نشین کی تاسّی کرتا ہے جسکی للکار نے کفر و شرک کے ہجوم کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ وہ دین کو بھی سمجھتا ہے اور دُنیا کو بھی۔ گر کر سنبھل جاتا ہے دب کر اُبھر جاتا ہے۔ زندہ کاموں کو فرض سمجھتا ہے وہ ضلالت شرک سے کوسوں دور رہے۔ اسکی سچائی ہر عمل کو ٹھیک کرتی ہے......

ناظر۔ جلیب صاحب! آپ کو تو بہت ہی جوش آگیا۔ بہت ہی گرم ہو گئے۔ ذرا پیشانی کے قطرے پونچھ لیجئے۔ آخر کار آپکی حق شناسی اور قابلِ رشک بصیرت اسلام کے خاکے پر پہنچ گئی۔ اگر اسلام سیدوں کے گھر سے نکلا ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ دماغوں سے تاریکیاں نکال کر اسلام کو سمجھیں اور پھر دوسروں کو سمجھائیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم اوروں سے زیادہ بے خبر ہیں اور اضافوں پر زیادہ مُصر۔ کیسی کیسی باتیں سنتے ہیں اور کبھی نہیں چونکتے۔ نہیں سوچتے کہ خدا والے اسلام سے قریب ہیں یا بعید۔

جلیب۔ خیر زمانہ کروٹ لے چکا ہے۔ انسان بیداری کے قریب ہے۔ یہ باتیں اب چل نہیں سکتیں۔ اس انقلاب نے بھی بہت سی آنکھیں کھولدی ہیں۔ ایک طبقہ ہوش میں آچکا ہے اور چپکے چپکے ایسے خیالات کو پرکھ رہا ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو پرکھنے کی توفیق دے! سیاسی طور پر بھی مفید آدمیوں کی مخالفت نہ کریں۔

ناظر۔ کیا توفیق دے۔ مولوی ہوش نہیں آنے دیتے۔ فضائل سنتے سنتے تھکے تھے تو شاعری میں اُلجھا دیا ہے۔ غالب کے دیوان میں ایسے نکتے نہیں سُوجھتے جو انہیں قرآن میں سوجھتے ہیں۔ اور عوام بیچارے اس خیال پر سر دُھننے لگتے ہیں۔ کہ مولانا وحی و الہام کا آبِ حیات پلا رہے ہیں۔ مذہب کا خاص جزو یہی ہے۔ بحث کرتے پھرتے ہیں جو چند باتیں بار بار سنتے ہیں۔ انہیں ہر ایک منہ پر چپکا دیتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کیا طرز اور کیا طریقہ ہے۔ کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ کسی کافر کو مسلمان بناتے ہمیشہ مسلمانوں ہی کو بزرگوں کی پرستش پر لگاتے رہے۔

جلیب۔ غیر طبقے بھی بے خبری کی آخری منزل میں ہیں۔ ان کو بھی قرآن کے اسلام کا کیا پتہ ہے۔ جدھر چاہو موڑ لو۔ اور اہل سنت تو سب کا شکار ہیں۔ ہر مذہب کے رنگروٹ وہیں سے مہیا ہوتے ہیں۔ بس

آتا ہے کہ سیاست اور زندگی میں حصّہ لیتے رہے ہیں۔ زندگی کا تو ایک پہلو مٹھی میں رہا ہے غنیمت ہے۔

ناظر۔ خدارا اتنی صاف گوئی سے کام نہ لیا کیجیئے۔ کسی کو ناگوار خاطر ہو تو مناسب نہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیئے۔ اور یہ سُنّی شیعہ۔ وہابی چکڑالوی۔ مرزائی بہائی تفرقوں سے احتراز کر کے اللہ والے مسلمان ہو جائیں تو بہتر ہے۔ زمانے کی نئی کروٹ کہیں اصل اصول سے بھی نہ کھو دے اور اپنے اچھے قانون سے بھی محروم نہ ہو جائیں۔

جلیب۔ کیا عرض کیجیئے۔ دین بھی عجب چیز ہے۔ نامعلوم طریقے پر کچھ سے کچھ بن جاتا ہے اور ہر ایک کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سنور رہا ہے۔

ناظر۔ یہ بھی دیکھا آپ نے کہ جب بہت جلد بگڑ جاتا ہے تو تنقید کتنی مشکل ہو جاتی ہے۔ زبان کھولنا۔ اتنا آسان کام نہیں رہتا۔ انسان دل و دماغ کو پہلے ملامتوں کے نشتروں کے واسطے وقف کر دے سینہ اور پہلو خنجروں کے لئے کھول دے تب کچھ کہے۔ کھُل کر پھر بھی حقیقتوں سے پردے نہیں اُٹھا سکتا۔ سوائے اسکے کہ گمراہیاں دیکھ کر سر رشتہ ہاتھ سے چھوڑ دے اور کچھ نہیں بن آتی۔

جلیب۔ واقعی بگاڑ ذرا محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خوش اعتقادی اضافوں کی خوبصورتی سے راہیں نکالتی چلی جاتی ہے۔ اصلی دین سے عام طور پر بے خبری ہو جاتی ہے۔ مذہب کے ٹھیکیدار جو کچھ کہہ دیں وہی ایمان بن جاتا ہے۔

ناظر۔ انسان کی فطرت آزاد بہت کچھ کام کرتی ہے اس لئے کہ ایک طرف تو شریعت کے احکام اور قانون کی پابندی نماز روزے کی خشکی ہے دوسری طرف من بھاتی دلچسپیاں ہیں۔ ایک طرف عمل کے لئے طبیعت پر جبر و ضبط ہے دوسری طرف طبلے کی تھاپ راگ کا الاپ اور بی جان کا بالاخانہ ہے۔ پھر یہ کہ انسان پرستی کی مضبوط فطرت کسی اصول کو نہیں دیکھنے دیتی۔ مذہبی اجارے دار کھُل کھیلتے ہیں اور اس طرح نامعلوم طریقے پر ذہنیتیں مسموم ہو جاتی ہیں۔

جلیب۔ خیر جو کچھ بھی ہوتا ہو مجھے تو آپ نے ٹھکانے لگا ہی دیا۔ وہ جو دو چار خیالات سنبھال رکھے

تھے مٹھی سے نکل گئے مبارک ہو آپ کو۔ بڑی فکر تھی مٹ گئے۔ میں بھی اب راکھ کریدنے پہ لگ جاؤں گا۔

ناظر۔ یہ کیا فرما رہے ہیں آپ ؟ یوں کہئے کہ اب آپ کیچڑ سے موتی نکالنے پہ لگ جائیں گے۔ خدا پرستی کے اسلام پر جا ٹکیں گے۔ قرآن کے مقصد کو سمجھیں گے۔ اُس اسلام کو مضبوط پکڑ لیں گے جو رسولِ عربی نے باطل پرستیاں دور کر کے روشن خیالی کا زیور پہنا کر انسان پرست فطرت کے سامنے رکھا تھا۔ جو بزرگوں کی پوجا کے لئے نہیں دیا تھا بلکہ نیکی اور زندگی سکھانے کے لئے دیا تھا۔

جلیبا۔ ہاں خوب یاد آیا مدت سے خواب کے فلسفے میں طبیعت بھٹک رہی ہے اس پر بھی کبھی روشنی ڈالئے۔

ناظر۔ فکر نہ کیجئے یہ چیز انسان کو لاکھوں سال سے فریب دے رہی ہے۔ اگلی ملاقات میں جہاں باریک لنسوں پر جراحی ہو گی پردہ دل کی باتیں کھلیں گی وہاں اس پر بھی گفتگو ہو جائے گی۔

جلیبا۔ اچھا لیجئے اب اجازت دیجئے۔ آج تو گفتگو کی انتہا ہو گئی۔ چھ گھنٹے گذر گئے ہیں۔

ناظر۔ جلیبا صاحب! جی تو نہیں چاہتا اجازت دینے کو لیکن اس اُمید پر بادلِ ناخواستہ ہاں کئے لیتا ہوں کہ جلد تشریف لائیے گا۔ صرف آپ کی ملاقات ہے جو زخمی دل پر مرہم رکھ دیتی ہے۔ خدا حافظ فی امان اللہ!

اِفشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں سہیں
لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا

اسلام...... زندہ باد!
پاکستان... پائندہ باد!

۲۳ دسمبر ۱۹۴۸ء

طباعت ۱۹۵۰ء

ملنے کا پتہ۔ ایم عبدالحمید اینڈ کمپنی۔ اردو بازار۔ لاہور
قیمت ۳ روپے

تشریح الاذکار

ہر ایک مسلمان کے لئے

سیفی